

# فصل الامتياز

مؤلف  
عالم جناب صفی الدولہ حسام الملک نواب بنصر

سابق آنری ڈاکٹر آف لیگ انڈیا ریاست بھوپال حال  
پڑھی، محکمہ تعلیم، ایجوکیشنل کالج علی گڑھ  
رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم مدرّۃ العلماء لکھنؤ  
ممبر انشیاہک سوسائٹی آف انڈیا

بیتام محمد رحمت اللہ علیہ

نامی پریس کانپور میں چھپی





# وَجَدَ أَزْمَانَ عَمَّا أَتَى طیمی کشن

فطرۃ الاسلام کی تالیف سے اصل غرض یہ ہے کہ مسلمان پبلک ورنو تعلیم یافتہ لوگوں کو اسلام کے اہم مسائل اور بزرگان ملک و ملت کی محققانہ معلومات سے مطلع اور مستفید کیا جائے اسلئے مین نہایت ادب کے ساتھ اپنی اس ناچیز تالیف کو مخدوم و محترم عالیہ جناب نواب قار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب بھادر مدظلہ آنریری سکرٹری مدرستہ العلوم علیگڑھ کے اسم گرامی پر معنون کرتا ہوں اور جناب نواب صاحب مدوح کا نہایت ممنون ہوں کہ انھوں نے ازراہ اسلامی حمیت میری استدعا قبول و منظور فرمائی۔

خاکسار

محمد علی حسن خان  
 ۲۸ اپریل ۱۹۱۰ء



# فہرست مضامین فطرت الاسلام

نمبر شمار	مضمون	ہندسہ	نمبر شمار	مضمون	ہندسہ
	دیباچہ از صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۹		۱۴	ہر قوم میں ایک اہمائی یعنی تعمیر کنڈراہو	۲۲
	۱			اعتقاد کی تعریف صفحہ ۲۲	
۲	۲	۱۵	۱۵	مذہب کے اصل قواعد	۲۴
۳	۳			سچے مذہب کی شناخت اور فطرت الہی کا بیان از صفحہ ۲۴ تا ۳۱	
۴	۴		۱۶	حقیقی سچائی فطرت و عقل ہے۔	۲۶
	۵		۱۷	فطری کے معنی۔	
۵	۵		۱۸	علت و معلول کا بیان۔	۳۰
۶	۶		۱۹	قوانین قدرت سے روحانیت کا علم حاصل ہونا۔	
۷	۷		۲۰	عقل شخصی اور عقل انسانی کا فرق	۳۱
۸	۸			فطرت و قوانین قدرت کا نہ بدلنا اور خدا کی قدرت کا ملکہ کا ثبوت از صفحہ ۳۴ تا صفحہ ۳۵	
۹	۹		۲۱	قوانین قدرت کے بدلنے سے ذات باری تعالیٰ کا بیکار اور محفل ہوتا لازم نہیں آتا۔	۳۵
۱۰	۱۰		۲۲	عہد جاہلیت کے حالات اور اسلام کا ظہور از صفحہ ۳۵ تا صفحہ ۴۹	
۱۱	۱۱		۲۳	ایمان کیا چیز ہے۔	
۱۲	۱۲		۲۴	مذہب کی کثرت صفحہ ۴۱	

نمبر شمار	مضمون	ہندسہ	نمبر شمار	مضمون	ہندسہ
۲۱	اسلام ایک انزلی اور ابی نور ہے۔	۳۷		فقدان لازم نہیں آتا۔	
۲۲	دُنیا کی عام حالت قبل اسلام	۳۹		وحی کی حقیقت از صفحہ ۵۵ تا صفحہ ۵۶	
۲۳	اہل عرب کی مذہبی حالت قبل اسلام	۴۰			
۲۴	عرب کا بُت پرست فرقہ۔	۴۱	۳۸	وحی کے معنی اور اُس کے نزول کے طریقے۔	۵۵
۲۵	عرب کا خدا پرست فرقہ۔	۴۱	۳۹	وحی سولہ انبیاء کے غیر انبیاء پر بھی ہوا کرتی ہے۔	۵۶
۲۶	عرب میں مذہب صابی کا فرقہ	۴۱		مگر اُس کے نام جِدّ اُجْدِاَین۔	
۲۷	عرب میں عیسائیوں کا فرقہ۔	۴۲	۴۰	وحی اور الہام کا فرق۔	۵۸
۲۸	عرب میں آتش پرستوں کا فرقہ۔	۴۲			
۲۹	عرب میں یہودیوں کا فرقہ۔	۴۲		فرشتوں کی ماہیت	
۳۰	عرب میں لاندہ بھونگا گروہ۔	۴۳		از صفحہ ۵۸ تا صفحہ ۶۳	
۳۱	فرقہ دہریہ۔	۴۳	۴۱	جبریل کے لغوی معنی۔	۵۹
۳۲	فرقہ لاادریہ۔	۴۴	۴۲	یہودی صفات باری تعالیٰ کو فرشتوں	۶۰
۳۳	اسلام کا خاتم الٰہ اہب ہونا اور اُس کے	۴۵		کے نام سے تعبیر کیا کرتے تھے۔	
	اساسی اور اخلاقی اصول۔		۴۳	فرشتوں کی تقسیم اُن کے کاموں کے اعتبار سے۔	۶۱
۳۴	یورپ کی آزادی اسلام کی آزادی	۴۵	۴۴	عرب جاہلیت میں فرشتوں کے مختلف درجے	۶۲
	کے مقابل میں ایک قطرہ ہے۔				
۳۵	اسلام کی مطابقت دوسرے الہامی	۴۸		اقسام مسائل اسلام از صفحہ ۶۳ تا ۶۵	
	مذہبوں سے بجائے خود اسلام کی صدا		۴۵	اسلام کے نصوص و احکام کے اقسام	۶۳
	کی زبردست دلیل ہے۔			اسلام کے اصلی احکام جو روحِ مذہب	
	پیغمبر کی تعریف اور نبوت کا			اور عینِ فطرت میں از صفحہ ۶۵ تا ۶۸	
	بیان۔ از صفحہ ۶۹ تا صفحہ ۵۵				
۳۶	ملکہ نبوت ایک فطرت ہے۔	۵۰	۴۶	وحدت فی الذات۔	۶۵
۳۷	نبوت کے ختم ہو جانے سے ملکہ نبوت کا	۵۲	۴۷	مادہ سین اور اک وشعور نہیں۔	۷۰
			۴۸	مادہ کو علتہ العلل یعنی خدا کا معلول	۷۳

نمبر شمار	مضمون	ہندسہ	نمبر شمار	مضمون	ہندسہ
۹۱	ہر ایک انسان خدا کے ماننے پر فطرًا مجبور ہے	۹۷	۴۹	بلاد اسطہ ٹھہرانا صحیح نہیں۔	۴۹
	اسی سبب سے زبان شرع میں عاقل		۵۰	وحدت فی الصفات	۵۰
	بالغ آدمی کو مکلف کہتے ہیں۔		۵۱	صفات ثبوتیہ اور صفات سلیمیہ۔	۵۱
۹۲	یقین کے مختلف مراتب کے لحاظ سے	۹۲	۵۲	خدا کی ذات و صفات کی ماہیت سے	۵۲
	آدمیوں کے اقسام۔			لا علمی۔	
			۵۳	خلوص کا کمال ذات باری سے صفات	۵۳
	عالم آخرت از صفحہ ۱۰۶ تا صفحہ ۱۰۹	۹۹		کافی کرنا ہے۔	
۹۳	عالم آخرت کا یقین بھی مثل اقرار ذات	۱۰۳	۵۴	وحدت فی العبادۃ۔	۵۴
	باری کے داخل فطرت ہے۔		۵۵	اسلام نے اقرار وحدانیت کے ساتھ	۵۵
۹۴	موجودات عالم میں بہت سی مثالیں		۵۶	اقرار رسالت کو لازم و ملزوم کیون	۵۶
	اور مشابہتیں ایسی بائی جاتی ہیں انسانی			ٹھہرایا۔	
	خیال کو عالم آخرت سے قریب کویتی ہیں		۵۷	نبوت کے ثبوت میں آنحضرت صلیم کی ذات	۵۷
	روح کا بیان از صفحہ ۱۰۶ تا صفحہ ۱۱۵			بجائے خود ایک حجت ہو۔	
۹۵	روح مادی ہو یا غیر مادی۔	۱۱۰	۵۸	قرآن ایک زندہ اور ابدی معجزہ ہو۔	۵۸
۹۶	روح اور جسم کا تعلق۔	۱۱۱	۵۹	زمانہ بعثت آنحضرت صلیم میں عرب کی	۵۹
۹۷	روح جو ہر قائم بالذات ہے۔	۱۱۲		عام حالت۔	
۹۸	روح کا بقا اور دنیا کی کسی چیز کا فنا ہونا	۱۱۳	۶۰	بنی اُمی کا پر زور آواز کے ساتھ لوگوں کو	۶۰
۹۹	انسان اور حیوان کی روح کا بیان	۱۱۴		مخاطب کرنا اور تبلیغ اسلام کا وعظ۔	
	جبر و اختیار کا مسئلہ از صفحہ ۱۱۵ تا ۱۲۵		۶۱	ایک تیمم بچہ کی آواز نے دنیا کا قلب	۶۱
				ماہیت کر دیا۔	
۱۰۰	مسئلہ جبر و اختیار کا بیان مذہبی پہلو سے	۱۱۶	۶۲	قرآن مجید کی بے نظیر فصاحت اور	۶۲
۱۰۱	قدیم مصری اور یونانی حکماء کا خیال	۱۱۷		اسکی بمثل جملع اور کامل ہدایتیں	
۱۰۲	مسئلہ جبر و اختیار پر قرآن مجید سے استدلال	۱۱۸		آنحضرت صلیم کے واجب الاتباع	
				ہونے پر بین دلیل ہیں۔	

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۱۳۳	عدم مغفرت سے کیا مراد ہے۔	۸۶	گونا گونہ نہیں۔	
	قیامت کا بیان از صفحہ ۳۳ تا ۳۷	۱۱۸	علم الہی کا نام تقدیر ہے۔	۷۲
		۱۲۰	عقل و فطرت سے مسئلہ جبر و اختیار کی جانچ	۷۴
۱۳۵	قیامت کی دو تین بن۔	۱۲۲	قوت ارادہ اور قوت اجتناب کا بیان	۷۵
۱۳۶	قیامت کا ہونا ایک طبعی واقعہ ہے۔	۷	کائنات کا معنی اور ایمان کا بیان۔	۷۶
۱۳۷	صفات زمین کا تبدیل ہو جانا	۷	نور قلب و راہم فطرت کا بیان	۷۷
۷	انرجی یعنی برقی مقابل برغالب نیولی قوت	۱۲۳	انسان کا مختار ہونا مشاہدہ اور ہدایت کے موافق ہے۔	۷۸
	گو معذورم نہو کی گہرات تین تبدیل ہو سکتی ہے۔			
	حشر اور حساب کتاب میزان کا بیان از صفحہ ۳۷ تا ۴۵		سعادت و شقاوت اور عذاب و ثواب کا بیان از صفحہ ۲۵ تا ۳۱	
۱۳۸	حشر کی تعریف۔	۹۱	اکتساب کے معنی اور سعادت و شقاوت	۷۹
۱۳۹	جسم کا تبدیل ہونا ضروری نہیں۔	۹۲	کی تعریف۔	
۱۴۰	اعمال کا وزن کیا جاتا ہے۔	۹۳	اصلی اور حقیقی سعادت کیا ہے؟	۸۰
	حالت کا بیان ہے۔	۱۲۶	اکتساب سعادت و شقاوت کی تفصیل	۸۱
۱۴۱	وجود کے اقسام۔	۱۲۸	روح کا انسانی اعمال سے داغدار ہونا	۸۲
	صراط کا بیان از صفحہ ۴۳ تا ۴۵	۷	عذاب و ثواب کی تعریف اور جزا اور سزا کا ذکر۔	۸۳
۱۴۲	صراط کی تعریف	۹۵	خدا کا حکم دینا مثل ایک طبیعت کے حکم کے ہے؟	۸۴
۷	صراط مستقیم کا قیامت کے دن متحمل ہونا	۹۶	یہ مثل حکم حاکم کے اپنے خادم کو۔	
	دو نرخ اور جنّت کا بیان از صفحہ ۴۶ تا ۵۰		گناہوں کا معاف ہونا اور شرک کا یہ معاف ہونا از صفحہ ۳۱ تا ۳۳	
۱۴۶	جنّت بعد و نرخ کی نسبت عام خیال	۹۷	روح کا اپنی حیرت کثیر میلان ہونا۔	۸۵

نمبر شمار	مضمون	پہنڈ	نمبر شمار	مضمون	پہنڈ
۹۸	جنت کی مامیت کا بیان قرآن مجید اور حدیث میں۔	۱۴۷	۱۱۳	تائیدین علی چیزین میں ہیں۔	۱۶۱
۹۹	کیفیات بیان میں نہیں آسکتے۔	۱۵۰	۱۱۴	اسلام نے پانچ نمازیں مقرر کی ہیں۔	۱۶۲
	محافظ احکام جو اصلی احکام کی بقا اور حفاظت کی غرض سے قائم کی گئی ہیں۔	۱۵۰	۱۱۵	دو گروہوں کا بیان۔	۱۶۳
	محافظ احکام سے کیا مراد ہے۔	۱۵۱	۱۱۶	نماز کو اسلام کی سختی سے موسوم کرنا ایک غلط خیال ہے۔	۱۶۴
۱۰۰	عبادت کی تعریف۔	*	۱۱۷	جمع بین الصلوٰۃ کا ذکر۔	۱۶۷
۱۰۱	شعار اسلام کی تعریف	۱۵۲	۱۱۸	وضو کا بیان۔	۱۶۸
۱۰۲	خدا کا نامنا داخل فطرت ہے۔	۱۵۳	۱۱۹	اوقات نماز مقرر ہونے کی مصلحت اور ضرورت۔	۱۶۸
۱۰۳	عبادت کی بنا پر سطح پڑی۔	۱۵۴	۱۲۰	قبلہ ٹھہرانے کی ضرورت۔	۱۶۹
۱۰۴	اسلام کے اصول عبادت۔	۱۵۴	۱۲۱	تحویل قبلہ کا حکم۔	۱۷۰
۱۰۵	اسلام نے امور خلاف قانون قدرت کو عبادت سے خارج کیا۔	۱۵۴	۱۲۲	نماز و خیرہ میں عربی زبان کی تخصیص کی ضرورت۔	۱۷۱
۱۰۶	عبادت کوئی مقصود بالذات خیر نہیں۔	۱۵۵	۱۲۳	انگریزی زبان کی مثال۔	۱۷۲
۱۰۷	عبادت میں اعتدال۔	۱۵۶	۱۲۴	تائیدین کے اعتبار سے زبان عربی کی وقعت	۱۷۳
۱۰۸	عبادت کے نتائج۔	۱۵۷	۱۲۵	تکمیل نماز کیلئے سچے باتیں ضروری ہیں۔	۱۷۴
۱۰۹	فرائض زندگی داخل عبادت ہیں۔	۱۵۸	۱۲۶	مذہبی شاعت میں اہل یورپ کی سرگرمی	۱۷۶
۱۱۰	ترک دنیا کی ممانعت اور اس کا عبادت سے خارج ہونا۔	۱۵۹	۱۲۷	عیسائیوں و مسلمانوں کی نماز کا مقابلہ۔	۱۷۷
۱۱۱	باطنی پاکیزگی اصل دین ہے۔			صوم کا بیان۔	۱۷۸
۱۱۲	نماز کا بیان۔			روزہ کا جو دہر زمانہ اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے	۱۷۸
				روزہ کا مذہبی درجہ پایا۔	۱۷۹
				یونانی اور رومی مذہبی افسانوں میں	۱۸۰

نمبر شمار	مضمون	ہندسہ	مضمون	نمبر شمار
۱۳۱	روزہ کا ذکر	۱۸۲	اسلام میں روزہ کے اُصول -	۲۰۱
۱۳۲	روزہ انسانی فائدہ کی غرض پر مبنی ہے۔	۱۸۳	روزہ ایک نفسانی علاج ہے نہ مقصود	۲۰۲
۱۳۳	بالذات -	۱۸۴	اسلام نے روزہ مقرر کر نہیں اختلاف	۲۰۳
۱۳۴	اسلام نے روزہ مقرر کر نہیں اختلاف	۱۸۵	مزاج اور اختلاف ملک و موسم اور	
۱۳۵	طبعی حالت کو فراموش نہیں کیا۔	۱۸۸	آیات قرآنی میں نسخ کے بابت علماء	۲۰۴
۱۳۶	یطیقونہ کے معنی اور اُس کے متعلق علماء	۱۵۰	کا اختلاف -	۲۰۵
۱۳۷	روزہ کے متعلق احکام -	۱۵۱	حرم کعبہ دکھائی دینے کے وقت کی دعا	۲۰۶
۱۳۸	حج اسلام کے اعلیٰ حکیمانہ اصولوں میں	۱۵۲	کوہ صفا پر چڑھنے کے وقت کی دعا -	
۱۳۹	کعبہ کی وجہ تسمیہ -	۱۵۳	منے میں اُترنے کا راز	۲۰۸
۱۴۰	کعبہ دنیا میں پہلا گھر ہے جو خدا کی عبادت	۱۵۴	جبل عرفات کا بیان -	۲۰۹
۱۴۱	کیلئے بنایا گیا -	۱۵۵	وقوف مزدلفہ اور صفحہ ۲۰۹ تا ۲۰۹	
۱۴۲	حج ابراہیمی طریقہ عبادت کا نام ہے۔	۱۵۶	مذلفہ میں قیام -	
۱۴۳	اصول حج -	۱۵۷		
۱۴۴	حج فروغ تجارت کا ذریعہ ہے۔			
۱۴۵	حج بزرگوں کی یادگاہ قائم رکھنے کا سبق			

نمبر شمار	مضمون	ہندسہ	نمبر شمار	مضمون	ہندسہ
۲۲۵	میں غصہ کو سوال جا رہی ہے۔	۱۷۰	منی نری جبار از صفحہ ۲۱۱ تا صفحہ ۲۱۱		
۲۲۶	زمانہ رسالت کا طرز عمل۔	۱۷۱			
۲۳۰	مصبیت کیا چیز ہے اور اسلام نے اسکا مفہوم کیا بتایا ہے۔	۱۷۲	۲۱۰	منی پر ہونچ کر جو دعا پڑھی جاتی ہے۔	۱۵۶
۲۳۱	زکوٰۃ اور صدقات میں دو طرح کی مصلحتیں ہیں۔	۱۷۳	۲۱۱ و ۲۱۰	قرآنیوں کی قسمیں	۱۵۷
۲۳۳	مسلمانوں کو ہر شہر اور قریہ میں ایک نکلہ کا فنڈ قائم کرنا چاہیئے۔	۱۷۴	۱۷۳	منی جبار کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔	۱۵۸
	مقدار زکوٰۃ قرار دینے کا سبب از صفحہ ۲۳۴ تا صفحہ ۲۳۶			طواف الزیارت صفحہ ۲۱۲	
۲۳۵	مال کے اقسام	۱۷۵		طواف الصدر صفحہ ۲۱۲	
۱۷۶	مقدار زکوٰۃ مقرر کرنیکی مصلحت	۱۷۶		اقسام حج صفحہ ۲۱۲	
۱۷۷	زکوٰۃ کے واسطے تعین مدت کی ضرورت و مصلحت۔	۱۷۷	۲۱۲	افراد اور قرآن اور تمتع کا بیان۔	۱۵۹
۲۳۶	جن چیزوں پر زکوٰۃ لازم ہے انکا بیان	۱۷۸	۲۱۳	حجر اسود کا ذکر۔	۱۶۰
۱۷۹	جو چیزیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں انکا بیان	۱۷۹	۲۱۴	رمل کا بیان۔	۱۶۱
	زکوٰۃ کی فرضیت صفحہ ۲۳۶			قرآنی مقرر کرنیکی ضرورت و مصلحت	۱۶۲
۱۸۰	زکوٰۃ کس پر فرض ہے۔	۱۸۰		زکوٰۃ کا بیان از صفحہ ۲۱۶ تا صفحہ ۲۱۶	
	مصارف زکوٰۃ کا بیان از صفحہ ۲۳۶ تا صفحہ ۲۳۸		۲۱۶	زکوٰۃ کے معنی اور یہ کہ اس سے کیا مادی ہے۔	۱۶۳
۲۳۷	مصارف زکوٰۃ آٹھ ہیں۔	۱۸۱	۲۱۷	ہمدردی کے مختلف درجے۔	۱۶۴
			۲۱۸	تعلقات کا سلسلہ فطری و یا نہیں۔	۱۶۵
			۲۲۰	تعلقات کے سمجھنے میں لوگوں کا غلطی کرنا۔	۱۶۶
			۲۲۱	زکوٰۃ اور صدقات حسن تمدن اور معاشرت کے حق میں مفید ہیں یا غیر مفید۔	۱۶۷
			۲۲۲	زکوٰۃ اور صدقات کا غلط استعمال۔	۱۶۸
			۲۲۵	اسلام نے بغیر مجبوری قوی سوال کو حرام ٹھہرایا۔	۱۶۹

نمبر شمار	مضمون	ہندسہ	نمبر شمار	مضمون	ہندسہ
	وہ لوگ جنکو زکوٰۃ و صدقات دینا منع ہے۔ از صفحہ ۲۳۸ تا صفحہ ۲۴۰			دفعہ بلا ہمتیہ باعث نجات فاسق ہو سکتا ہے۔ از صفحہ ۲۴۱ تا صفحہ ۲۴۲	
۱۸۲	عفی اور صحیح اعضا کو صدقہ دینا جائز نہیں	۲۳۸	۱۸۷	ہام کے ساتھ نیک سلوک کرنا صدقہ ہے	۲۴۲
۱۸۳	غنا کی مقدار۔	۲۳۸	۱۸۸	صدقہ دیکر احسان جتنا اور ایذا دینا منع ہے	۲۴۲
۱۸۴	ایام متبرکہ اور مقامات مقدسہ میں سوال ناجائز نہیں۔	۲۳۹		لا علمی میں بے موقع صدقہ بھی باعث اجر ہے۔ صفحہ ۲۴۳	
	صدقہ اور ہدیہ کا فرق۔ صفحہ ۲۴۱			صدقہ دینے وقت ابتدا کس شخص سے کی جائے۔ از صفحہ ۲۴۳ تا صفحہ ۲۴۴	
۱۸۵	صدقہ کی مختلف صورتیں۔	۲۴۱	۱۸۹	صدقات کی ترتیب۔	۲۴۴
	صدقہ واجب۔ صفحہ ۲۴۱		۱۹۰	مشرکین ان باب کے ساتھ حسن سلوک۔	۲۴۴
۱۸۶	صدقہ عید الفطر کی مقدار۔	۲۴۱		صدقات کی حقارت خود کو یا محنت کی ترغیب ہے۔ صفحہ ۲۴۴	
	صدقہ باعث تہذیب نفس اور			زکوٰۃ و صدقات سے علم حساب سیکھنے کی ترغیب۔ صفحہ ۲۴۵	



## شمس العلماء مولانا مولوی شبلی صاحب نغانی

ایشیائین اُمراء کا مشغلہ ہمیشہ جنگ نے، اور ساغر مے رہا ہی لیکن چونکہ کوئی کوئی کلیہ استثناء سے خالی نہیں ہوا سئلے خال خال ایسے نفوس بھی پائے جاتے ہیں جو ظاہری دولت مندی کے ساتھ علم و فضل کی دولت سے بھی بہرہ ور ہیں، انہی مستثنیات میں ہمارے معزز اور محترم دوست نواب سید محمد علی حسن خان خلف الرشید نواب امیر الملک صدیق الحسن خان مرحوم ہیں۔

آج کل ملک میں ضعیف الاعتقادی کی عام ہوا چل گئی ہو، اور تری سے مبتدی تک کوئی اسکے اثر سے نہیں بچا، ضرورت کے لحاظ سے ارباب نظر نے مختلف کتابیں لکھیں لیکن اُن کا طرز بیان ایسا تھا کہ مبتدی اور کم استعداد اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکے، جناب

موصوف الصدف نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور فطرۃ الاسلام  
 نام ایک کتاب لکھی جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ اس کتاب کی  
 خصوصیت یہ ہے کہ تمام اُہمات مسائل کو اس انداز سے سوال و جواب کے  
 پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ ایک معنی لی سمجھ کا آدمی بخوبی سمجھ لے اور اُس کا دل  
 مطمئن ہو جائے دلائل اُسی درجہ کے براہی اور یقینی ہیں صرف طرز  
 بیان کا فرق ہے کہ مشکل سے مشکل مسئلہ آسان ہو جاتا ہے۔  
 ہم کو امید ہے کہ کتاب مقبول ہوگی اور نواب صاحب صوف کو  
 اس قسم کی اور تصنیفات کا حوصلہ دلائے گی۔

دستخط  
 شبلی نعمانی

۱۲۔ اپریل ۱۹۱۰ء

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

زلافِ حمد و نعتِ اولیٰ است برخاکِ دُبِ خفتن  
سجودِ میّتوانِ کروں، درودی میّتوانِ گفتن

انسان کے زمانہ پیدائش سے لیکر اُس وقت تک جبکہ وہ سن تیز کو پہنچتا ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تمام روحانی اور مادی ترقیوں کا بھید و سوالوں میں چھپا ہوا ہے جنکو انسان گویا اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتا ہے کم و بیش ہر بچہ کی زبان سے پہلے پہل جو ابتدائی دو سوال نکلتے ہیں وہ یہ ہیں کیا ہے اور کیوں ہے پہلا سوال یعنی کیا ہو انسان کی اُس فطری استعداد کو ظاہر کرتا ہے جو قدرت نے تمام مادی اشیا کی ادراکِ حقیقت اور اُن کے

نفع و ضرر سے واقف ہونے کے لیے انسان کو عطا کی ہے انسان اپنی اخیر زندگی تک انھیں اشیا کے حاصل کرنے یا اُن کے ضرر سے بچنے کی کوشش کرتا رہتا ہے انھیں اشیا کی تحلیل و ترکیب کا نام فلسفہ و سائنس ہو اور انھیں اشیا کی ترتیب و تہذیب کا نام شائستگی اور نظام تمدن ہے دوسرا سوال یعنی کیوں ہے یہ انسان کی اُس فطری قابلیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اُن تمام اسباب سے علاقہ رکھتی ہے جن اسباب سے واقعات عالم اور قوانین طبعی کے سلسلہ کا پتہ لگتا ہے یہ سلسلہ بعض کے نزدیک طبیعت عالم پر جس کو مادہ کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک مادیات اور اے طبیعت یعنی ایک ذات واجب الوجود علت العلل پر منتہی ہوتا ہے یہ ہی دوسرا سوال یعنی کیوں ہے درحقیقت تمام مذاہب و کمالات روحانی کا سرچشمہ ہے۔

اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ جس طرح ہر انسان میں مادی ترقی کی صلاحیت فطری ہے اُسی طرح روحانی ترقی کی قابلیت بھی وہ اپنے ساتھ لاتا ہے پس یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ انسان کے ساتھ ہی ساتھ دُنیا میں مذہب کا ظہور ہوا ہے اس میں بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ بنی نوع انسان کے ابتدائی زمانے میں جبکہ وہ طفولیت کے گوارہ میں تھا اور اُس کے پاک معصوم دل و دماغ کو مختلف خیالات اور متضاد ادراکات نے مکدر نہیں کیا تھا اُس وقت تک ظاہر ہے کہ جو کچھ اُس کے دل و دماغ نے تازگی

حاصل کی ہوگی وہ فطرت کے پاک صاف چشمہ سے حاصل کی ہوگی جس کا پانی موتی سا چمکتا ہوگا اور ہر قسم کی گرد و غبار اور خض و خاشاک سے پاک ہوگا جب اُس معصوم انسان نے بجلی کی کڑک بادل کی گرج سُنی ہوگی آندھیوں کا زور و شور دریاؤں کا تلاطم و طوفان دیکھا ہوگا اور غنخوار درندوں اور خطرناک باؤں سے اُس کو سابقہ پڑا ہوگا اور پھر اُس نے اپنے کو ہر طرف مجبور یوں سے گھرا ہوا پایا ہوگا تو یقیناً اُس کا خیال ہر پیر کر سب سے پہلے ایک ایسی اعلیٰ طاقت کی طرف رجم ہوا ہوگا جو ان سب قوتوں سے بالاتر ہو خداوند تعالیٰ نے اسی فطرت انسانی کی تصویر حضرت ابراہیم کے قصہ کے پیرایہ میں ان عمدہ الفاظ میں کھینچی ہے۔

اسطرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کا انتظام دکھانے لگے تاکہ وہ (کامل) یقین کر لیا لوئیں سے ہو جاوین تو جب اُن پر رات چھا گئی اُن کو ایک ستارہ نظر آیا (اور اُسکو دیکھ کر) لگے کہ یہ میرا پروردگار ہے پھر جب وہ غروب ہو گیا تو بولے کہ غروب ہو جانے والی چیزوں کو تو میں پسند نہیں کرتا کہ خدا مان لوں پھر جب چاند کو دیکھا کہ پُرا جگمگا رہا ہے تو لگے کہ یہ ہی میرا پروردگار ہے پھر جب (وہ بھی) غروب ہو گیا تو

كَذٰلِكَ يُرِي اِبْرٰهِيْمَ مَلٰكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَمَّاسَاجِدٌ عَلَيْهِ السَّلٰمُ رَاكَوْكَبًا ؕ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّاسَاجِدٌ قَالَ لَا اُحِبُّ الْاَصْنٰفِيْنَ فَلَمَّاسَ رَا الْقَمَرَ بَا زِعًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ؕ فَلَمَّاسَاجِدٌ

قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ  
مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ فَلَمَّا رَأَى  
الشَّمْسُ بَارِزَةً قَالَ هَذَا رَبِّي  
هَذَا أَكْبَرُهُ فَلَمَّا أَخْلَتْ قَالَ  
لِيَقَوْمِ إِنِّي بِرَبِّي مِمَّا تُشْرِكُونَ  
إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي  
فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا  
وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

بولے اگر تجھ کو میرا پروردگار راہ راست نہیں  
دکھا دے گا تو بیشک میں (بھی) گمراہ لوگوں میں  
ہو جاؤں گا پھر جب سورج کو دیکھا کہ بڑا جگمگا رہا ہی  
تو لگے کہنے یہ ہی میرا پروردگار ہے کہ یہ (سب سے)  
بڑا (بھی) ہے پھر جب (وہ بھی) غروب ہو گیا تو  
(اپنی قوم سے مخاطب ہو کر) بولے کہ بھائیو! جن چیزوں کو  
تم شریک (خدا) مانتے ہو میں تو اُن سے بے تعلق محض ہوں  
میں تو ایک ہی کا ہو کر اپنا رخ اُسی (ذات پاک) کی طرف کر لیا  
جس نے آسمان و زمین کو بنایا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں

بہر حال جب انسان نے طفولیت کے گہوارہ سے آگے قدم بڑھایا  
تو نئے نئے تجربے نئی نئی معلومات نئے نئے مناظر اُس کو پیش آئے طبعیتوں  
کے اختلاف عقولوں کے مختلف درجات اور معلومات کے فرق مراتب  
کی وجہ سے وہ پاک تخیل جس کا نام مذہب ہے وہ بھی ایک حالت پر قائم نہ رہا  
اور مختلف وقتوں میں مختلف مذہبوں کی بُنیا د پڑی اُن میں سے بہت سے  
مذہب تو ایسے ہیں جو زمانے کے ساتھ مٹ گئے اور کتبائوں میں اُن کا ذکر  
باقی رہ گیا اور بہت سے مذاہب ایسے ہیں جو اس وقت تک قائم ہیں با اینہم  
اگر تمام اگلی پھلی موجودہ اور غیر موجودہ مذاہب کی بُنیا د پر نظر تعمق سے دیکھا

جائے تو وہ ان تین نمبروں میں سے کسی ایک نمبر میں سما سکتی ہیں۔

(مقبّر ۱) انسان بھی مثل نباتات و جمادات کے ایک مخلوق ہے اور حیوانات کی قسم میں سے ایک افضل قسم ہے اسی زمین سے پیدا ہوتا اسی زمین کی پیداوار پر بسر و قات کرتا اور اسی زمین میں مرنے کے بعد ملجاتا ہے لہذا انسان کا فرض اتنا ہی ہونا چاہیے کہ وہ اپنی تمام تر کوشش جسمانی لذتوں کی طرف مائل رکھے اور موجودات دُنیا سے بقدر طاقت بشری فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہے اس کے سوا کچھ ہے وہ سب وہم و خیال ہے اور اُقتضائے بشری کی حد سے تجاوز کرنا ہے کیونکہ اس عالم کائنات میں جو کچھ ہے اُس کے سوا نہ ہم جانتے ہیں اور نہ جان سکتے ہیں۔

(مقبّر ۲) انسان جس طرح صرف جسم کا نام نہیں ہے بلکہ اُس میں ایک اور چیز بھی ہے جس کا نام روح یا نفس نامقہ ہے اسی طرح اس دُنیا کا سلسلہ صرف ان موجودات ہی پر تمام نہیں ہوتا جنہیں آئے دن تغیرات رہا کرتے ہیں بلکہ ان موجودات پر کوئی اعلیٰ طاقت متصرف اور حکمران ہے واقعات عالم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دُنیا دار الحن ہے اور سرِ پامصائب و آلام سے معمور ہے یہاں کی راحت و خوشی ایک آنی خواب ہے اس لیے انسان کا کام اس دُنیا میں صرف یہ ہے کہ وہ شب و روز ریاضات شاقہ مجاہدات سخت نفس کشی اور اُس اعلیٰ طاقت کی پرستش میں اپنی زندگی کے

دن پورے کیا کرے اور آخر کار ایک دن اس وجود فانی کو چھوڑ کر اُس اعلیٰ طاقت سے جا ملے۔

(مقبصر ۳) انسان مرکب ہے جسم و روح سے اور روح ایک جوہر قائم بالذات ہے جس کے ادنیٰ ترین اجزاء الیکٹرسٹی اور ایٹم ہیں اور جس کا مبداء و خیز وہ اعلیٰ طاقت ہے جو تمام مادی اور غیر مادی اشیا پر تصرف ہو اسی اعتبار سے انسان کے ذاتی فرائض بھی دو قسم کے ہیں ایک فرض انسان کا موجوداتِ عالم سے بقدر طاقت بشری فائدہ حاصل کرنا اور جسمانی لذت و آرام سے مستفید ہونا ہے دوسرا فرض انسان کا اُس اعلیٰ طاقت کے نور یقین سے دل کو روشن کرنا اور طبعیتِ عالم کے قوانین سے صانعِ عالم کی مرضی کا پتہ لگا کر تذکیہ نفس اور تہذیبِ اخلاق میں کوشش کرنا ہے۔

اسی طرح تمام دُنیا کے مذہبوں کی اصولی تعلیم میں خُدا اور بانیِ مذہب کا ماننا بقدم نے کے دوسری زندگی کا پیش آنا تہذیبِ اخلاق میں کوشش کرنا قریب قریب یکساں ہیں ان میں چنداں تخالف نہیں اگر کچھ منسرق ہو سکتا ہے تو کمال یا نقص کا ہو سکتا ہے فروعی تعلیم الدینہ دُنیا کے تمام مذہبوں میں بہت کچھ مختلف ہے اس اختلاف کا سبب کچھ تو وہ بنیادی اُصول ہوتے ہیں جن پر کسی مذہب کی بُنیاد رکھی گئی ہے اور زیادہ تر یہ اختلاف اُس ملک کی آب و ہوا زمانہ کی رفتار اور اُس قوم کی خصلت سے تعلق رکھتا ہے جس قوم میں



کہ اُس مذہب کا بانی گزرا ہے۔

فلسفی مذہب میں خدا اور بانی مذہب کا اعتقاد جو حقیقت تہذیبِ نفس اور تکمیلِ اخلاق کے حق میں روحِ روان ہو شامل نہیں ہوتا مگر تہذیبِ نفس اور تکمیلِ اخلاق کو فلسفی مذہب بھی تسلیم کرتا ہے اور اُس کے نکات و حقائق سمجھنے پر سختی کے ساتھ زور دیتا ہے فلسفی اور غیر فلسفی مذہب میں صرف اتنا فرق ہے کہ خالص مذہبی آدمی ایک ازلی اور ابدی ہستی کو حاضر و ناظر بنا کر اپنے تمام فرائض کو بجا لاتا ہے اور آئندہ زندگی کی توقع پر جس کو موجودہ زندگی کا تہمتہ کہنا چاہیے اپنے دل کو مطمئن اور مسرور رکھتا ہے اور محض فلسفی آدمی بغیر کسی آئندہ قوی اور پائدار امید کی اپنی زندگی کے چند روزہ ضرورتوں کو مد نظر رکھ کر اپنے فرائض کی انجام دہی میں لگا رہتا ہے اصل حقیقت تمام مذاہب کی یہ ہے انہیں اصول پر ہمارے موجودہ زمانے میں جو مشہور مذاہب قائم و جاری ہیں وہ یہ ہیں بوڈہ ہندو پارسی یہودی عیسائی مسلمان۔

بوڈہ مذہب کے لوگ ذاتِ باری کے منکر ہیں اور زندگی کو بدمی سے تعبیر کرتے ہیں اور روح کے فنا کرنے پر آمادہ رہنے کو کمالِ انسانی خیال کرتے ہیں۔

ہندو اور مصری متعدد دیوتاؤں کو پوجتے ہیں اور انسان کو کرم کے سلسلہ میں وابستہ سمجھتے ہیں اور آواگون کے جس کو تاسخ بھی کہتے ہیں معتقد ہیں۔

پارسی دو واجب الوجودوں کو مانتے ہیں ایک کا نام یزدان یعنی خالقِ خیر اور دوسرے کا نام اہرمن یعنی خالقِ شر ہے۔

عیسائی تثلیث کے معتقد ہیں اور جسمانیت کو گناہ سے تعبیر کرتے ہیں اُنکا قول ہے کہ انسان اپنی فطری کمزوری کے سبب جسمانیت کے غلبہ سے بچ نہیں سکتا اس لیے اس کمی کے پورا کرنے کے لیے خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے عیسیٰ مسیح کو دُنیا میں بھیجا کہ تمام آدمیوں کی جانب سے قربان کرایا تاکہ تمام بنی نوعِ آدم اُس پر ایمان لا کر نجات پانے کے مستحق ہو جائیں۔

یہودی ایک خدا کا اقرار کرتے ہیں مگر حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں تابوتِ سکینہ کو جس پر کرۂ زمین کی تصویریں بنی ہوتی ہیں سامنے رکھ کر ارکانِ عبادت بجا لاتے ہیں۔

مسلمان ایک خدا کو مانتے ہیں اور اُس کو وحدہ لا شریک لہ جانتے ہیں اور زندگی کو ایک نعمت اور دُنیا کو دارِ اعلیٰ سمجھتے ہیں اُنکے نزدیک خالص خدا پرستی اور دنیا داری لازم و ملزوم ہیں۔

دھرمین کو لاندہب کہا جاتا ہے اُن کا عقیدہ ہے کہ انسان کو خاص اپنے لیے زندہ رہنا چاہیے اور چونکہ انسان کی زندگی اور اُسکی راحت کا مدار اپنے اپنا جنس کی اعانت پر موقوف ہے اس لیے آدمی کو اپنی قوم کی ہمدردی اور اپنے اہل ملک کی مدد لازم ہے۔

ان سب مذاہب میں بھی اندرونی تفریقین اور اختلافات کثرت سے  
 ہیں اگر کوئی آدمی ان سب مذاہب کے اصول و فروع کی کامل تحقیق کرنا چاہے  
 تو ناممکن ہے کسی طرح اُس کی زندگی و فتنہ نہیں کر سکتی اور اگر مذہبی تحقیق سے  
 سروکار نہ رکھے اور آنکھ بند کیے اپنے آبائی مذہب پر چلا جائے تو اولاً تو یہ ایک  
 ایسی اندھی تقلید ہوگی جو اُس کو گمراہی اور بدبختی کے عمیق غار میں لے کرے گی  
 قطع نظر اس کے اگر بالفرض وہ راہِ راست پر بھی ہو تب بھی یہ بات اُس کی  
 خوش قسمتی کہی جاوے گی نہ کمال انسانی اور اگر وہ شخص گمراہی پر ہے جیسا کہ اکثر دیکھا  
 جاتا ہے تو اُس کو نہ صرف اس زندگی میں اُسکی پاداش اُٹھنا پڑے گی بلکہ اُس  
 دوسری زندگی میں بھی اُس کو اپنی غلطی پر نقصان اور مذمت کا تحمل ہونا پڑے گا  
 غرض انسان حکم عقل و شرع مذہبی تحقیق سے بالکل بے لگاؤ نہیں رہ سکتا۔  
 اگلے زمانے میں جو یقین کا زمانہ کہا جاسکتا ہے تمام اہل مذاہب کو اپنی  
 مذہبی باتوں پر گو وہ کیسے ہی عجیب اور حیرت انگیز ہوں دل سے یقین ہوا کرتا  
 تھا اُس زمانے میں مذہبی تحقیق اور بحث و مباحثہ کا طریقہ بھی نہایت سادہ و سہل  
 اور اس زمانے کے طریقہ تحقیق سے جداگانہ تھا ایک فریق اپنے مذہب کی  
 خوبی دوسرے فریق کی مذہبی کمزوریاں دکھا کر ثابت کرنے کی کوشش  
 کرتا تھا مذہب کے بنیادی اصول یا مذہب کی اصولی تعلیم سے تو چند ان  
 بحث نہیں کی جاتی تھی کیونکہ ان میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں ہوتا تھا جو کچھ

بحث ہوتی تھی وہ زیادہ تر فروعی اور اکابر مذہب کے فضائل و طرزِ عمل پر مبنی ہوتی تھی ہمارا یہ زمانہ ترقی علم و عقل و فطرت کا زمانہ ہے یا یوں کہو کہ شک کا زمانہ ہے اس زمانے میں کوئی بات کیسی ہی ہو اور خواہ کیسے ہی بزرگ کے مُنہ سے نکلی ہو جب تک اُس کے سچ ہونے کا کامل یقین نہو اُس وقت تک وہ بات سچ نہیں مانی جاتی مغربی فلسفہ و سائنس نے مناظروں کے طریقہ استدلال سب کو بدل دیا ہے اس زمانے میں تو کسی ایک مذہب کا اپنی اصلی حالت پر قائم رہنا تعجب خیز معلوم ہوتا ہے چہ جائیکہ اپنی صداقت کو دوسروں سے تسلیم کرنا یہی سبب ہے کہ جو لوگ مذہبی معلومات نہیں رکھتے وہ مذہب کی طرف سے بظن اور اُس سے بہت کچھ بے پرواہ نظر آتے ہیں اور جو لوگ کچھ مذہبی معلومات رکھتے ہیں وہ اپنے مذہب میں کتر بیونت کر کے اور اُس کو کھینچ تان کر عقل و فطرت کے موافق بنانے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کسی مذہب کو عقل و فطرت کے موافق بنانا اور بات ہے اور کسی مذہب کا عقل و فطرت کے موافق ہونا اور بات ہے پس اس بات کی آزمائش اور حق و باطل کے پہچاننے کو ایک ایسے معیار کی ضرورت ہے جو تمام مذہبوں سے یکساں نسبت رکھتا ہو اور اُن تمام باتوں پر شامل ہو جو ایک سچے مذہب کے لئے ضروری ہوں تاکہ اُس کے ذریعے سے تمام مذہبوں کے صرف بُنیادی اُصول اور ابتدائی تعلیم

ہی سے واقف ہونے کے بعد باسانی یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ حقیقت کس مذہب کی بنیاد حقیقی سچائی پر رکھی گئی ہے ہمارے زمانے میں جو مُسَلِّمات کہ اُصول متعارف کے طور پر تسلیم کر لے گئے ہیں اُن پر نظر کر کے اُمور مذکورہ ذیل کو معیار قرار دیا جاسکتا ہے۔

(مذہب ۱) تمام کائنات خدا کا فعل ہے لہذا جو الہامی قانون خدا سے منسوب ہو لازم ہے کہ عالم کائنات کے طبعی قوانین کے مخالف نہ ہو اور جس فطرت پر کہ خدا نے دُنیا کو پیدا کیا ہے اُس پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتا ہو نہ یہ کہ تاویلات سے اُس کو موافق فطرت ثابت کیا جاوے۔

(مذہب ۲) وہ عقل انسانی کے بھی خلاف نہ ہو کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو لوگوں کی عقلیں اُس کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں کسی مواخذہ کی ذمہ دار نہ رہیں گی۔ ہاں عقل شخصی کو مخالف اگر کچھ باتیں ہوں تو حرج نہیں کیونکہ دونوں میں بڑا اگر فرق ہے۔

(مذہب ۳) جس طرح روحانی اور جسمانی حالتیں اور ضرورتیں جُدا جُدا ہیں اُسی طرح اُس کو روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی ضرورتوں پر شامل ہونا چاہیئے۔

(مذہب ۴) وہ عملی طریقے سے سخت اور ناقابل برداشت نہ ہو اور دنیا کے مختلف حصوں اور مختلف زمانوں میں باسانی قابل عمل ہو۔

(مذہب ۵) اُس میں اول تو کوئی استثنائے انہو اور اگر بعض مستثنیات لازمی ہوں

تو نہایت صراحت کے ساتھ اُس کی تشریح اُس قانون الہامی میں مندرج ہو۔  
(منبر ۷) وہ تمام تراصول مساوات پر مبنی ہو یا دشاؤنگد عالم و جاہل غنی و مفلس  
مالک و ملوک مرد و عورت سب پر یکساں موثر ہو۔

(منبر ۸) وہ اُس فطری آزادی میں مزاحم نہ ہو جو ہر انسان کو قدرت سے عطا  
ہوئی ہے بلکہ وہ اُس فطری آزادی کا اُس حد تک معاون ہو جب تک  
کہ اُس سے عام مفاسد پیدا ہونے کا احتمال نہ ہو۔

(منبر ۹) وہ مذہبی منافرت پیدا کرنی اور مذہبی جبر سے پاک ہو کیونکہ مذہبی  
منافرت سے عداوت کو ترقی اور ترقی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(منبر ۱۰) وہ انسان کو اعلیٰ ترین مخلوق ہونے کا یقین دلا کر اور خلافت الہی  
کا اُس کو مستحق ٹھہرا کر تمام روحانی کمالات اور مادی ترقیات کو انسانی سعی  
و کوشش کا نتیجہ بتلاتا ہو۔

(منبر ۱۱) اُس میں مذہبی ارکان تو قلیل ہوں تاکہ لوگوں کو عمل میں کسی قسم  
کی دشواری نہ ہو مگر ان ارکان سے وہ سب فوائد بطور نتیجہ پیدا ہوتے ہوں جو  
اخلاقی اور عملی ترقی کے لئے لازمی اور ضروری نہیں ہیں۔

میرا یقین ہے کہ اگر کوئی شخص ٹھنڈے دل اور بے تعصب آنکھ سے  
اس معیار کے مطابق جب مختلف مذہبوں پر دنیا کی گہری نظر ڈالے گا تو  
اُس کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ جو مذہب اس معیار پر ٹھیک اتر سکتا ہے۔

وہ اسلام ہے پھر وہ اپنے دل میں ایک ایسی روشنی پاوے گا جو اُس کے دل کو پاک خوشی سے اور اُس کی روح کو اطمینان سے اور اُس کے نیک ارادوں کو روحانی اور تمدنی برکتوں سے بھر دے گی۔

افسوس اور سخت افسوس کا مقام ہے کہ وہ ہی اسلام جس نے توحید عرفان کے نور سے دلوں کو روشن کر کے مخلوق خدا کو وہ فطری آزادی اور بخوف و خطر زندگی عطا کی جو کبھی کسی لحد کو نصیب نہیں ہو سکتی جس نے خلافت اُمّی کا بندگان خدا کو مستحق ٹھہرایا جس نے خونخوار دشمنوں کو بھائی مان جبائی بنا دیا وہ ہی اسلام آج مسلمانوں کی تفریق اور ہر طرح کی ذلت و افلاس کا پیش خیمہ بن گیا ہے مسلمان کا نام زبان پر آتے ہی کاہلی و رشک جسد اور تعصب و افلاس کی مجسم صورت آنکھوں کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی ہے بقول نواب محسن الملک مرحوم ہمارے مسلمان ہونے میں کیا شک ہے جھوٹ ہم بولتے ہیں بات بات پر مقدمہ بازی ان ہم کرتے ہیں کاہلی و سستی ہم میں موجود ہے عزت سے روٹی کمانا ہم نہیں جانتے رشک و حسد اور خود غرضی ہم میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے بھیک سے ہکو عار نہیں امیرون کے پاس جاتے ہیں تو ایمان و دیانت کو گھر کے طاق پر رکھ کر جاتے ہیں۔ عمامہ و شیع ہمارے جامع علوم معقول و منقول حاوی فروع اصول ہونے کی دلیل ہے نذر و نیاز ہماری وجہ معاش اور اکل حلال ہے گویا نفوذ باللہ

بچے مسلمان ہونے کی یہ بدیہی شہادتیں ہیں ۵

مبادِ اول آن من رو مایہ شاد کہ از بہر دُنیا دہد دین بباد  
 اسی طرح اسلام کا خیال جب دل میں گزرتا ہے تو مجموعہ رسوم و خرافات  
 پیش نظر ہو جاتا جو حسین بنی اسرائیل کی لغو حکایات بت پرست قوم کے  
 خیالات باپ دادا کے رسوم اور خود غرضانہ رکیم و مردود تاویلات  
 سب ہی کچھ شامل ہے اسی ضعف اسلام کا نتیجہ ہے کہ اسلامی دُنیا پر افلاس  
 ذلت اور مذہبی تعصبات کی تاریکی ہر طرف چھائی ہوئی نظر آتی ہے عرصہ  
 تک تو مسلمان اسی جہل و نادانی کے خواب غفلت میں پڑے کر دین  
 بدلا کیے ابھی تھوڑا زمانہ ہوا ہے کہ مصلحانِ قوم کی چیخ و پکار اور ترقی کرنیوالی  
 ہمسایہ قوموں کے جوش رقابت نے اُن کو بیدار اُن کی طبیعتوں کو مشتعل  
 کیا اب وہ آنکھیں ملنے اُٹھے اُنھوں نے علم کی تابناک روشنی دُنیا کی  
 ہر طرف پھیلی ہوئی دیکھی اُن کا دل بھی کسمسایا اور وہ بھی علم کی روشنی سے  
 اپنے دلوں کے اُجڑے ہوئے گھروں کو روشن کرنے پر مستعد ہوئے  
 مگر جیسا کہ قانونِ قدرت کا اقتضا ہے بعض کی تو آنکھیں ایک عمر اندھیرے  
 میں بسر ہونے کے سبب سے اس قابل ہی نہ رہیں کہ وہ روشنی کی تیز شعاعوں  
 کی تاب لاسکیں بعض آنکھیں جنہیں صلاحیت تو باقی تھی مگر روشنی کی عادی  
 نہ رہیں تھیں علم کی روشنی نے اُن میں چکاند پیدا کر دی اور اُنکی نظر خیرہ ہو گئی



اُن کو اچھے بُرے کا تمیز نہا اور جن لوگوں کو قدرت نے چشم بصیرت ایسی طاقتور عطا کی تھی کہ وہ علم کی تیز سی تیز روشنی کو آسانی برداشت کر سکے وہ لوگ اُس علم کی روشنی سے خود بھی فیضیاب ہوئے اور انھوں نے دوسروں کو بھی اُس سے فیضیاب کیا اس طرح پر اس زمانے میں چند قسم کے گروہ مسلمانوں میں پیدا ہو گئے ایک گروہ تو وہ ہے جو لکیر کا فقیر اور تقلید کا ولدادہ ہے وہ ہر ایک قسم کی علمی و عملی ترقی کو مخالفِ اسلام سمجھتا ہے اُس کا قول ہے کہ ہم کو وہ ہی راستہ اختیار کرنا چاہیے جس پر اگلے بزرگ چلے آئے ہیں درحقیقت یہ خیال نہایت عمدہ اور سچائی کے بالکل قریب تھا بشرطیکہ ہمارے زمانے میں وہ ہی اسلام ہوتا جس پر زمانہ ہجرت میں آنحضرت صلعم سے لیکر صحابہ تک سب عمل رہا ہے اور جو قرآن مجید کے مابین الدینین محفوظ و مرقوم ہے مگر بد قسمتی سے ہمارے پاس نہ تو وہ پاک ولولہ اور جذبہ ہے اور نہ وہ پکا سچا ٹھیسٹ اسلام ہمارا موجودہ اسلام تو وہ ہی مجموعہ رسوم وادہام ہے جس کو اُس خالص اسلام سے کوئی مناسبت ہی نہیں افسوس ہے کہ ایک جم غفیر مسلمانوں کا اسی غلط خیالی میں مبتلا ہے اور خدا کی اُس خفگی میں گرفتار ہے جو اُن سے پہلے قوم یہود پر اُس کی بدکرداریوں کی وجہ سے ہوئی تھی اور اب تک قائم ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے **ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ** دوسرا گروہ وہ ہے جو تقلید کو بُرا اور تحقیق و اجتہاد کو ضروری خیال کرتا ہے

مگروہ اُس طریقہ عمل اور دائرہ تحقیق سے باہر قدم رکھنا نہیں چاہتا جس پر اگلے  
 علما اور فقہا کا عمل درآمد رہا ہے اس گروہ کے خیال میں کبھی یہ بات ہی  
 نہیں گزرتی کہ اگلے علما اور مجتہدین جنھوں نے بظاہر برخلاف سلف صالحین  
 کے نئے نئے اصول کلام وضع کیے اور تحقیق کے میدان میں قدم رکھا آخر  
 اس کا سبب کیا تھا اصل یہ ہے کہ وہ یہ ہی زمانہ کا اقتضا اور ہنگامی ضرورتیں  
 تھیں جنھوں نے یہ نئے راستے تائید حق کے پیدا کر دیئے تھے تو پھر کون بات  
 مانع ہے کہ جو نئی قسم کی ضرورتیں آج کل پیدا ہوئی ہیں اُن کے لحاظ سے  
 ایک جدید علم کلام کے اصول نہ وضع کیے جاویں۔

تیسرا گروہ مذہب تعلیم یافتہ حضرات کا ہے جو اپنے کو بڑا آزاد خیال کرتا ہے  
 یہاں تک کہ آزادی کے جوش میں بعض ناعاقبت اندیش مذہب کو مانع ترقی  
 خیال کرتے ہیں مگر درحقیقت یہ گروہ بھی مثل گروہ سابق کے ہر قدم پر یورپ  
 کی تقلید کرتا ہے اور آنکھیں بند کر کے مغربی خیالات کے راستے پر چلتا ہے  
 فرق اتنا ہے کہ پہلا گروہ ائمہ مجتہدین اور علما و سلف کی تقلید کرتا ہے اور یہ تیسرا  
 گروہ اسحاق نیوٹن، بیکن اور ہربٹ اسپنسر وغیرہ کی اُس کا خیال نہ کبھی اس  
 طرف رجوع ہوتا ہے کہ یورپ باوجود ترقی دہریت اور سائنس کے جب تک  
 مذہب کے حلقہ اطاعت سے سر باہر نکال سکا اور نہ کبھی یہ گروہ اس بات پر  
 غور کرتا ہے کہ یورپ کو جو کچھ سر بلندی اور مادی ترقی نصیب ہوئی وہ ضرا سکی

علمی اور عملی اجتہاد کا نتیجہ ہے نہ تقلید کا گو وہ ترقی کیسے ہی اعلیٰ سی اعلیٰ ترقی یافتہ قوم کی کیوں نہ ہو اور ان اگر قدیم فلسفیوں کے خیالات اور مسلمات سے بالکل خالی الذہن ہو کر غور و تحقیق نہ کرتا تو کبھی وہ قانون ارتقا کا پتہ نہ لگا سکتا۔ چوتھا اگر وہ اُن روشن ضمیر بزرگوں کا ہے جنہوں نے اول اپنے مذہب کو اصول کے معیار سے جانچا جب اُن کو مذہب کی طرف سے اطمینان ہو چکا تو انہوں نے اسلام کو ہر ایک قسم کی ترقی کا حامی پا کر اپنی قوم کی ترقی تہذیب اور تعلیم میں کوشش کی فلسفہ و سائنس کے حاصل کرنے پر قوم کو آمادہ کیا اور جدید علم کلام کی بنیاد ڈال کر دنیا کو دکھا دیا کہ خالص اسلام ایک ایسا ازلی وابدی ہستی ہے جو تمام روحانی اور مادی ترقیوں کا سرچشمہ علوم و فنون کا مرکز اور تمدن و تہذیب کا زبردست وسیلہ ہے خدا نے اُن کی کوششیں مشکور کیں اور انہوں نے اردو نظیر چرچین اپنی معجزات تحریروں تصنیفوں آرٹیکلوں اسپیچوں لکچروں اور وعظوں کا ایک ایسا بیش بہا نایاب ذخیرہ پیدا کر دیا جو ہماری موجودہ اور آئندہ نسلوں کو زمانہ کی زہریلی ہواؤں سے بچا کر مشرقی و مغربی علوم و فنون کی معراج کمال پر پہنچائے گا اور اسلام کی اصلی پاک نورانی صورت دنیا کو دکھا کر بنی نوع انسان کو اسلام کا شیفتہ بنائے گا چونکہ اس نایاب ذخیرہ کا بہ تمام ہر ایک شخص کے ہاتھ میں بآسانی پہنچنا اور خصوصاً اسکولوں اور کالجوں کے طلباء کی نظر سے (جو اکثر مذہبی معلومات سے ناواقف ہوتے ہیں)

اُس کا گزرنا دشوار تھا اس سبب سے میں نے قصد کیا کہ اُردو کا ایک نئی  
کورس ایسا بنایا جاوے جو تمام اہم مسائل اسلام پر شامل ہو اور مبتدی طالب علم  
سے لیکر منتہی طلبا تک سب کو اُس کا پڑھ جانا آسان ہو اور وہ تمام مفید مقاصد  
جو اُس نایاب ذخیرہ کے جزو اعظم ہیں بطور سوال و جواب اس طرح پر ترتیب  
دیجائیں کہ جو بات لکھی جاوے ساتھ ہی اُس کے کوئی آیت یا حدیث بھی  
اُس مضمون کی نقل کیجاوے تاکہ کسی غیر مذہب کے شخص کو بھی احتمال  
اضافہ و تاویل کا نہ گزری اور جا بجا علماء سلف کی مستند تصنیفات سے  
بھی حوالے درج کیے جائیں تاکہ عام طور پر پبلک کو معلوم ہو جاوے کہ  
ہمارے اسلاف کرام نے بھی کیسی کیسی اسلامی اور قومی خدمتیں کیں  
ہیں چنانچہ اسی اسکیم کے مطابق میں ایک کتاب مبتدی طلبا کے لئے  
قبل اس کے شائع کر چکا ہوں جس کا نام شریعت الاسلام ہو وہ کتاب  
کوئی مجموعہ مضامین نہیں ہے بلکہ کتاب درۃ العباسیہ فی العقائد والعبادات  
الدینیہ کا ترجمہ ہے جو ایک مصر کے فاضل سید محمد قندی کی تصنیف ہے اور مدرس  
ابتدائیہ مصر میں داخل کورس ہے اسی سلسلہ کی یہ اب دوسری کتاب ہے  
جس کا نام فطرت الاسلام ہے اس کتاب میں بالفعل پہلا حصہ پبلک میں  
پیش کرتا ہوں یہ حصہ عقائد و عبادات پر شامل ہے اس کتاب کے باقی  
دوسرے حصے بھی امید ہو کہ قریباً تین تیار ہو کر شائع کیے جاوینگے جن معتبر

اور مستند کتابوں کے مضامین سے اس پہلے حصے میں فائدہ اٹھایا گیا ہے  
 وہ یہ ہیں قرآن مجید۔ صحیح مسلم۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ احیاء العلوم۔ کیمیائے سعادت  
 حجة البالغہ۔ ترجمان القرآن۔ البحار العلوم۔ رسائل ابن تیمیہ۔ خطبات احمدیہ  
 تفسیر القرآن۔ تہذیب الاخلاق۔ الغزالی۔ علم الکلام۔ الفاروق۔ تمدن عرب  
 المدینۃ والاسلام۔ ترجمہ قرآن حافظ نذیر احمد خان صاحب۔ آل نظر نے  
 بعض مسائل الامام الامام ابو حامد محمد الغزالی رحمہ اللہ

# حصہ اول

## مذہب کی تعریف

(۱) سوال - مذہب کیا چیز ہے؟

جواب - مذہب اُس امتیاز کا نام ہے جس کے سبب سے انسانوں کے افعال  
 اچھے یا بُرے یا نہ اچھے اور نہ بُرے خیال کیے جاتے ہیں کیونکہ اگر یہ تمیز قائم  
 نہ رکھی جائے تو پھر کسی ایک مذہب کا وجود بھی باقی نہیں رہتا۔ حدیث میں آیا ہے  
 کہ ایک شخص نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا  
 اِذَا سَرَّتَكَ حَسَنَتُكَ، وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ یعنی جب اپنی بھلائی تجھ کو  
 پسند آوے اور اپنی بُرائی تجھ کو ناگوار ہو تو تم داری سے روایت ہو کہ آپ نے  
 فرمایا اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ دین نام ہے خیر خواہی کا۔

## مذہب کی کثرت

(۲) سوال۔ جب بُرائی بھلائی کی ٹیئز کا نام مذہب ہو تو چاہیے کہ ساری دنیا کا ایک ہی مذہب ہو۔ مگر ہم تو برخلاف اسکے دُنیا میں بہت سے مختلف مذاہب پاتے ہیں۔ اگر یہ کہا جاوے کہ وہ سب اسی اصول پر مبنی ہیں تو پھر نہیں اس قدر کثرت سے اختلاف کیوں ہے اور اس اختلاف کی باعث کون کون چیز ہو؟

جواب۔ ابتدائے خلقت میں تو سب آدمی ایک ہی مذہب پر تھے لیکن بعد میں جب بنی نوع انسان مختلف مقامات میں پھیلے اور مختلف ملکوں کی آب و ہوائے انہیں اثر کیا تو انکے مزاج انکی طبیعت انکی قومیت انکی معاشرت اور انکے خیالات میں تبدیلی واقع ہوئی یہاں تک کہ وہ خیال جسکا نام مذہب ہے اُس میں بھی رفتہ رفتہ بہت سے ناقص افہام بے اصل اوہام خاندانی اور ملکی رسوم شامل ہوتے گئے اور ہر قوم اور ہر ملک بلکہ ہر فرد بشر میں وہ خیال مذہبی مختلف اور بعض اعتباروں سے متضاد ہوتا گیا۔ اسی اختلاف مذہبی کے مٹانے کے لیے خدا نے ہر زمانہ ہر قوم اور ہر ملک میں اپنے پیغمبر بھیجے یعنی پیدا کیے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً  
فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ  
الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُخَصِّمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ

شروع میں سب لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے (پھر آپس میں لگے اختلاف کرنے تو) اللہ نے پیغمبر بھیجے جو (ایمان والوں کو خوشنودی خدا کی) خوشخبری دیتے اور (کافروں کو غلاب آہی سے) ڈراتے اور انکی معرفت سچی کتابیں بھیجن تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں کتاب آہی ان میں ان باتوں کا فیصلہ کرے **وَإِنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ لَا أَمَلَ فِيهَا مِنْكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَمِيزَ الْإِنْسَانَ مِنْ ذُنْهِمْ وَاللَّهِ غَافِلٌ عَنِ الْأُولَىٰ** (پینمبر) نہ گزرا ہو۔ **وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ** ہر گروہ کے لیے ایک پیغمبر ہے۔ تعجب یہ ہو کہ ہر قوم ہر فرقہ بلکہ ہر شخص کو یہ ہی یقین ہے کہ میرا ہی خیال یعنی مذہب اور سب لوگوں کے خیالوں سے سچا اور اچھا ہے۔ اصول مذہب کے اعتبار سے دیکھو تو ہمارے موجودہ زمانہ میں مشہور مذاہب یہ ہیں۔ یہودی عیسائی مجوسی۔ بُت پرست۔ اور مسلمان۔ ان میں جس طرح یہودی اور مسلمان ایک خدا پر اعتقاد کامل رکھتے ہیں اسی طرح مجوسی یزدان اور اہلِ بُت دو خداؤں پر اور عیسائی باپِ بڑا اور روح القدس تین خداؤں پر اور ہندو اور مڑھی اپنے تینتیس کرٹور دیوتاؤں پر اعتقاد کامل رکھتے ہیں۔

## اعتقاد کی تعریف

(۳) سوال۔ یہ اعتقاد کیا چیز ہے۔؟

جواب۔ اعتقاد دل کے اُس فعل کا نام ہے جس سے یہ تمام مختلف اور متضاد



خیالات جو مذہب کہلائے جاتے ہیں پیدا ہوتے ہیں۔ ان بے دلیل اور بن بکھے خیالات کا لوگوں کی طبیعت پر ایسا سخت اثر ہوتا ہو کہ وہ اثر انسان کے تمام اعمال پر اور قدرتی جذبات پر جو اس میں پیدا کیے گئے ہیں چھا جاتا ہے اور جو جوش اور ولولہ ان جے ہوئے بے دلیل خیالات سے انسانوں کی طبیعت پر ہوتا ہو کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتا گو کہ اُس دوسری چیز کے صحیح اور یقینی ہونے کے لیے کیسی ہی عمدہ عمدہ دلیلیں اور قطعی ثبوت موجود ہوں قرآن مجید میں فرمایا ہے وَلَٰكِنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ حَتّٰی تَبِيعَ مَا لَتَنصُرُمُوْا قُلْ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ اَلِیْسَ بِعَدُوٍّ لِّیْ وَ لَا لِمَنْ اٰمَنَ اِنَّ اِلٰهَیْکُمْ وَاِلٰهَیَّ ۚ اَتَبٰیغُ اَهْوَاَءَھُمْ یَعْدُ الَّذِیْ جَلَّ اَوْنٌ مِّنَ الْعِلْمِ مَا لَکَ مِنْ اِلٰھٍ مِّنْ وَّلَیٍّ وَّ لَا تَصَدِّیْقٌ اِلَّا بِرِضَاہِ ۚ اَلِیْسَ بِعَدُوٍّ لِّیْ وَ لَا لِمَنْ اٰمَنَ اِنَّ اِلٰهَیْکُمْ وَاِلٰهَیَّ ۚ اَتَبٰیغُ اَهْوَاَءَھُمْ یَعْدُ الَّذِیْ جَلَّ اَوْنٌ مِّنَ الْعِلْمِ

ہونگے اور نہ نصاریٰ ہی (تم سے راضی ہونگے) تا وقتیکہ تم انھیں کا مذہب اختیار نہ کرو (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ اللہ کی ہدایت وہی (اصلی) ہدایت ہو اور (اے پیغمبر) اگر تم اسکے بعد کہ تمہارے پاس علم (یعنی قرآن) آچکا ہے انکی خواہشوں پر چلے تو (پھر) تمکو خدا (کے غضب) سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہو نہ مددگار۔

(۴۴) سوال۔ جبکہ تمام مذہبی خیالات کا مدار محض دلوں کے اعتقاد اور خواہشات پر ٹھہرا اور وہ ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ٹھہرے تو پھر انہیں سے کسی ایک کو بھی صحیح یا غلط قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ ایسا کرنا درحقیقت

بجز حکم اور کیا ہو سکتا ہے اس پر چر تو جتنے مذہب ہیں سب کے سب اصل ٹھہرے۔  
 جواب۔ بلاشبہ وہ سب بن سمجھے بے دلیل مذہبی خیالات خنکی بنیاد صرف  
 کسی قسم کے اعتقاد پر رکھی گئی ہو انہیں سے کوئی ایک مذہب بھی قابل قبول  
 اور لائق یقین نہیں ہو سکتا۔ البتہ سچا مذہب قابل قبول اور لائق یقین وہی ہو سکتا  
 ہو جس کا وجود نہ کسی اعتقاد پر بلکہ حقیقی سچائی پر مبنی ہو کیونکہ مذہب کسی کی فرع  
 یعنی شاخ نہیں ہو بلکہ سچائی مذہب کی اصل یعنی جڑ ہے اور اعتقاد اس کی فرع  
 یعنی شاخ ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَ كُمُورًا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ  
 اے پیغمبر منکروں سے کہدو کہ کوئی ثبوت پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

## سچے مذہب کی شناخت اور فطرت

### آئی کا بیسان

(۵) سوال۔ اچھا تو پھر وہ حقیقی سچائی کیا ہے جسکے ذریعے سے ہم مختلف  
 مذہبوں میں سے سچے مذہب کو پرکھ سکیں؟

جواب۔ وہ حقیقی سچائی فطرت و عقل ہے جس پر خداوند تعالیٰ نے مذہب اسلام  
 کی بنیاد رکھی ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا  
 لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

یہ خدا کی (بنائی ہوئی) سرشت ہو جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی (بنائی ہوئی) بناوٹ میں رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ یہ ہی دین (کا) سیدھا (رستہ) ہو مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ حدیث ابو ہریرہؓ میں ہے قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا اتَّخَذَ الْبَيْهَمَةُ بِبَيْهَمَةٍ جَمْعًا هَلْ يَحْشَوْنَ فِيهَا جَذَاءً ثُمَّ يَقُولُ فِطَرَتِ اللَّهِ النَّاسَ عَلَيْهِمُ الْآيَةُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا کہ ہر ایک آدمی فطرت سلیمہ ہی پر پیدا ہوتا ہے لیکن اُس کے ان باپ اُس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنالیتے ہیں جس طرح ایک چوپایہ جانور کا بچہ بھی چوپایہ اور صحیح الاعضا پیدا ہوتا ہے لیکن تم دیکھتے ہو کہ لوگ اُسکی ناک کان وغیرہ کاٹ کر ناقص الخلق بنا دیتے ہیں۔ اس حدیث کی صحت پر بخاری اور مسلم دونوں کا اتفاق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام نوزائیدہ بچے عام اس سے کہ وہ کسی ملک اور کسی نسل و قوم کے ہوں فطرت پر پیدا ہوتے ہیں لیکن بعد میں وہ اپنے والدین کے طرز عمل سے متاثر ہو کر یہودیت یا عیسائیت یا مجوسیت کو بطور ایک عارضی صفت کے اخذ کر لیتے ہیں اگر اُن بچوں کو اُنکی فطری حالت پر چھوڑ دیا جاوے اور کسی مذہب خاص کی باتیں اُنکے کان پر نہ ڈالی جاویں تو وہ سن بلوغ پر پہنچ کر جب بطور خود کوئی مذہب اپنا قرار دینا چاہیں گے تو حسب اقتضائے فطرت اُنکو مذہب اسلام ہی قبول کرنا پڑیگا۔ اس بات کے سمجھنے کے لیے لازم ہو کہ ہم فطرت کے معنی پر

غور کریں اور اصول اسلام کو سمجھنے کی کوشش کریں جو عین فطرت پرستی ہیں فطرت کے معنی ہیں سرشت طبعیت جبلت خاصیت قوت نچوستر۔ یہ ایک بہت بڑا علم ہے جسکو ہماری زبان میں علم طبعیات اور انگریزی میں اسکو نیچرل سائنز کہتے ہیں خداوند تعالیٰ نے اس عالم کائنات کو (جس میں کہ ہم رہتے ہیں) اور جو چیزیں کہ اُس میں پیدا کی ہیں جمادات۔ نباتات حیوانات۔ ان سب کو ایک مادہ سے بنایا ہے اور اُنکے وجود۔ بقا۔ ترقی اور تنزل کے اسباب پیدا کیے ہیں جنکو علل کہتے ہیں۔ ان علّتوں میں خدا نے ایک خاص ترتیب اور سلسلہ رکھا ہو دُنیا کی کوئی چیز اور کوئی واقعہ بغیر علّت یعنی سبب کے وجود میں نہیں آتا جو چیز کہ کسی علّت یعنی سبب سے ظہور میں آتی ہے اُسکو معلول کہتے ہیں اسی علّت و معلول کے سلسلہ انتظام کو جس پر تمام مادی اور غیر مادی چیزوں کا وجود مبنی ہے قانون فطرت قانون قدرت لازماً آف نیچر۔ حادث آتی۔ اور سُنّت اللہ کی لفظ سے تعبیر کیا کرتے ہیں اس قانون میں کبھی کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا اگر اُس میں ذرا بھی ردّ و بدل ہو تو تمام دنیا کا کارخانہ درہم برہم ہو جاوے چنانچہ خداے تعالیٰ فرماتا ہو اِنَّا كُنَّا شَيْءًا خَلَقْنَا هُوَ بِعَدْرِ اَعْنٰی یعنی ہم نے ہر چیز کو ایک اندازہ پر پیدا کیا ہے کُلُّ شَيْءٍ عِنْدَكَ بِمِقْدَارٍ ہر چیز خدا کے نزدیک ایک اندازہ پر ہے لَا تَبْدِلُ اِلٰی خَلْقٍ اللہ خدا کی پیدائش میں تبدیلی نہیں ہوتی فَكُنْ تَحْدًا لِّسَنَةِ اللہ تَبْدِيلًا نہ پاویگا تو اللہ کی سنت میں ادل بدل لَنْ تَحْدَ لِسَنَةِ اللہ تَحْوِيلًا

تو نہ پاویگا اللہ کی سُنّت میں اُلٹ پھیر۔ نباتات کو دیکھو کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے قانون قدرت کے مطابق اُنہیں سے ہر ایک قسم کے لیے ایک صورت نوعی مقرر کی ہے اور اُس صورت نوعی میں مختلف افعال اور خاصیتیں رکھی ہیں جو اُس سے جُدا نہیں ہوتیں مثلاً نازگی کا درخت ایک خاص شکل و صورت ذائقہ اور خاصیت رکھتا ہے انجیر کا درخت اُسکے برخلاف ایک دوسری قسم کی شکل و صورت ذائقہ اور خاصیت رکھتا ہے اگر خدا کا یہ قانون قدرت مقرر نہ ہوتا اور اُس میں رد و بدل ہوا کرتا تو انتظام عالم کا قیام اور ذی روح مخلوقات کی زندگی دشوار ہو جاتی کیونکہ بعض نباتات میں انسانوں اور حیوانوں کی غذا ہونے کی صلاحیت ہوتی ہو اور بعض نباتات میں سمیت اور زہر قاتل ہونے کی خاصیت ہوتی ہے۔ اگر یہ خاصیت بدلتی رہتی تو کبھی گیہوں اور گوشت و ترکاریاں لوگوں کی ہلاکت کا باعث ہو کر تین اور کبھی سنگھیا وغیرہ زہریلی چیزوں کا استعمال لوگوں کی بقاء زندگی کا باعث ہو کر تباہی و آفات پر نظر ڈالو جنکی بیشمار قسمیں ہیں اُنہیں ہر ایک قسم کی ایک نوعی صورت ہو اُسی نوعی صورت کے مناسب اُنکی معیشت کے جُدا جُدا طریقے اُنکے توالد و تناسل کے علیحدہ علیحدہ اصول اور اُنکے اعضا کی مختلف بناوٹیں رکھی گئی ہیں جو اُنکی بقائے زندگی کے لیے کار آمد ہوتی ہیں بعض حیوانات کو اُنکے مناسب حال زور و توانائی کا حصہ ملا ہے اور بعض حیوانات جو کمزور اور ضعیف الخلق ہیں اُنکو بقائے زندگی کے واسطے اور دشمنوں سے محفوظ رہنے

کیلے بھاگنے اڑنے اور مختلف قسم کے مکرو فریب کی قوت دیکھی ہے چوہنی کی قوت  
 شامہ اور بے کی عجیب و غریب کاریگری یعنی ریاضی کے قاعدہ سے گھوسلہ بنانا  
 یہ سب باتیں خدا نے اپنے قانون قدرت کے مطابق اُنکو عطا فرمائی ہیں انہیں کبھی  
 رد و بدل نہیں ہوتا اسطرح اب بنی نوع انسان پر اور اُسکی زندگی کے مختلف دوروں  
 پر غور کرو قدرت نے انسان کو تمام موجودات عالم سے اشرف و ممتاز بنایا ہے یہ  
 شرف و امتیاز انسان کو اُسکے عقلی اور اخلاقی قوت کے سبب سے حاصل ہوا ہے  
 جو انسان کی صورت نوعی کے ساتھ مخصوص ہو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ  
 خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ پیداکیا ہو ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر  
 ساخت میں و لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ وَحَمَلْنَا هُمْ فِي الْوُجُوْدِ الْحَمِيْدِ رَزَقْنَاهُمْ  
 مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا اور البتہ  
 ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور خشکی و تری میں اُنکو (جانوروں اور کشتیوں پر)  
 سوار کیا اور عمدہ (عمدہ) چیزیں انھیں (کھانے کو) دیں اور جتنی مخلوقات ہم نے پیدا  
 کی ہو انہیں بہتروں پر اُنکو برتری دی۔ انسان کو تمام حیوانات پر جو کچھ تفوق ہو  
 وہ یہی ہو کہ قدرت نے اُسکو بہ نسبت دیگر حیوانات کے عقلی اور اخلاقی قوت لامحدود  
 عطا کی ہے اور اُسکی ذات میں اس امر کی استعداد اور قابلیت رکھی ہے کہ  
 وہ اس عالم کے واقعات اور کیفیات پر غور و تامل کر کے قوانین قدرت کا  
 سراغ لگائے اور جو قوانین ظاہری اور باطنی اسکو فطرت سے ملی ہیں اُنکو قانون

قدرت کے مطابق کام میں لا کر انسانی کمالات کے اعلیٰ مدارج پر پہنچنے کی کوشش کرے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہو **وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ** زمین میں نشانیاں ہیں یقین حاصل کرنے والوں کے لیے اور خود تمہاری ذاتوں میں نشانیاں ہیں مگر تم دیکھتے نہیں۔ انسان پر اسکی زندگی میں صحت و بیماری خوشحالی و مفلسی۔ علم و جہالت۔ عزت و ذلت۔ قوت و ضعف۔ اور ہر قسم کی بد بختی اور خوش نصیبی کی مختلف حالتیں جو شخصی اور قومی حیثیت سے نوبت بہ نوبت گزرا کرتی ہیں وہ سب قوانین قدرت کے تابع اور اسی عقلی اخلاقی قوت کی ترقی و تنزل کے نتیجہ ہوا کرتے ہیں انہیں کبھی کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی خدائے تعالیٰ فرماتا ہے **ذَٰلِكَ يَٰأَيُّهَا اللّٰهُ لَمْ يَكُ مَغْيِرًا لِّلْعَمَلِ ۖ أَتَنَعَّمَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۚ هَٰذَا (سزا ان لوگوں کو) اسوجہ سے دی گئی کہ جو نعمت خدا نے کسی قوم کو دی ہو جب تک وہ لوگ آپ ہی اپنی صلاحیت کو نہ بدلیں خدا (کی عادت) نہیں کہ (اُس میں کچھ) رد و بدل کرے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۚ هَٰذَا (نعمت) کسی قوم کو (خدا کی طرف سے) حاصل ہو جب تک وہ (قوم) اپنی ذاتی صلاحیت کو نہ بدلے خدا اُس (نعمت) میں کسی طرح کا تغیر (و تبدل) نہیں کیا کرتا۔ انکے علاوہ فطرت الہی اور قوانین قدرت کے مطالعہ کرنے سے جس طرح دُنیا کے انتظام میں عجیب و غریب کارگیری اور باقاعدہ ترتیب کا پتہ لگتا ہو قدرت کے مخفی****

خزانوں پر انسان کو اطلاع ہوتی ہے۔ زندگی کے راز اور دنیا کے پوشیدہ فوائد انسان پر کھلتے ہیں اور انسان یہ جاننے لگتا ہے کہ قدرت نے اُسکو تمام موجوداتِ عالم میں تصرف کرنے اور آگ پانی بجلی اور ہوا وغیرہ سب کو اپنے قابو میں لانیسکی قوت عطا کی ہے چنانچہ یہ ریل انجن تار برقی فونو گراف ذونوفون گراموفون وغیرہ سب اسی قوت کے کرشمہ ہیں۔ خداے تعالیٰ فرماتا ہے وَتَخْرِجُكُمْ مِّنَ الْأَرْوَاحِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ اور جو کچھ آسمانوں میں ہوا اور جو کچھ زمین میں ہے اُسی نے (اپنے کرم) سے اُن سب کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے بیشک (ان باتوں) میں (قدرتِ خدا کی) بہتیری ہی نشانیاں ہیں (مگر) اُن ہی لوگوں کے لیے جو (غور) و فکر کو کام میں لاتے ہیں۔ سیطرح فطرتِ الہی اور قوانینِ قدرت پر بغور ملاحظہ کرنے سے انسان کو اُن روحانیت کا علم بھی حاصل ہوتا ہے جو اصلی احکامِ مذہبی ہونے کا شرف اور رتبہ رکھتے ہیں مثلاً ہستی مطلق اور علّٰیہ اعلیٰ جسکو خدا کہتے ہیں اُسکی ذات و صفات کا علم تہذیبِ اخلاق وغیرہ اس عالم کائنات کا ذرہ ذرہ روز ازل سے زبانِ حال کے ساتھ اُس ہستی مطلق کے وجود پر شہادت دے رہا ہو اور اُس پاک ہستی کی روشنی کی جھلک انسانوں کے دل پر ڈالتا رہتا ہے چنانچہ باری تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّ اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔ یعنی جس طرح ظہورِ تمام چیزوں کا روشنی پر موقوف ہو جب تک روشنی نہ ہو کوئی چیز نظر نہیں



آتی اسطرح تمام کائنات کا وجود خدائے تعالیٰ کے وجود اور اسکی صفات کمال کے ساتھ جو عین ذات میں قائم ہے سچ کہا گیا ہے کہ خدا کا ماننا انسان کی فطرت میں داخل ہو اگر آدمی معبود حقیقی کی پہچان سے بے خبر رہتا ہو تو وہ اپنے لیے مجازی معبود تلاش کر لیتا ہے ۷

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا      آتش پہ مغان نے راگ گایا تیرا  
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے      انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

غرض فطرت اور قوانین قدرت کو اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کی تیز کرنے کے لیے کسوٹی بنایا ہے یہی کسوٹی حقیقی سچائی ہے کیونکہ فطرت خدا کا کام ہو اور مذہب خدا کا کلام کوئی سچا مذہب جو خدا کا بھیجا ہوا ہو وہ کبھی فطرت الہی اور نیچر کے قوانین کے برخلاف نہیں ہو سکتا نہ وہ کوئی حکم خلاف فطرت دے سکتا ہو اسی لیے مذہب اسلام جو سچا اور خدا کا بھیجا ہوا مذہب ہو اسکی بنیاد اسی فطرت الہی کے مستحکم اور زبردست اصول پر قائم ہو اور چونکہ وہ تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہو اسلیے وہ عقل انسانی کے بھی مطابق ہے انسان کو قوت عقل ہی کی وجہ سے تمام حیوانوں پر برتری حاصل ہو اگر ان دونوں میں عقل کا فرق نہ ہوتا تو ہر حیوان پر مثل انسان کے مذہب کی پابندی لازم ہوتی اسی عقل کی وجہ سے انسان مذہب پر مکلف کیا گیا ہے۔ البتہ عقل شخصی اور عقل انسانی میں گہرا فرق ہے عقل شخصی کے خلاف تو بہت سے سچے واقعات ہو سکتے ہیں بلکہ ہو کر رہے ہیں لیکن عقل انسانی کے

خلاف کبھی کوئی سچا واقعہ نہیں ہو سکتا۔ ابجد العلوم میں کیا سچی بات لکھی ہے کہ نقل یعنی مذہب کی سچائی کا ثبوت خود عقل پر منحصر ہے اگر عقل کو چھوڑ دیا جائے تو اصل کا بطلان فرع سے لازم آتا ہے جو صریح محال ہے۔ زمانہ قدیم سے تمام انسانوں کو غلام بنانے والے بہت سے لوگ ایسے گزرے ہیں جنھوں نے کمال ہوشیاری اور چالاکی سے تمام عمر انسانوں کی قوت عقل کو کمزور کرنے اور مٹانے میں برابر کوشش جاری رکھی اور کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ انکو یہ خوب معلوم تھا کہ قوت عقل ہی ایک ایسی جوہر دار تلوار ہے کہ اگر یہ میان سے نکال لیجاوے تو تمام دہمیں اور غلط خیالوں کی بڑھی بڑھی فوج جبار کو ایک آن واحد میں نیست و نابود کر سکتی ہے اُنھوں نے نہایت سختی کے ساتھ لوگوں کی قوت عقل کو دبایا اور اُسکو مقید کیا اور صاف صاف لوگوں کو ہدایت کی کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں اُسکو بلا دلیل قبول کرنا چاہیے مذہب میں عقل کو دخل دینا سراسر الحاد اور قطعاً حرام ہے مگر برخلاف اُن لوگوں کے۔ بانی اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداک روحی و ابی دُاعی) نے تمام باشندگان کرۂ زمین کو ایک پُر زور آواز کے ساتھ پکار کر کہا کہ اے لوگو! خدا کی دی ہوئی قوت عقل کو کام میں لاؤ اور بصیرت کی آنکھوں پر تعصبِ جہالت کی ٹپی مست باندھو اور خدا کے بنائے ہوئے قوانین قدرت اور موجوداتِ عالم پر نظر ڈالو جیسا کہ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ | بیشک آسمان زمین کے پیدا کرنے میں اور رات

وَ اخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ  
وَالْفُلُوكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ  
بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ  
اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ  
فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ  
مَوْتِهَا وَبَيَّنَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ  
دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَّاحِ  
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ  
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لِيَبْ  
لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

دن کے آمد و شد میں اور جہاز و فین جو لوگوں کے  
فائدہ کی چیزیں (مال تجارت) سمند میں لیکر چلتے  
ہیں اور زمین میں جسکو اللہ آسمان سے برساتا ہو  
پھر اُسکے ذریعہ سے زمین کو اُسکی مری (یعنی افتادہ  
رہی) پیچھے شاداب کرتا ہو اور ہر قسم کے جانور و  
جو خدا نے زمین پر پھیلایا رکھے ہیں اور ہواؤں کے  
ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اُدھر پھرنے میں اور  
بادلوں میں جو (خدا کے حکم سے) آسمان زمین کے درمیان  
گھرے رہتے ہیں (غرض ان سب چیزوں میں) اُن  
لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں (قدرت کی  
بہتیری) نشانیاں موجود ہیں)

اسی قسم کی قرآن مجید میں جا بجا بکثرت ایسی آیتیں موجود ہیں جس میں موجودات عالم اور  
تو انین قدرت کو خدا کی نشانیاں بتلا کر فرمایا ہے اَفَلَا تَعْقِلُونَ کیا تم عقل نہیں  
رکھتے اور کسی جگہ فرمایا ہے فَسَاءَتْ يَرْوَا يَا اُولٰٓئِكَ اَلْبَابِ عبرت حاصل  
کر دے عقل مند و غرض اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہو کہ وہ کسی بات کو یہاں تک کہ  
خدا کے وجود اور اُسکی وحدانیت کو بھی بلا دلیل عقل منوانا اور اُسکا اقرار کرانا  
نہیں چاہتا۔

# فطرت و قوانین قدرت کا نہ بدلنا اور خدا کی

## قدرت کاملہ کا ثبوت

(۶) سوال - آئین تو اب شک نہیں کہ دنیا میں جس قدر مختلف مذاہب موجود ہیں ان میں سے سچے مذہب کے پرکھنے کی معیار اگر کوئی چیز ہو سکتی ہو تو وہ عقل و فطرت ہی ہو اور چونکہ مذہب اسلام عقل و فطرت کے مطابق ہے جیسا کہ اوپر کے بیان میں ثابت کیا گیا ہے تو آئین بھی شبہ نہیں کہ مذہب اسلام ہی سچا اور خدا کا بھیجا ہوا مذہب ہو سکتا ہو مگر ایک بات فطرت الہی کے ذکر میں یہ بھی بیان کی گئی ہو کہ قانون فطرت میں تغیر و تبدل نہیں ہوا کرتا اور آیات قرآنی سے بھی اس بات کا ثبوت دیا گیا ہو یہ بات البتہ مذہب اسلام کی طرف سے دل کو مشکوک کر نیوالی ہو اگر واقعی اسلام فطرت الہی میں تغیر و تبدل ہونا تسلیم نہیں کرتا تو اس کے معنی یہ ہوے کہ مسلمانوں کا خدا محض مجبور اور ایک بیکار وجود ہے نہ اس کو کوئی اختیار ہے نہ کسی قسم کی اس کو قدرت حاصل ہو معاذ اللہ اگر خدا کی ہی شان ہو تو ایسے ناکارہ خدا کے ماننے ہی سے کیا فائدہ ہو اس کی مجبوری جب اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ وہ خود اپنے بنائے ہوئے قانون فطرت ہی میں جسیر دنیا کا کارخانہ چل رہا ہو کسی قسم کا رد و بدل نہیں کر سکتا تو ہم انسانوں کو اس سے کسی قسم کی توقع اور امید کیا ہو سکتی ہے؟

جواب - قانونِ فطرت میں تغیر و تبدل نہوتا تو بالکل سچ ہے مگر اُس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ معاذ اللہ خدا مجبور اور معطل ہو گیا بالکل غلط ہے اور سراسر جہالت اور نافیضی پر مبنی ہے اگر خدا مجبور و معطل ہو گیا ہوتا تو یہ قوانینِ قدرت جن پر دُنیا کا کارخانہ چل رہا ہے؛ کیونکر قائم اور جاری رہ سکتے تھے اُن کا قائم رکھنے والا اور دُنیا کو اُن قوانینِ قدرت پر چلانے والا سوائے اُس واجب الوجود کے جس کو اللہ کے پاک نام سے پکارتے ہیں اور کون ہو سکتا ہو اُسی کی ہستی سے تو تمام موجودات کی ہستی قائم ہو۔ خداے تعالیٰ فرماتا ہے۔

سنو بی! خدا (کا علم اور اسکی قدرت) ہر چیز پر جاری ہے  
وہ ہی شروع سے ہے آخر تک رہیگا اور وہ  
(قدرتوں سے) ظاہر اور (ذاتِ صفات) پوشیدہ ہے۔  
اور تم لوگ کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔  
جہاں کہیں (قبلہ کی طرف) اُنھ کو لو ادھر ہی کو اللہ کا سناٹا  
اور جانے رہو کہ اللہ (کو ایسی قدرت ہے کہ وہ)  
آدمی اور اُس کے دل (کے ارادے) میں اُٹے آ جاتا ہے۔

اَلَا اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ۝  
هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ  
وَالْبَاطِنُ ۝  
وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۝  
فَاَيُّ فَاِتْوَا فَاَنْتُمْ وَجْهَ اللّٰهِ ۝  
اِنَّ اللّٰهَ يَحْصُلُ بَيْنَ الْمَرْعُ  
وَقَلْبِهِ ۝

اِن آیتوں سے صاف طور پر ظاہر ہو کہ سائے عالم کا سلسلہ انتظام اور قوانینِ قدرت کا وجود ذاتِ باری تعالیٰ سے وابستہ ہے اور وہی اُس کا اجرا کرنے والا اور قائم رکھنے والا ہے اس کو بھی جانے دو اور اب دوسرے پہلو سے اس مسئلہ پر غور کرو۔ اِس بات کو تو

غالباً تمام بنی نوع انسان تسلیم کرتے ہیں کہ صادق القول اور صادق الوعدہ ہونا انسان کے لیے نہایت عمدہ صفت ہو اور خاص کر خدا کے لیے تو یہ ایک لازمی اور ضروری صفت ہو۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس صفت کے ساتھ موصوف ہونے سے سلب اختیار لازم نہیں آتا چنانچہ اسی بنا پر قرآن مجید میں بہت سے وعدہ و وعید آئے ہیں۔ مثلاً خداے تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ | اللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (انکہ اللہ یہ گناہ تو معاف کرتا نہیں کہ اُسکے ساتھ کسی شریک گردانا جائے۔ اس سے کم جسکو چاہے معاف کرے۔)

یہ خدا کا ایک قولی وعدہ ہے اور تمام مسلمان اسکو ملتے ہیں کہ بیشک خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور نہیں کریگا پس جبکہ خداے تعالیٰ اپنے قولی وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور اُسکے سبب اُسکی قدرت کاملہ میں کوئی نقصان لازم نہیں آتا تو جو قوانین قدرت خداے تعالیٰ نے بنائے ہیں اور جنکی نسبت فرمایا ہے کہ اُن میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اُنکے نہ بدلنے سے خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ میں کیونکر نقصان آ سکتا ہے نہ خدا کا مجبور ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے۔ بیشک خدا قادر مطلق ہو اگر وہ چاہے تو تمام دُنیا اور تمام قوانین قدرت کو بدل سکتا ہے اور اُنکو معدوم کر سکتا ہے اور نئی دُنیا اور نیا قانون پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ خود اُسنے وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ کی سنت میں رد و بدل نہیں جیتا کہ خدا اس موجودہ دُنیا کو قائم رکھے گا اُسوقت تک وہ کبھی اُن قوانین قدرت کو نہیں بدلیگا جو اُس نے

دُنیا کے انتظام قائم رکھنے کو بنائے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِیُفُ الْمَیْسَدَ اللّٰہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کیا کرتا۔

## عہد جاہلیت کے حالات اور اسلام کا ظہور

(۷) سوال۔ بیشک فطرتِ انہی میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور خدا کے مجبور اور معطل ہونے کا جو دھوکا دل میں پیدا ہوتا ہو وہ بے غوری اور عدم تدبیر کا نتیجہ ہے مگر کیا یہ اسرارِ فطرت دنیا پر اسلام ہی نے ظاہر کیے اسلام سے پہلے کسی کو معلوم نہ تھے؟ اگر واقعی ایسا ہے تو پہلے یہ بتانا چاہیے کہ خدا نے اپنی مخلوق کو قبلِ ظہورِ اسلام عرصہ دراز تک کیوں مگر اہی میں رکھنا پسند کیا یہ بھی ظاہر کرنا چاہیے کہ وقتِ ظہورِ اسلام عام دنیا کی کیا حالت تھی اور اُس وقت کے مذہبی خیالات کا کیا رنگ تھا۔

جواب۔ اسلام اُصولِ مذہب کے اعتبار سے تو ایک ازلی اور ابدی نور ہے اور وہ اُس وقت سے قائم ہے جب سے کہ بنی نوع انسان کا ظہور دُنیا میں ہوا خدائے تعالیٰ کی رحمت عامہ اپنے بند و نکو مگر اہی کی تاریکی میں مبتلا اور حیران و پریشان رکھنے کی کیونکر مقتضی ہو سکتی تھی۔ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃُ مقرر کی ہے خدائے اپنی ذات پر مہربانی۔ اسی ازلی اور ابدی نورِ اسلام نے آدمؑ - شیثؑ - نوحؑ - یعقوبؑ - ابراہیمؑ - موسیٰؑ - عیسیٰؑ اور عیسیٰ مسیحؑ کے دلوں کو

روشن کیا اسی نور نے بحکمِ کلِّ قوم ہاد۔ ہر قوم میں ایک ہدایت کرنے والا گزرا ہی  
لا معلوم اور لا محدود پیغمبر و نئے دلوں سے لمعہ افگن ہو کر تمام دُنیا کے مختلف  
حصوں میں چاندنی چھٹکانی اور آخر میں سینہ مبارک مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہ  
صلعم سے ظاہر ہوا۔

اللہ دوست لکھتا ہی ایمان والوں کو اور نجات دہا کر ان کو  
گمراہی کی تاریکیوں سے راہِ راست کی روشنی کیطرت  
پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس  
نور یعنی روشنی پر جو پہنچے تمہاری ہدایت کو اُناری۔  
کہو کہ ہم یقین لائے اللہ پر اور اُس ایت پر جو پہنچے  
یعنی پہنچی اور اُس ایت پر بھی جو ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ  
اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اسکی اولاد پر اتری اور اُس  
ہدایت پر بھی جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دی گئی اور اُن سب  
ہدایتوں پر جو ابراہیمؑ و غیرہ پر خدا کیطرت اتریں اور کہو کہ  
ہم کسی پیغمبر کو خدا کے پیغمبر نہیں سے جدا نہیں  
جانتے اور ہم اُن سب کے مطیع ہیں۔

ہتے تھکائے اسطے دین مقرر کیا جسکا ہتے حکم دیا  
تھا فوج کو اور وہ ہی حکم دیا یعنی محمدؐ رسول اللہ

اللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجْهُمْ  
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی السُّوْرِ  
فَاٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ وَالنُّوْرَ الَّذِیْ  
اَنْزَلْنَا۔  
قَالُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَا  
اُنْزِلَ اِلَی اِبْرٰہِیْمَ وَاسْمٰعِیْلَ وَاسْحٰقَ  
وَعِیْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِیَ  
مُوسٰی وَعِیْسٰی وَمَا اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ  
مِّنْ رَّبِّہُمْ لَا یُبْعَثُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ  
وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا وَصَّی بِہِ  
نُوحًا وَالَّذِیْ اَوْحٰی اِلَیْکَ



وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ اِبْرَاهِيْمَ وَمُوسٰى وَعِيسٰى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ -  
 صلعم کو اور یہی حکم دیا تھا ہننے موسیٰ اور عیسیٰ کو کہ تم  
 اس دین کو اپنی توحید کو قائم رکھو اور اس میں تفرق نہ کرو

عرض اسلام ایک ازلی اور ابدی نور ہے یہ نور ساری دُنیا کے لیے روشنی تھا اور  
 روشنی ہے اور روشنی رہے گا۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُظْفِقُوْا سُورَةَ اللّٰهِ  
 کو گل کر دیں مگر اللہ اپنی روشنی پوری کر کے  
 رہے گا پڑے بُرا مانا کریں نکلے۔  
 کبرۃ الکافرؤن۔

البتہ اسلام کی روشنی اپنے موجودہ احکام کے ساتھ سب سے اخیر زمانہ میں اُس وقت  
 ظاہر ہوئی جبکہ پتھر ملی ریگستانی ملک عرب سے محمد رسول اللہ صلعم  
 کی ولادت باسعادت کا آفتاب طلوع ہوا اُس وقت تمام دُنیا کی حالت عموماً  
 اور عرب کی خصوصاً نہایت ابترا و خراب ہو رہی تھی اور تمام دُنیا اور تمام  
 اہل عرب شرک و بت پرستی اور بے راہ روی کی بھول بھلیو نہیں ادھر ادھر  
 سر ٹکراتے پھرتے تھے اُس وقت میں دو عظیم الشان سلطنتیں دُنیا پر حکمران تھیں  
 ایران اور روم۔ ایران کی سلطنت تو اپنی اندرونی اور بیرونی فسادوں کے  
 زلزلوں سے مسمار ہو جانے کے درجے تک پہنچ چکی تھی۔ روم کی سلطنت  
 البتہ اپنی عظمت و جلال پر قائم تھی اور دُنیا کی مختلف قوموں کے دلوں کو  
 مرعوب کر رہی تھی۔ لیکن انتظام ملکی کے اعتبار سے اُس کا مدار بھی سراسر وحشیانہ افعال

اور قساوت قلبی پر رہ گیا تھا روم کے اخلاقی فضائل مثلاً شجاعت۔ دوراندیشی بخوشی  
 اخلاص وغیرہ بعینہ ایسے تھے جیسے رہزنوں اور چوروں میں پائے جاتے ہیں اُن کے  
 حسب الوطنی کے پردہ میں حرص و طمع اور غیر قوموں کے ساتھ عداوت و بغض و کینہ چھپے  
 ہوئے آہستہ آہستہ تمام دُنیا کا کام تمام کر رہے تھے اسیران جنگ کو عذاب اور قید  
 و زندان کی سزا دی جاتی تھی بچوں اور بڑھوں سے سزا کے طور پر فتح کی گاریاں  
 اکچھوائی جاتی تھیں اُسوقت دُنیا کی اور اہل عرب کی مذہبی حالت اس سے بھی  
 بدرجہا بدتر تھی خاص عرب میں جو ایک وحشی قوم بستی تھی اُس میں بھی بہت سے  
 مذہبی اور غیر مذہبی فرقے اور دُنیا کے مختلف حصوں کی طرح موجود تھے افریقہ  
 اور ایشیا کی طرح ایک فرقہ عرب میں بُت پرستوں کا تھا اُنکے بُت و مٹم کے  
 تھے ایک قسم بتوں کی تلامذہ ارواح اور غیر محسوس طاقتوں کی طرف (جنکی  
 حقیقت سے وہ ناواقف تھے مگر اُن پر اعتقاد رکھتے تھے) منسوب تھی دوسری  
 قسم میں وہ بُت داخل تھے جو مشہور لوگوں کی طرف (جنہوں نے اپنے عمدہ  
 کاموں کے سبب کوئی خاص ناموری حاصل کی تھی) منسوب تھے دُنیا کے  
 کل اختیارات سیاہ و سفید کرنے کے اُنکے قبضہ میں سمجھے جاتے تھے۔ البتہ  
 آخرت کے اختیارات کی نسبت اتنا فرق رکھا گیا تھا کہ وہ اُن بتوں کو اور  
 اُن مشہور لوگوں کو (جنکی صورت کے وہ بُت بنائے گئے تھے) براہ راست حاجت  
 روا نہیں سمجھتے تھے بلکہ اُنکو خدا کی بارگاہ میں اپنا شفیع خیال کرتے تھے۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ

جِن لوگوں نے بنائے ہیں اپنے دوست سولہ خدا کے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو انکی پرستش اسی لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمارے خدا سے نزدیک کر دیں۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْصُرُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هُوَ إِلَهُؤُنَا

اور وہ عبادت کرتے ہیں اُس چیز کی جو انکو کچھ نقصان پہنچا سکتی اور نہ نفع دے سکتی اور کہتے ہیں کہ یہ تو جسکو ہم پوجتے ہیں خدا کے پاس ہماری شفاعت کرنے والا ہیں

شَفَعَاءُ نَاعْبُدُ اللَّهَ بِحُبٍّ

اُنہی سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی خدا کی محبت۔

دوسرا فرقہ عرب میں خدا پرستوں کا تھا جو کسی الہامی مذہب کا پابند نہ تھا اُس میں بھی دو گروہ تھے ایک اُن میں سے خدا کے وجود کا تو قائل تھا مگر باقی اُمور میں لاد مذہبوں کے عقیدہ پر تھا۔ دوسرا گروہ اُن میں خدا اور روح کے بقا کا اور نیک و بد افعال کی جزا اور سزا کا تو قائل تھا مگر کسی خاص قانون اُصول کا پابند نہ تھا اپنی اپنی سمجھ کے موافق اور آبائی رسوم کے مطابق ہر شخص عمل کرتا تھا۔

إِنَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَاتَّاعَلْنَا مِنْهُمْ كَمَا مَقَّصَدُونَ

ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو ایک رستہ پر پس ہم اُنہیں کے قدموں پر چلتے ہیں۔

تیسرا فرقہ اہل مذاہب کا تھا اور اُن میں کئی گروہ تھے۔ ایک گروہ مذہب صابئی والوں کا تھا وہ اپنا نبی شیت پیغمبر کو بتاتا تھا اُس میں عبادت کے طریقے اور بہت سی باتیں تو وہی جاری تھیں جنکو مذہب اسلام نے بھی بدستور یا کسی قدر

ترسیم کے ساتھ قائم رکھا مثل نماز و حج کعبہ وغیرہ کے گرائی کی مخصوص باتوں میں سات ہیاکل یعنی سات عبادت گاہیں تھیں جو سات ستاروں کے نام پر بنائی گئی تھیں ان میں اُن ستاروں کی پرستش کی جاتی تھی وہ ستاروں کے مبارک اور منجوس ہونے کے بھی قائل تھے۔ دوسرا گروہ عیسائیوں کا تھا ان میں تثلیث پھیلی ہوئی تھی۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ  
ثَلَاثَةٍ وَمِمَّا يَنِ إِلَيْهِ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ | بیشک کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں خدا تیسرا ہے  
تینوں کا حال انکے نہیں کوئی مسمو گروہ ہی ایک ہے۔  
ان میں ایک مسئلہ فدیہ کا بھی جاری تھا جو بالکل خلاف فطرت اور مخالف عقل  
انسانی کے تھا مسئلہ فدیہ سے یہ مراد ہو کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی قوم کے گناہوں کے  
بدلے میں اپنی جان دی اب ہر شخص آزاد ہے جو چاہے وہ کرے اُسکی ہر طرح  
نجات ہو۔ تیسرا گروہ آتش پرستوں کا تھا جو اپنا پیغمبر زردشت کو بتاتا تھا وہ  
یزدان اور اہرمز دو قدیم ازلی وابدی وجودوں کا قائل تھا۔

وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ۔ | مت ٹھیراؤ سولے خدا کے کوئی دوسرا معبود۔  
چوتھا گروہ یہودیوں کا تھا جو سب سے زیادہ وحدانیت کا دعویٰ رکھتا تھا مگر بائبل میں  
وہ تابوت کیلئے کے سامنے (جسپر کروہین کی مجسم صورتیں بنی ہوئی تھیں) اپنے  
ارکان عبادت بجالاتا تھا اور قربانی سوختنی کو خدا کا تقرب سمجھ کر اُسپر چڑھایا  
کرتا تھا غالباً انھیں یہودیوں کے ذریعہ سے وہ تصویر یا مورت حضرت ابراہیم کے

جنگے پاس قربانی کا مینڈھا سانس نہ کھڑا تھا اُس بیان کے مطابق جو توریت میں مذکور ہے خانہ کعبہ میں کھینچی گئی یا رکھی گئی تھی بہر حال مذہب یہود نے جو اوسط درجہ کی وحدانیت کی تعلیم دی تھی وہ اُس زمانہ کے لوگوں کی سمجھ کے لائق اور نجات اُخروی حاصل کرنے کے لیے تو کافی تھی لیکن حقیقت کے لحاظ سے نہ تو وہ بالکل ایسی ناقص ہی تھی کہ نجات کے لیے کافی نہ ہو اور نہ وہ کامل اور اعلیٰ درجہ ہی کی تھی کیونکہ کمال وحدت کا باریک اور مشکل مسئلہ اُس زمانہ کے لوگوں کی سمجھ کے لائق نہ تھا۔ پانچواں گروہ لامذہبون کا تھا وہ بُت پرستی اور الہامی مذہب دونوں کو نہیں مانتا تھا اور اپنے کو تمام قانونی اور رسمی قیدوں سے آزاد خیال کرتا تھا اُس گروہ کا عقیدہ تھا کہ انسان مثل ایک درخت یا حیوان کے ہر ایک وقت میں پیدا ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ جوانی کو پہنچتا ہے پھر بڑھا ہوتا ہے جو اور بعد ازاں اُنھیں کی طرح مرکز نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اس گروہ میں بھی دو فرقے تھے ایک کہتا تھا ہم کو تجربہ اور تحقیق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا اور اُسکی کل چیزیں صرف مادہ اور اُسکی مختلف ترکیبوں سے ظہور میں آئی ہیں ہم سولے مادہ کے نہ کسی اور چیز کو پاتے ہیں نہ محسوس کرتے ہیں پس جب سوائے مادہ کے کوئی چیز ہم کو محسوس نہیں ہوتی تو پھر ہم سولے مادہ کے کسی اور وجود کو کیوں مانیں یہ لوگ بظاہر وجود خدا کا انکار کرتے تھے اُن کا قول تھا وَمَلِكُكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ یعنی نہیں مارتا ہم کو مگر زمانہ اس فرقہ کا نام دہریہ ہر دو سرفرقہ

انہیں کا کہتا تھا کہ بیشک مادہ اور اسکی ترکیب کے سوا کوئی دوسری چیز ہمو معلوم و محسوس نہیں ہوتی مگر ممکن ہو کہ سوائے مادہ کے کوئی اور وجود بھی ہو مگر تا وقتیکہ کوئی قطعی ثبوت نہو ہم کیونکر اسکا اقرار کریں۔ اس فرقہ کا نام لا اور یہ ہے اب غور کرنے کی بات یہ ہو کہ ایسے تاریک اور فساد کے زمانے میں جسکی تصویر ایک شاعر نے ان الفاظ میں کھینچی ہے ۵

ہو اخیال و شب تار و بحر طوفان خیز گُستہ لنگر کشتی و ناخدا خفت ست  
بانی اسلام محمد رسول اللہ صلعم نے تمام بنی نوع انسان کو ایسی کونسی تعلیم دی اور وہ کونسا بہترین قانونی اخلاق تھا جو اسلام نے دُنیا کے روبرو پیش کیا جسکی وجہ سے اسلام کو یہ شرفِ عمومیت حاصل ہوا کہ تمام بنی آدم کے لیے ایک سچا مذہب اور خاتم المذاہب مانا گیا اسکی تفصیل تو تمام مسائل اسلام پڑھنے اور اُنپر غور کرنے سے معلوم ہوگی لیکن اس جگہ ہم محل طور پر اتنا بیان کیے دیتے ہیں کہ وہ اعلیٰ درجہ کا اُصول جسکی مذہب اسلام نے تعلیم دی وہ حدت فی الذات - وحدت فی الصفات - وحدت فی العبادات کا مسئلہ ہر ان وحدتوں کی علیحدہ علیحدہ تفصیل ہم دوسرے مقام پر کریں گے جس طرح یہ اصول تمام جوانب وحدت پر شامل ہے اُسی طرح اس اعلیٰ درجے کے اصول نے انحصار عقلی بھی کر لیا ہوا اب کوئی نیا اصول وحدانیت کا پیدا ہی نہیں ہو سکتا اسی لیے خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے اَلْیَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَنْتُمْ كَامِلُونَ

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَدَعَيْتُكُمْ الْإِسْلَامَ دِيْنًا طَيِّبًا هِي حال اُس قانون اخلاق کا ہے جو اسلام دُنیا کے سامنے پیش کیا ہو اُس میں ایسی تہذیب احساق پائی جاتی ہے جس سے بنی نوع انسان ترقی کر کے تمام کمالات انسانی اور سعادأ مادی و روحانی کے بلند مرتبہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ خصوصاً جو آزادی اسلام نے بنی نوع انسان کو عطا کی ہے اُسکی نظیر دُنیا میں نہیں ہو۔ جو اصول آزادی اس وقت مہذب دُنیا اور یورپ جیسے مہذب ممالک میں پائے جاتے ہیں اُنکی مثال اسلام کی آزادی کے سامنے ایسی ہی ہو جیسے سمندر کے آگے ایک قطرہ۔ اسلام کی فضیلت پر غیر قوم کے علما اور بڑے بڑے یورپین فاضلوں کی تحریریں بھی موجود ہیں جنکو پڑھ کر اسلام کی خوبیوں کا حسن و بآلا نظر آتا ہو۔

وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ | اصل برتری وہی ہو جس پر مخالف بھی گواہی دین۔  
 ڈاکٹر گسٹاوی بان لکھتے ہیں کہ اگر اسلام کے اصلی اعتقادات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام گویا ایک قسم کا عیسائی مذہب ہو جس میں سے شکل باتیں اور پیچیدگیاں نکال ڈالی گئی ہیں۔ البتہ اسلام میں اور عیسائی مذہب میں فروعات کے اختلافات بہت سے ہیں اور ایک بڑا فرق اصول مذہب میں بھی ہے یعنی اسلام خالص اور پاک و حدانیت خداے تعالیٰ کی موجود ہے اور وہ واحد مطلق اور سب سے برتر تسلیم کیا گیا ہے اُسکے ارد گرد نہ ملائکہ ہیں نہ اولیا نہ ایسے لوگ جو واجب التعظیم ہوں اور فی الواقع دنیا کے مذہبوں میں یہ فخر اسلام ہی کو حاصل ہو۔ یہ خالص

وحدانیت آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ اُسین کسی قسم کا کوئی بھید اور ممتا نہیں ہے نہ اُسین متضاد باتوں کے ماننے کی ضرورت ہے جو دوسرے مذہبوں میں واقع ہوتی ہیں جسکو عقل سلیم کبھی قبول نہیں کرتی۔ اسلام وہ مذہب ہے جسکے عقائد مسائل علوم طبعی کے بالکل مطابق ہیں۔ میسور رہبان نے لکھا ہے کہ اسلام کی بدولت لکڑی کی موتیں اور بُت اُس ملک (یعنی عرب) سے معدوم ہو گئے انسان کی قربانی اور آدم خوری موقوف ہو گئی۔ عورتوں کے حقوق میں اگرچہ زیادہ ترقی نہیں ہوئی مگر اُنکا درجہ قائم ہو گیا۔ تعداد ازواج کو محدود اور باقاعدہ کیا گیا حقوق خاندانی مضبوط اور مستحکم ہو گئے۔ لونڈی غلام خاندان کے ایک جزو بن گئے آزادی کے دروازے کھول دیے گئے۔ ناز زکوٰۃ اور ہمانداری نے قومی وضع کو پاک اور برتر بنا دیا۔ انصاف اور خیرات کا خیال ہر شخص میں پیدا ہو گیا حکام نے معلوم کر لیا کہ اُنکے ذمے بھی ایسے ہی فرائض ہیں جیسے کہ اُنکی رعایا کے ذمے۔ اصول معاشرت کے باقاعدہ قائم ہو گئے اگر مثل اور حکومتوں کے اُس میں کچھ بے انصافیان ہیں تو انصاف اُنکی سختیوں کو کم کر دیتا ہے اور زندگی جاوید کی امید جو آسودگی پیدا کرنے والی اور سختیوں کا معاوضہ دینے والی ہے مظلوم کو اپنی مصیبت پر قانع کر دیتی ہے۔ یہ ہیں وہ فوائد جو مذہب اسلام نے غیر مذہب قوموں کو پہنچائے ہیں۔ فرانس کے مشہور عالم ایم ڈی سنٹ ہلیر نے لکھا ہے کہ اسلام نے کسی مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کی۔ کسی کو ایذا نہیں



پہنچائی۔ کوئی مذہبی عدالت خلاف مذہب والوں کو سزا دینے کے لیے قائم نہیں کی اور کبھی اسلام نے لوگوں کے مذہب کو جبراً تبدیل کرنے کا قصد نہیں کیا۔ اہان اسلام نے اپنے مسائل کا جاری کرنا چاہا مگر انکو زبردستی جاری نہیں کیا۔ اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو فہم مندوں کے برابر حقوق حاصل ہوتے تھے اور مفتوحہ سلطنتیں ان شرائط سے بھی آزاد ہو جاتی تھیں جو ہر ایک فہم مند نے ابتدائی دنیا سے حضرت محمد صلعم کے زمانہ تک ہمیشہ کے لیے قرارے رکھی تھیں۔

(۸) سوال۔ صائبی مذہب والوں کے بیان میں اوپر ایک بات یہ بھی ذکر کی گئی ہو کہ عبادت کے طریقے اور بہت سی باتیں مذہب صائبی میں وہی جاری تھیں جنکو مذہب اسلام نے بھی بدستور یا کسی قدر ترمیم کے ساتھ قائم رکھا مثل نماز اور حج کعبہ وغیرہ کے قرآن مجید کی آیتوں سے جو اوپر لکھی گئی ہیں اُن سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اصول اور مسائل اسلام کے دوسرے المامی مذہبوں کے بالکل مطابق ہیں بلکہ اُن سے ماخوذ ہیں۔ اس تمام بیان سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام دوسرے مذہبوں کے مسئلوں کا ایک بنایا ہوا منتخب مجموعہ ہو پس اُسکو خدا کا بھیجا ہوا مذہب سمجھنا اور کہنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

جواب۔ بیشک مذہب اسلام مذہب صائبی مذہب ابراہیمی مذہب یہودی اور مذہب عیسائی کے سچے اصول اور مسائل کا عطر ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مذہب اسلام المامی اصول و احکام اور اخلاق اور مسائل کی تکمیل کا نام ہے

بجام و آئینہ حرفِ جم و سکندرِ حسیست کہ ہرچہ رفت بہرِ عہدِ در زمانہٴ تست  
 مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسلام خدا کا بھیجا ہوا مذہب نہیں ہے بالکل غلط  
 خیال ہے اور نہایت نا سمجھی کی بات ہو بلکہ برخلاف اسکے اسلام کو دوسرے  
 الہامی مذہبوں سے جو مطابقت اور مشابہت ہو وہی تو سب سے زیادہ اسلام  
 کے سچے اور خدا کے بھیجے ہوئے مذہب ہونے کی زبردست دلیل ہے دُنیا  
 میں جتنی چیزیں اور سچائیاں ہیں انکی فی ذاتہ ایک حقیقت و ماہیت ہو زمانوں کے  
 اختلاف اور واقعات کے بدل جانے سے کسی چیز اور کسی سچائی کی حقیقت و  
 ماہیت تبدیل نہیں ہوا کرتی مثلاً دو اور دو چار ہونگے پانچ نہیں ہو سکتے۔ یہ  
 ایک سچا مسئلہ ہے۔ اب گو کتنا ہی زمانہ گزر جائے اور کیسے ہی واقعات پیش آئیں  
 مگر اس مسئلہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی پس وہ سچے اصول اور احکام جو اُس  
 کامل وجودِ عَلَّیُّہُ الْعَلَّیُّ خداوندِ تعالیٰ کی ذات سے صادر ہوں زمانہ کے بدلنے  
 اور واقعات کے تبدیل ہونے سے کیونکر ان میں فرق آ سکتا ہے البتہ جو محافظ  
 احکام کوئی بانی مذہب اُن اصلی احکام کی حفاظت و بقا کی غرض سے جاری  
 کرتا ہے یا جن باتوں کی وہ بانی مذہب اپنے زمانہ کے لوگوں کو انکی عقل و فہم  
 کے مطابق ہدایت کرتا ہے وہ البتہ ترقی کے زمانہ میں بدل جایا کرتی ہیں  
 اسی لیے ہر زمانہ کے پیغمبر کی شریعت جدا ہو خدائے تعالیٰ فرماتا ہو اَلْکَلِمَہُ  
 جَعَلْنَا مَکَہُ شَرِیْعَۃً وَھٰذَا جَاہِلِیُّہُ اَیُّکُمْ یُؤْمِنُ بِرَبِّہٖ مِنْہُمْ اَوْ یُکْفِرُ مِنْہُمْ اَوْ یُشْرِکُ بِہٖ

طریقہ دیا ہے مسلمانوں کو اور تمام دنیا کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ  
ممنون رہنا چاہیے جنھوں نے تمام مذہبوں کے سچے احکام اور اصول کی تصدیق  
کی اور ابتدائی دنیا سے اپنے زمانہ تک کے تمام پیغمبروں کی نبوت کو بلا لحاظ تعداد  
و شمار برحق ٹھہرایا پس اگر اسلام ہی سچا خدا کا بھیجا ہوا مذہب نہیں ہے تو  
دنیا میں سچائی اور حقیقت بھی کوئی چیز نہیں ہے۔

## پیغمبر کی تعریف اور نبوت کا بیان

(۹) سوال۔ پیغمبر کی تعریف کیا ہو اور نبوت کس کو کہتے ہیں؟

جواب۔ پیغمبر یا نبی اُس کو کہتے ہیں جس پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہو  
اور نبوت ایک ملکہ اور رفعت کا نام ہے جو فطر تا خدا کی طرف سے اُس کو عطا  
ہوتی ہے نبوت کی پوری پوری حقیقت کو وہ ہی سمجھ سکتا ہے جو خود نبی ہو۔  
لفظوں میں نبوت کا مطلب اُس قدر بیان ہو سکتا ہو جتنا کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے  
نہایت خوبی اور صفائی سے بیان کیا ہو وہ فرماتے ہیں کہ خدا نے تمام آدمیوں میں  
ذہن و ذکاوت فہم و فراست اور عقل اور ذہانت کی قوتیں مختلف مرتبوں کے  
ساتھ رکھی ہیں انھیں قوتوں میں سے حقائق اشیاء کی ادراک بھی ایک خاص  
قوت ہو۔ یہ قوت کسی میں کم کسی میں زیادہ کسی میں اُس سے بھی زیادہ ہوتی ہو  
اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانوں میں یہ قوت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ

بغیر کیلئے اُنکو حقائقِ اشیاء کا ادراک ہونے لگتا ہوا اُنکو کسی قسم کا خارجی علم نہیں ہوتا اُنسے وہ افعالِ صدور میں آتے ہیں جو بظاہر قدرتِ انسانی کی حد سے باہر معلوم ہوتے ہیں۔ غرض جس شخص کو خدا لوگوں کی روحانی اور اخلاقی تعلیم دینے کے لیے یہ اعلیٰ درجے کی قوتِ فطری عطا کرتا ہے وہ پیغمبر ہوتا ہے اُسکا کام یہ ہے کہ انسانوں کی ملکی اور ہیمنی قوتوں کو اعتدال پر قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہو اور ایسے کام کی اُنکو تعلیم دیتا ہے جس سے اُنکی مختلف اور متضاد قوتیں اعتدال پر داخل ہو کر انسانی ترقی اور تہذیب و شایستگی کے باعث ہوں اسی قوتِ فطری کا نام ملکہِ نبوت اور اسی ملکہِ نبوت کے مختلف درجات کیوجہ پیغمبر و انبیا کا نام ملکہِ نبوت ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ | عِنْدَ فَضِيلَتِ دِي بَعْضِ پِغْمَبِرُونِ كُوبَعْضِ پَر۔  
 اسی فضیلت کے باعث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین تسلیم کیے گئے اور اسی فضیلت کے درجہ کمال کے سبب سے خاتم النبیین ہوئے۔ آپ کے بعد کوئی پیغمبر ہونے والا نہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ | مُحَمَّدٌ تَمُّ لُؤْغُونِ مِّنْ سَیِّ كَا بَابِ نَبِیْنِ وَه  
 وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ | تُوْخَا كَا رَسُوْلٍ اَوْر خَا تَمِ الْاَنْبِیَا هَی۔

(۱۰) سوال۔ یہ تو عجیب بات معلوم ہوئی ہم تو آج تک نبوت کو ایک قسم کا عہدہ جانتے تھے جو کسی خاص برگزیدہ آدمی کو منجانب اللہ عطا ہوا کرتا ہے جس طرح کوئی

بادشاہ کسی اپنے خاص مقرب کو عمدہ وزارت عطا کیا کرتا ہے اگر درحقیقت ایسا نہیں ہے بلکہ نبوت بھی مثل اور قوائے انسانی کے ایک خاص قسم کی قوت اور ملکہ فطرت کا نام ہے تو پھر چاہیے کہ جن سطح اور قوتیں مختلف مراتب کے ساتھ مختلف شخصوں میں ہمیشہ اور ہر زمانہ میں پائی جاتی ہیں اسی سطح یہ قوت فطری جس کا نام ملکہ نبوت ہو یہ بھی ہر زمانہ میں کسی نہ کسی شخص میں پائی جاوے ایسا تو آج تک کبھی دیکھا نہیں گیا کہ کوئی قوت کسی زمانہ میں فطرتاً لوگوں میں موجود رہی ہو اور پھر اُس زمانہ کے گزرنے کے بعد اُس قوت کی پیدائش آدمیوں سے جاتی رہی ہو دیکھنے کی قوت جس کو قوتِ باصرہ کہتے ہیں سننے کی قوت جس کو قوتِ سامعہ کہتے ہیں بولنے کی قوت جس کو قوتِ ناطقہ کہتے ہیں اسی سطح تمام قوتیں ظاہری و باطنی ابتداء خلقت انسانی سے آج تک تمام لوگوں میں اُسی مختلف مراتب کے ساتھ پائی جاتی ہیں پھر اس قوتِ فطری یعنی ملکہ نبوت کا پیدا ہونا کیوں بند ہو گیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر خاتم الانبیاء بھڑے یہ بات تو کچھ دل کو نہیں لگتی نہ اس عقیدہ کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح خاتم النبیین قرار پا سکتے ہیں۔

جواب۔ نہیں ایسا خیال کرنا غلط ہے یہ بالکل سچ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور مذہب اسلام آخری مذہب ہے جو آپ کی ذات پر نبوت کا خاتمہ ہو گیا لیکن ختم نبوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرنے سے حقائق اشیاء کے ادراک کی قوت جس کو ملکہ نبوت کہتے ہیں اُس کا معدوم ہو جانا لازم نہیں

آتا ہے۔ ابتدا سے خلقتِ انسانی سے دُنیا میں بہت سے پیغمبر انسانوں کی ہدایت اور اُنکی عقلی اور اخلاقی ترقی کی غرض سے آئے اُنھوں نے اپنے اپنے زمانہ کے مناسب حال اور اُن زمانوں کے لوگوں کی عقل و فہم کے مطابق سچے اصول اور احکام خدا کے پہنچائے یہ سلسلہ دُنیا میں ایک عرصہ دراز تک برابر جاری رہا یہاں تک کہ انسان کی عقلی اور اخلاقی تکمیل کا زمانہ آیا اور اسلام نے اُن سچے اصولوں کی تکمیل کی اور اُن میں انتہائی مفید اصول کا اضافہ کیا جس سے بڑھ کر اور اُن سے زیادہ اب کوئی نیا اصول عقلِ انسانی پیدا کر ہی نہیں سکتی اور گو تمام بنی نوع انسان کیسے ہی اعلیٰ سے اعلیٰ درجے تک ترقی کر جائیں مگر اُن اسلام کے مقرر کیے ہوئے اصول سے باہر جا ہی نہیں سکتے۔ اس بنا پر ہم آنحضرت صلیعم کو خاتم النبیین اور اسلام کو آخری مذہب کہتے ہیں اور نبوت کا اُن پر ختم ہو جانا تسلیم کرتے ہیں اب اگر ہزار لوگ دُنیا میں ایسے پیدا ہوں کہ جن میں ملکہ نبوت ہو مگر وہ اُن اصول سے زیادہ کوئی نئی بات نہیں بتا سکتے جو اسلام اور بانی اسلام (فداکِ ابی و اُمّی) نے سکھائے ہیں اسی سبب سے قرآن مجید میں نبوت کے ختم ہو جانے کی خبر تو دی گئی ہے لیکن ملکہ نبوت اور فیضانِ ازلی کے ختم ہو جانے کی خبر کہیں نہیں دی گئی بلکہ آنحضرت صلیعم نے تو اُسکی تاقیام قیامت جاری رہنے کی بشارت دی جو چنانچہ فرمایا ہے۔

میری امت کے علماء مثل (نبیاء بنی اسرائیل) کہوں گے  
یعنی اُنکو ملکہ نبوت اور فیضانِ ازلی کا حصہ ہو گا۔

عَلَّمَاءُ اُمَّتِي كَانِبِيَاءِ بَنِي اِسْرَآئِيلَ

الحديث -

علماء کے لفظ سے علماء و اسخون فی العلم مراد ہیں۔

(۱۱) سوال۔ جب نبوت ہی ختم ہو گئی تو پھر ملکہ نبوت کا کیا کام رہا اور فیضان ازلی کی کیا ضرورت باقی رہی۔

جواب۔ اس لیے ضرورت باقی ہے کہ اسلام حبط ایک ازلی مذہب ہو اُسطح وہ ابدی بھی ہے اور چونکہ وہ تمام انسانوں کی ہدایت کا ابد الابد تک ذریعہ ہوا لیے اُس میں وہ دونوں باتیں موجود ہیں جو ایک کامل اور جامع مذہب میں ہونا لازم ہیں جن باتوں پر کہ انسان کی نجات اُخروی منحصر ہے اُن باتوں کے لحاظ سے تو مذہب اسلام ایک مختصر نہایت سیدھا صاف اور آسان مذہب ہے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ | اصل دین خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے۔  
إِنَّ الدِّينَ كَيْسَرٌ | دین بہت آسان ہے۔

اور جو حقائق اور قوانین قدرت خداے تعالیٰ نے اس عالم کائنات میں رکھے ہیں اور جو لامحدود عقلی اور اخلاقی قوت خدائے انسان کو بہ نسبت دیگر حیوانات کے عطا کی ہے اُس کے اعتبار سے مذہب اسلام ایک بہت وسیع اور گہرا مذہب ہے اور ایسے معارف اور حقائق پر مبنی ہے جن کے سمجھنے سے بڑے سے بڑا ادیب اور بڑے سے بڑا حکیم عاجز ہے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَفْلَاحٌ | اور زمین میں جبکہ درخت ہیں اگر ان کے قلم ہوں اور

وَالْجَزْمُ مِمَّا مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَجْزَاءٍ

سند کی سیاہی اور وہ بھی اس طرح کہ اس کے ختم ہونے کے بعد

مَا نَفَعَدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ

ایسے ہی بات سند کی مذکورین تب بھی اس کی باتیں کلمہ نون

پس ضرور ہے کہ ایسے عظیم الشان ابدی مذہب کے حقائق اور معارف کے منکشف

کرنے کو (جو نہایت اعلیٰ درجہ پر اور انتہائے کمال پر مبنی ہیں) اللہ تعالیٰ ایسے نفوس

عالیہ وقتاً فوقتاً پیدا کرتا ہے جن میں ملکہ نبوت موجود ہوتا کہ وہ اپنی ملکہ نبوت کے ذریعہ

سے قانون قدرت کے مطابق جب قدر زمانہ ترقی کرتا جائے اور انسان کی عقلی و اخلاقی

قوت کی ترقی عمل میں آئے اس قدر وہ اسلام کے حقائق اور معارف سے لوگوں کے

دلوں کو معمور کرتے رہیں اور جو لغو اور خلاف عقل و فطرت باتیں دین میں شامل ہو گئی

ہوں ان کو چھانٹ کر دین کی تجدید کرتے رہیں آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔

يَبْعَثُ اللَّهُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ عَلِيًّا

خدا میری اُمت میں ہر صدی کے شروع پر ایسے

كُلِّ سَنَةٍ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا

لوگ پیدا کریگا جو دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔

جی میں اور اس شخص میں جس کو فطرت سے ملکہ نبوت عطا ہوا ہو صرف احکام و افعال

کا فرق ہوا کرتا ہے نبی سے دین میں نیا راستہ پیدا ہوتا ہے، اور نئے اصول و طریقے

صادر ہوتے ہیں اور فریق ثانی سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ نبی کے احکام و افعال اس کی

نبوت پر اس طرح دلیل ہوا کرتے ہیں جیسے سکندر کے بادشاہ ہونے پر اس کی سلطنت

کے احکام اور نظامات حکومت دلیل ہوا کرتے ہیں۔ نبی کو یہ سب باتیں بغیر تسلیم

حاصل ہوتی ہیں اور طرف ثانی کو بذریعہ اکتساب اسی سبب سے بہت سے اصول



اور افعال حکیموں کے بالکل پیغمبروں کے اصول اور افعال کے مطابق ہوتے رہے ہیں۔

## وحی کی حقیقت

(۱۲) سوال۔ اچھا یہ بھی مانا مگر وحی جو خدا کی طرف سے پیغمبروں پر ہوتی ہے وہ کیا چیز ہے اور اُس کے نزول کا کیا طریقہ ہے؟

جواب۔ وحی کے معنی لغت میں اشارہ کرنے اور تنبیہ کرنے کے ہیں شریعت میں اُس سے مراد وہ علم وہی یا انکشاف ہے جو ملکہ نبوت کے ذریعے سے صاحب وحی یا پیغمبر کو حاصل ہوتا ہے عام فہم لفظوں میں ہم سمجھانے کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ وحی ایک چیز ہے جس سے خدا کی مرضی نامعلوم باتوں میں کھل جاتی ہے اُس کے نزول کے چند طریقے ہیں۔ اول یہ کہ خدا کا پیام فرشتہ کے ذریعے سے سنا جاوے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ  
یعنی جبریل فرشتہ ہی نے اُسکو (یعنی قرآن مجید کو) تیرے دلمین ڈالا ہے خدا کے حکم سے۔

بِاِذْنِ اللّٰهِ  
دوم یہ کہ بذریعہ آواز کے کلام الہی سنا جاوے۔ سوم یہ کہ دلمین بلا واسطہ کلام ڈالا جاوے اس قسم کی وحی کو نفث فی الروح کہتے ہیں۔ چارم یہ کہ خواب کشف کے کلام معلوم ہو۔ اس قسم کی وحی کو مشاہدات و مکاشفات سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی کوئی آیت یا سورت خواب میں نازل نہیں ہوئی البتہ بعض

مسنون باتوں کا اسطرح اِقرار ہوا ہے جب وحی کسی بغیر پر نازل ہوتی ہے تو کبھی تو وہ کلام کو بغیر کسی کلام کرنے والے کے سُنتا ہے اور کبھی خواب میں اور کبھی جاگتے کی حالت میں یہ سبب کمال استغراق کسی کو کلام کرتے ہوئے مُشکل دیکھتا ہے پس وہ کلام اُسکے حافظہ اور دماغ میں منقوش ہو جاتا ہے اور کبھی بغیر کسی شکل اور سبب کے خود بخود کوئی بات اُسکے دل میں ڈالی جاتی ہے۔ نزول وحی کے یہ ہی سبب طریقے ہیں انکے علاوہ خود وحی دو قسم پر ہے۔ اول یہ کہ صرف ایک مطلب بغیر کسی خاص عبارت کے دلمین ڈالا جائے مثلاً جسطح کوئی کسی سے کہے کہ میری طرف سے دعوت کا اذن فلان شخص کو دیدینا مگر جن الفاظ میں دعوت کا اذن دیا جائے وہ الفاظ نہ کہے اس قسم کی وحی کو وحی غیر مُتَلَوّہ کہتے ہیں۔ دوسری قسم وحی کی یہ ہے کہ کوئی مطلب خاص الفاظ کے ساتھ دل میں ڈالا جائے مثلاً جسطح کوئی شخص کسی سے کہے کہ تم فلان شخص سے میری طرف سے کہہ دو کہ آج میرے گھر آپ کی دعوت ہو اگر آپ تشریف لائیں گے تو میں بچہ شکر گزار ہوں گا۔ اس قسم کی وحی کو وحی مُتَلَوّہ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلیعہ علیہ وسلم پر یہی وحی قرآن مجید کے الفاظ مخصوص کے ساتھ نازل ہوئی تھی وحی سولے انبیاء کے اور نیک لوگوں پر بھی ہو کر تھی ہے مگر امتیاز کے واسطے اُن دھون کے نام علیحدہ رکھے گئے ہیں جو وحی مقدس لوگوں پر نازل ہو کر تھی ہر اُسکو تحدیث کہتے ہیں اور جو بات خود بخود اُنکے دل میں ڈالی جاتی ہے اُسکو سکیئہ کہتے ہیں چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاجِئْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مَّوْسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيْهِ فَإِذَا  
خَفِئَتْ عَلَيْهِ فَالْقِيَةِ فِي السِّمِّ وَكَانَ فِي كَاهِنِي  
أَنَّا رَأَوْهُ إِلَيْكَ وَجَاءَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ  
اور وحی بھیجی بننے موسیٰ کی ان کو کہ اُسکو دودھ  
پلا ب اسکی نسبت تجکو خوف ہو تو اُسکو دیا میں دنیا  
اور خوف نکرنا اور نہ رنج کرنا ہم اُسکو پھر تیرا پاس پہنچا  
تیرے اور اُنکا اُسکو پیو بن میں کو ایک خبر کر گئے۔

اس آیت سے ظاہر ہو کہ حضرت موسیٰ کی ماں جو نبیہ نہیں تھیں اپنی وحی نازل ہوئی۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ  
اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ  
عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ط  
اور جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم اللہ نے  
تجکو برگزیدہ کیا اور ستھرا بنایا اور چُن لیا سب  
جہان کی عورتوں سے۔

اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت مریم جو پیغمبر نہ تھیں اپنی خدا کی وحی نازل ہوئی

وَإِذَا أُوحِيَتْ إِلَى الْمَوَارِثِينَ أَنْ  
أَمْشُوا فِي وَبِئْسَ مَا قَالُوا أَمْشَاوْا  
أَشْهَدُ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ط  
اور جب بننے وحی بھیجی حواریوں کے پاس کہ تمھیں  
اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو بولے کہ ہم ایمان  
لائے اور تو گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

اس آیت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کے حواری جو پیغمبر نہ تھے اُن پر  
خدا کی وحی ہوئی۔ وحی کا نازل ہونا مثل انسان کے حیوانات پر بھی ہوا کرتا ہو چنانچہ  
خدا نے تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ  
اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا ط  
پس خدا نے وحی کی شہد کی مکھڑوں کی طرف  
کہ وہ اپنا پاڑوں پر گھر بنالین۔

وحی کی طرح اللہ بھی غیر انبیاء پر بلکہ فاسق و فاجر تک پر ہوا کرتا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا | ہننے الہام کیا فوجو کا فاسق پر اور ہننے الہام کیا تقویٰ کا تقویٰ پر  
 امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ وحی اور الہام میں یہ فرق ہے کہ جس چیز کا تعلق قوت عقل  
 اور صفائی نفس سے ہوتا ہے اُسکو وحی کہتے ہیں اور جس چیز کا صدور قوت فکر اور  
 غلبہ وہم سے ظہور میں آتا ہے اُسکو الہام کہتے ہیں۔ انبیاء اور غیر انبیاء کی وحی میں صرف  
 اس قدر امتیاز ہوتا ہے کہ جو وحی انبیاء پر ہوتی ہے آسمین غلطی کبھی نہیں ہوتی نہ اصل  
 وحی میں نہ اسکی تعبیر معنی میں اور جو وحی غیر انبیاء پر ہوتی ہے آسمین غلطی کا احتمال  
 باقی رہتا ہے خواہ نفس وحی میں ہو یا اُسکے معنی کے سمجھنے میں سب سے بڑا فرق یہ ہے  
 کہ غیر نبی سے نیا حکم شریعت کا صادر نہیں ہو سکتا پیغمبر کا بھی وہی کلام وحی اور  
 واجب الاتباع ہوتا ہے جو دین سے علاوہ رکھتا ہو یا صاحب وحی نے اسکو الہام  
 اور وحی بتایا ہو یا قرینہ سے معلوم ہو یا قی دوسرا کلام جو دنیا کی اور باتوں سے علاوہ  
 رکھتا ہو اسکو وحی سے کوئی تعلق نہیں ہو اگر تا جیسا حدیث رافع بن خدیج میں آیا ہو۔  
 إِذَا أَمَرْتُكَ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْرِ دِينِكَ فَخُذْهُ وَهُوَ جِبِّ بْنِ مَكُودِينَ كَيْ تَعْلُقَ حُكْمَ دُونِ تَوَاسٍ  
 فَإِذَا أَمَرْتُكَ مِنْ رَأْيٍ فَإِنَّهُ عِلٌّ كَرُوهُ جِبِّ بْنِ مَكُودِينَ رَأَى سَعْدَ دُونِ  
 أَنَا بِشُكْرٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ . تو سمجھ لو کہ میں بھی ایک آدمی ہوں۔

## فرشتوں کی ماہیت

(۱۳۳) سوال۔ جبریلؑ فرشتہ جسکا ذکر قرآن مجید کی آیت میں آیا ہے کہ اُس نے

خدا کا کلام محمد مصلم کے دل میں ڈالا اُسکی حقیقت کیا ہو اور خدا و رسول کے درمیان میں اُسکے واسطے ہونے سے کیا مراد ہے کیونکہ خدا نے تعالیٰ کو تو کسی واسطے کی حاجت نہیں۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ فرشتوں کا وجود کس قسم کا ہے؟ اگر وہ مثل ہمارے کوئی وجود ظاہری اور خارجی رکھتے ہیں تو کوئی فرشتہ ایسے وجود ظاہری اور خارجی کے ساتھ کیونکر کسی آدمی کے چھوٹے سے پارہ گوشت میں یعنی دل میں سا سکتا ہے دل میں کوئی بات اور پر سے ڈالی نہیں جاتی اور اگر فرشتوں کا ایسا وجود نہیں ہے تو پھر کس قسم کا ہے اور اُسکے وجود کی کیا دلیل ہے؟

**جواب۔** خدا کو بیشک کسی واسطے کی حاجت نہیں مگر انسان کو اپنی اقتضائے فطرت اور قانون قدرت کے مطابق جس طرح چلنے پھرنے کھانے پینے میں اپنے اعضائے جسمانی کی حاجت ہو یا جس طرح دیکھنے سُننے اور سو نگھنے میں قولے ظاہری کی ضرورت ہو اور سوچنے سمجھنے کے لیے انسان قوتِ فہم و عقل کا حاجت مند ہو اسی طرح اُسکو روحانی ترقی اور کمالاتِ سعادت کے اعلیٰ درجے پر پہنچنے کے لیے ملکہ نبوت اور ملکی قوت کی مدد کی بھی حاجت ہو چونکہ یہ ملکہ نبوت مثل اور قولے فطری کے پیغمبروں میں خلقتی ہوا کرتا ہے اسیلئے ہم یقین کرتے ہیں کہ نبی اپنی مان کے پیٹ ہی سے نبی پیدا ہوا کرتا ہے۔ اِنَّ النَّبِيَّ نَبِيٌّ وَكَوْكَانَ فِي بَطْنِ اُمِّهِ یہ توجہ ربیل کے خدا و رسول کے درمیان واسطہ ہونے کی دلیل ہے لیکن لفظ جبریل جو قرآن مجید میں آیا ہے وہ ایک عبرانی زبان کا لغت ہو جبریل کے لغوی

معنی میں خدا کی قدرت یا خدا کی قوت یہ نام دو لفظوں سے مرکب ہر ایک لفظ جبر جسکے معنی ہیں قدرت اور قوت اور دوسرا لفظ ایل اسکے معنی ہیں خدا۔ عبرانی زبان میں کعبہ کو بیت الایل کہتے ہیں جسکا عربی زبان میں ترجمہ بیت اللہ ہے یعنی خدا کا گھر جبرئیل ایک فرشتہ ہے مثل اور فرشتوں کے فرشتہ کی عربی نملک ہے اور اُسکی جمع ملائکہ ہے قرآن مجید میں صرف دو فرشتوں کا نام آیا ہے جبرئیل میکائیل یہ دونوں لفظ عبرانی زبان کے لغت میں عربی زبان میں سولے لفظ ملائکہ کے جسکی جمع ملائکہ ہے کوئی خاص نام کسی فرشتہ کا نہیں ہے ممکن ہو کہ اُنکا کوئی وجود خارجی مثل خالص ہوا اور لطیف آگ وغیرہ کے ہو جس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی البتہ اس قسم کے وجود کا کوئی ہمارے پاس یقینی ثبوت نہیں ہو قرآن مجید میں جبرئیل کا ذکر اسطرح پر آیا ہے کہ اُسنے خدا کا کلام آنحضرت صلعم کے دل میں ڈالا ہے اس بیان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی وجود خارجی مراد نہیں ہو یہود لوگ بھی جبرئیل میکائیل اسرافیل اور عزرائیل وغیرہ لفظوں کو اول اول صفات باری تعالیٰ کے تعبیر کرنے کو بولا کرتے تھے پھر رفتہ رفتہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد اُنکو بطور ناموں کے تصور کرنے لگے ایک جگہ قرآن مجید میں فرشتوں کو مَدْرَاتِ امرا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ انتظام دُنیا کے قائم رکھنے والے اور افعالِ فطرت کے ظہور کے سبب ہیں۔ بہر حال ان سب باتوں سے۔ اور نص قرآنی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا اطلاق ان قوتوں پر ہوتا ہے جنکو خدا نے

اپنے مقاصد کے انجام کے واسطے یا اپنے وجود اور قدرت کے اظہار کے لیے قائم کیا ہے حدیث میں آیا ہے کہ ہر قطرہ کے ساتھ آسمان سے ایک فرشتہ اُترتا ہے اور پھر وہ آسمان پر واپس نہیں جاتا اس حدیث سے بھی یہ ہی پتہ لگتا ہے کہ یہاں فرشتہ سے مراد وہ قوت نامیہ ہے جو مینخ کے ذریعے سے درختوں کو پہنچتی ہے جس سے وہ سرسبز ہوتے اور نشوونما پاتے ہیں یہودیوں نے کامون کے اعتبار سے فرشتوں کی تقسیم کی ہے اور ہر فرشتہ کا علیحدہ علیحدہ جو کام بتایا ہے اُس سے بھی انجین طبعی قوتوں کے مراد ہونے کی تصدیق ہوتی ہے جبکہ ذکر قرآن مجید میں مبررات امر کی لفظ سے ہوا ہے مثلاً وہ قوت جو زمین سے یا سمندر سے بخارات کو سطح بالا تک لیجاتی ہے اور اُنکو بادل بنا کر اُٹھاتی اور مینخ برساتی ہے اُسکا نام اُنخون نے میکائیل رکھا ہے اور جو قوت اندر ہی اندر اسباب ہلاکت جمع کرتی ہے اور حرارت غریزی کو فنا کر دیتی ہے اُسکا نام عزرائیل یعنی ملک الموت رکھا ہے جو قوت بہیمیہ انسان کو زرا اُل نفس سکھاتی اور بدافعالیوں میں مبتلا کرتی ہے اُسکا نام عزرائیل یعنی شیطان رکھا ہے کتب آسمانی اور دوسرے الہامی مذہبوں میں فرشتوں کا لفظ علاوہ طبعی قوتوں کے اور بہت سے معنوں میں آیا ہے تو ریت میں فرشتوں کا لفظ ہواؤں پر دبا پر نام پر انبیا پر سب پر استعمال کیا گیا ہے انجیل میں حضرت عیسیٰ کے حواریوں کو فرشتہ کے نام سے خطاب کیا گیا ہے قرآن مجید میں مفسد باطن لوگوں کو شیطین کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے جیسا کہ

منافقین کے ذکر میں فرمایا ہے۔

وَلَا تَحْزَنْ لِمَا يَفْعَلُونَ  
فَالْوَالِئَا مَعَكُمْ لَمَّا كُنْتُمْ  
مُسْتَهْزِئِينَ

اور جب وہ منافق اپنے شیطانوں سے تنہائی میں ملے  
میں تو اُن سے کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور  
سوائے اسکے نہیں کہ ہم تو مسلمانوں کو بناتے ہیں۔

قدیم زمانہ کے بُت پرست لوگ تمام حوادث کو جنکے طبعی اسباب سے وہ ناواقف  
ہوتے تھے ایک فرضی اور وہی ذات کی طرف منسوب کیا کرتے تھے اُنہیں مرد اور  
عورت بناتے تھے مردوں کو دیوتا اور انکی عورتوں کو دیویاں کہا کرتے تھے اور  
اُنکو حاجت روا سے خلق جانتے تھے۔

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أُنَادُوا رَبَّنَا  
يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا لَعَنَهُ اللَّهُ

نہیں پکارتے وہ سوائے اسکے مگر عورتوں کو اور نہیں پکارتے  
مگر شیطان سرکش کو خدا نے لعنت کی ہے اُنہیں

زمانہ جاہلیت کے قدیم اہل عرب نے فرشتوں کو مختلف درجوں پر تقسیم کر رکھا تھا عام  
طور پر وہ لفظ جن بولا کرتے تھے اور جب ایسے جن کا ذکر کرتے جو اُنکے نزدیک انسان  
کے ساتھ رہا کرتا ہے تو اُسکے لیے وہ عام کا لفظ بولتے تھے جسکی جمع عمار ہو اور جب  
ایسے جن کا ذکر کرتے تھے جو بچوں کو ستاتا ہے تو اُنکا نام وہ ارواح رکھتے تھے  
اور اگر وہ خبیث ہوتا اور زیادہ تکلیف دیتا تو اُسپر شیطان کا لفظ بولتے تھے اور  
جو اُس سے بھی زیادہ موزی ہوتا تو اُسکو مار دے کہتے تھے اور جو اُس سے بھی زیادہ  
قوی ہوتا تو اُسکو عفریت کہتے تھے اور اگر وہ پاک ستھرا ہوتا اور بالکل بھلائی اُس سے



پہنچتی تو اسکو ملک یعنی فرشتہ کہتے تھے بہر حال ان تمام واقعات اور کتبِ آسمانی کی شہادت اور قوانین قدرت کے مطالعہ سے فرشتوں کا خالق و مخلوق میں ایک روحانی واسطہ ہونا اور انتظامِ دنیا کا قیام اُنکے وجود پر منحصر ہونا بخوبی ثابت ہے

### رُبَاعِی

حق جانِ جہان ستِ جہان جملہ بدن اجناس ملائکہ حواسِ این تن  
اجرام عناصر و موالید اعضا توحید ہمین ست و دگر ہا ہمہ فن

## اقسام مسائل اسلام

(۱۴) سوال - یہ تو اب بخوبی ثابت ہو گیا کہ اسلام ایک سچا اور خدا کا بھیجا ہوا مذہب ہو مگر اب یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اُسکے اصول اور احکام کیا ہیں اور اُسے بنی نوع انسان کو کس قسم کے عقائد و اعمال کی تعلیم دی ہے۔

جواب - اسلام کے مسائل کئی حصوں پر منقسم ہیں۔ پہلا حصہ اُسکا اصلاحِ عقائد اور دوسرا حصہ تعلیمِ عبادات ہے۔ تیسرا حصہ تہذیبِ اخلاق - چوتھا حصہ درستیِ معاملات ہے۔ اسلام نصوص اور احکام کے اعتبار سے بھی کئی قسم پر منقسم ہے پہلی قسم میں وہ احکام ہیں جنکو شارع نے صاف صاف لفظوں میں بیان کیا ہے اور وہ نصوص کہلائے جاتے ہیں انہیں بھی دو قسم کے احکام ہیں ایک اصلی احکام جو نورِ ایمان و روحِ مذہب اور عینِ فطرت ہیں دوسری قسم میں وہ محافظ احکام ہیں

جو ان اصلی احکام کی حفاظت اور انکی بقا اور قیام کی غرض سے مقرر کیے گئے ہیں ان دونوں قسموں کے احکام کو جُدا جُدا پہچاننا اور انکے درجے اور رتبہ میں تمیز کرنا لازم ہو۔ دوسری قسم میں وہ احکام ہیں جو اجتہاد یا تہدیات کہلاتے ہیں ان احکام کو عالمون اور مجتہدون نے اپنے ذہن اور علم سے دَلَالَتُ النَّصِّ وَ اِشَارَةُ النَّصِّ اور قیاس کی دلیل پر قائم کیا ہے ان احکام کی اُسی قدر وقعت ہو سکتی ہے جب قدر ایک شخص کی رائے یا چند لوگوں کی رائے کی وقعت ہوتی ہے تیسری قسم میں وہ احکام ہیں جو ذمینی عبادتوں یا ناکامل اور شبہ سند و نکتہ ذریعے سے قائم ہوئے ہیں انہیں پہلی قسم تو اجتہاد یا تہدیات میں شامل ہے اور دوسری قسم محض غیر واجب اور غیر معتبر ہے ان سب اقسام کے علاوہ اسلام اپنے مقصد اور مفہوم کے اعتبار سے بھی دو قسم پر ظاہر شرع اور باطن شرع ظاہر شرع کا اطلاق الفاظ مذہبی کے اُن معنوں پر ہوتا ہے جو عوام الناس اُن الفاظ سے سمجھتے ہیں اور باطن شرع سے وہ دین کے اسرار اور حقیقی معنی مراد ہیں جو احکام شرع کے عَلَل یعنی اسباب اور مسائل اسلام کے بنیادی پتھر ہیں یہ علم اسرار دین جسکا دوسرا نام باطن شرع ہے تمام مسائل اسلام اور علوم شریعت سے اشرف و افضل ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ گفتلی نصوص پر عقلی دلائل قائم کرنا اور منقول کو معقول سے مطابق کرنا دین کی کامل مدد ہے اور مسلمانوں کی پراگندگی دُور کرنے میں ایسی کوششوں سے عمدہ آثار ثابت ہوئے ہیں یہ عبادت سب عبادتوں سے افضل اور تمام بندگیوں کی اصل

اصول قرار پائی ہے شاہ صاحب نے کیا خوب مثال دی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اسلام کے بعض حصے بمنزلہ پوست کے ہیں جبکہ اندر مغز بھرا ہوا ہے اور بعض بمنزلہ سپونج کے ہیں جسے موتی نکلتے ہیں۔

## اسلام کے اصلی احکام جو روح مذہب اور عین فطرت ہیں

(۱۵) سوال۔ اسلام کا پہلا حصہ یعنی اصلاح اعتقادات سے کیا مراد ہے اور وہ کون سے اعتقادات ہیں جنکی اسلام نے اشاعت کی۔

جواب۔ اصلاح اعتقادات سے مقصود اُن خیالات کی اصلاح ہے جو انسان کی روح اور فطرت سے علاقہ رکھتے ہیں وہ یہ ہیں۔ ذات باری تعالیٰ صفات باری تعالیٰ اور نیز وہ تین وحدتیں جو ذات و صفات اور عبادت باری تعالیٰ سے علاقہ رکھتی ہیں یہی اصلی احکام ہیں جو اصل مذہب اور عین فطرت ہیں۔

گر گوہر طاعت نہ سقم ہرگز      و رخاکِ درت بدل نہ رنم ہرگز  
نومید نیم ز بارگاہِ کرمست      زان رو کہ یکے را دو نہ گنم ہرگز

## وحدت فی الذات

(۱۶) سوال۔ ذات باری تعالیٰ کی نسبت اسلام نے کیا بیان کیا ہے اور اُسکے موجود ہونے کا کیا ثبوت ہے۔؟

**جواب۔** اسلام نے ہکو یہ بتایا ہے اور یقین دلایا ہے کہ وہ مقدس پاک ہستی جسکی ہستی سے سب ہستیاں وابستہ ہیں اور کوئی اُسکو اللہ کوئی کلام کوئی بیوہ کوئی پریشور کوئی گاڈ کوئی خدا کہتا ہے وہ موجود ہے اسلئے کہ واجب الوجود ہے وہ **عَلَّہُ اَعْلٰی** ہے اسلئے کہ ظہور کائنات کا سبب وہی ذات پاک ہے لیکن نہ اشتراک کی حیثیت سے کیونکہ اُسکا وجود مادی لوازم اور اُسکی اضافی نسبتوں سے غیر ہے برخلاف مادی اشیا کے کہ اُنکی ماہیت اُنکے لوازم اور باہمی نسبتوں سے بچانی جاتی ہے جو **رَحْمٰتِ عَلٰی دَرَرِشِ افکنده** **عِلّت و معلول** دروہر دو گم

**اللہ لَا اِلَہَ اِلَّا ہُوَ لَا اَکْثَمَ اَمَّا الْحُسْنٰی اَمَّا اَلْکُفْرُ اِلَہٌ وَّاحِدٌ** | نہیں ہے کوئی اللہ گردہ اُسکے لیے ہیں بنام اچھے وہ واحد ازلی وابدی ہے۔ نہیں کوئی اللہ گردہ ہی ایک۔  
لیکن بغیر کسی صورت کے اور بغیر مکان کے کیونکہ صورت اور مکان یہ سب چیزیں مادہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

**لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ** کوئی چیز اُسکے مثل و مشابہ نہیں۔ یعنی وہ سب مادی چیزوں سے پاک و منزہ ہے خود اُسے اپنے آپ کو اپنے صفات میں ظاہر کیا ہے یعنی اُسکی صفات عین اُسکی ذات ہیں نہ کوئی اُسکا شریک ہے نہ کوئی اُسکا مقابل۔

**وَلَا تُشْرِکُہٗ کُؤٰیہٗ شَیْءًا** | اُسکا شریک مت ٹھراؤ۔  
**فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا** | مت بناؤ کسی کو اُسکا مد مقابل۔  
**اَللّٰہُ کُوْنٌ مَّا لَا یَخْلُقُ شَیْءًا** | کیا شریک کرتے ہو خدا کے ساتھ اُن چیزوں کو جو کچھ پیدا

وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝

نہیں کر سکتیں وہ تو خود اُسی خدا کی پیدا کی ہوئی  
ہیں۔

لَعَبٍ لِّدَاوُدَ وَكَلَمٌ بِلُوطٍ ۚ وَلَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝  
كُفُّوا أَعْنَافًا ۝

نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا  
اور نہ کوئی اُس کے برابر کا ہو نہ وہ چھو اُجاٹا ہو نہ دکھائی  
دیتا ہو نہ عقل میں سما سکتا ہو نہ خیال میں آ سکتا ہو۔

سعدی نے گلستان میں کیا خوب کہا ہے

لے برتر از خیالِ قیاسِ لُمانِ دوہم      داز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم  
دفتر تمام گشت و بہ پایان رسید عمر      ماہم چنان در اول وصف تو ماندہ ایم  
مگر با وجود اسکے وہ ہماری رگ گردن سے زیادہ قریب ہے اور ہمارے یقین اور  
ہمارے مخفی خیالات میں ہمیشہ موجود ہے۔

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۚ | اور ہم اُسکی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں اور  
وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ | ہم تم سے بھی زیادہ قریب ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے۔

غرض وہ ہستی مطلق اور علتِ اعلیٰ جسکو خدا کہتے ہیں وہ ایک ہی ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ  
رہیگا۔ وہ اپنی ذات سے آپ قائم ہے اُسکا ہونا ہی اُسکی ذات ہو وہ کسی میں نہیں

مگر سب کچھ اُسی سے ہے جو کچھ ہوا بغیر اُسکے

اب جب تب تجھسا نہیں کوئی      تجھسے ہیں سب تجھسا نہیں کوئی  
اُسکا ہونا کسی دوسری چیز پر منحصر نہیں مثلاً جسطرح کسی رنگ کا کپڑے وغیرہ پر

ہونا موقوف ہوتا ہے۔ وہ جسم نہیں کیونکہ جسم تو اُسکا پیدا کیا ہوا ہے اور جسم تو بہت سی چیزوں سے ملکر بنا ہے جسکے مجموعہ کا نام مادہ ہے۔ وہ صورت نہیں کیونکہ صورت بغیر مادہ کے نہیں ہو سکتی۔ اُسکے وجود سے علیحدہ کوئی دوسرا وجود ایسا نہیں جو اپنے آپ قائم ہو اور کوئی علاقہ اُس سے نہ رکھتا ہو۔ اُسکی ذات میں رد و بدل نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر ایسا ہو تو اُس تبدیلی کا کوئی سبب بھی ہوگا جو اُسکی ذات سے جدا ہو اور یہ نہیں ہو سکتا نہ اُسکے واسطے سمت ہو نہ مکان ہو نہ زمانہ ہے۔

اَيَسْمَا تُولُوْا فَاَتَوْجِّهْهُ اللّٰهُ | جطرت تم مجھ کر دے سیطرف خدا کا منہ ہے۔  
مسٹر کین نے لکھا ہے کہ ایک فلسفی یہ سوال کر سکتا ہے کہ جب ہم اُس نامعلوم جوہر (یعنی خدا) کو ہر ایک خیال سے جو زمانہ یا مکان یا مشابہت یا حرکت یا ارادہ یا حس یا خیال سے متعلق ہو منزہ یعنی جدا کر دین تو پھر ہمارے خیال اور سمجھ کے لیے کیا چیز باقی رہ جاتی ہے یہ بالکل سچ ہی اور اسی سبب آنحضرت صلم نے فرمایا ہے۔

مَا عَرَفْنَاكَ حَقًّا مَعْرِفَاتِكَ | اے پروردگار ہم نے تجھ کو نہیں پہچانا جو پہچاننے کا حق تھا۔  
ایک شاعر کہتا ہے

انچہ پیش تو بیش از ان نہ نیست غایت فہم تست اللہ نیست  
عقلِ انسانی اس بات کو تو قبول کرتی ہے کہ کوئی وجود ہے اور ضرور ہے اور

بیشک وہ آپ ہی آپ ہوا سیلے ہمیشہ سے ہوا اور ہمیشہ رہیگا کیونکہ دریا کا ہر قطرہ ریگ کا ہر ذرہ گھاس کا ہر تنکا اُسکے ہونے کی گواہی دے رہا ہے مگر وہی عقل یہ بھی کہتی ہے کہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ مین جانتی ہوں نہ جان سکتی ہوں عقل کہتی ہے کہ مین کیونکر جان سکتی ہوں کہ وہ کیسا ہے مین نے جن چیزوں کو جانا ہے وہ ہوتی جی ہن اور پھر نہیں بھی ہوتیں وہ نہ دیکھا جاسکتا ہے نہ چھوا جاسکتا ہے پھر کیونکر بتایا جائے کہ وہ کیسا ہے جو ذریعے جاننے کے مین جب وہی محو کر دو جائیں تو عقل کیونکر جان سکتی ہے کہ وہ کیسا ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس امر کا جاننا کہ کوئی چیز ہے دوسری بات ہوا اور یہ جاننا کہ وہ چیز کیسی ہے اور کیونکر یہ ایک دوسری بات ہو پچھلی چیز کے نہ جاننے سے پہلی چیز کا نہونا لازم نہیں آتا کیونکہ پہلی بات یعنی خدا کا ہونا اُسکے آثار و ن سے یقین کیا جاتا ہے اور پچھلی بات یعنی خدا کیسا اور کیونکر ہے اُن آثار و ن کے مؤثر کی حقیقت اور ماہیت جاننے پر موقوف ہو جسکا ہلکو علم نہیں اور جب علم ہی نہیں تو انکار کی کوئی وجہ ہی نہیں یہ بات تو بدیہی اور تسلیم شدہ ہے کہ کسی چیز کا بطلان جب تک کہ بُرا ن قلمی سے ثابت نہو جائے اُسوقت تک اُس سے انکار کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا اگر ایک چیز کا ہم تصور نہیں کر سکتے اور اُسکی ماہیت دریافت کرنے سے ہم عاجز ہیں تو یہ ہمارے کو تخیالی اور کمزوری ہوئی اور اپنی کمزوری کی بنا پر کسی چیز کے وجود کا انکار کر بیٹھنا سراسر سفاہت اور بلاہت ہوا اسی لیے آنحضرت صلم نے

ارشاد فرمایا ہے۔

تَفَكَّرُوا فِي خَلْقِ اللَّهِ وَكَاتِفَكَّرُوا فِي اللَّهِ | خدائے بنائے مجھے عالم فطرت پر غور کرو مگر ذات باری میں  
فَاتَفَكَّرُوا لَنْ تَقْدِرُوا قَدْرًا - فکر کرو تم کو یہ قدرت نہیں کہ اُسکی قدرت کا اندازہ کر سکو۔

دہریہ لوگوں کا یہ کہنا کہ مادہ (جس سے کہ اس عالم کائنات کا ظہور ہوا ہے) وہ آپ ہی  
آپ تھا اور کسی دوسرے سبب سے یعنی علت سے وجود میں نہیں آیا تھا یعنی معلول  
نہ تھا صحیح نہیں ہے اسلام بتاتا ہے کہ وہ مادہ بھی مخلوق ہے اور خدا نے جو علت لعلل  
ہو اُسکو پیدا کیا ہے۔ اِسکو تو اہل فلسفہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مادہ میں کسی قسم کا  
ادراک اور شعور نہیں ہے نہ اُسکی حرکت میں کسی قسم کی تدبیر اور ارادہ ہونے کی  
صلاحیت پائی جاتی ہے ماسوا اسکے مادہ میں بہت سے تغیرات پائے جاتے ہیں  
کبھی وہ ہوا کی صورت میں ہے اور کبھی پانی کی کہیں گل ہے کہیں بلبل کہیں  
ہاتھی ہے کہیں مچھر کہیں درخت ہو کہیں پتھر تمام دُنیا کی چیزوں کا وجود انھیں مادہ کے  
تغیرات پر موقوف ہو ان تغیرات کا باعث خود مادہ تو ہو نہیں سکتا (جو آپ ہی  
آپ موجود تھا) بلکہ کوئی دوسرا سبب یعنی علت ان تغیرات کی باعث ہوگی یہ تغیرات  
خود اس بات کے برہی ثبوت ہیں کہ مادہ اپنے وجود میں کسی دوسری علت کا  
معلول اور خالق کا مخلوق ہے اگر یہ کہا جائے کہ جو تغیرات مادہ میں پائے جاتے ہیں  
اُنکا باعث خود مادہ کے خواص ہیں اور اُن خواص کے آپس میں ملنے سے یہ  
تغیرات ظہور میں آتے ہیں۔ اول تو اس بات کا کوئی ثبوت ہی نہیں کہ یہ تغیرات



خواص مادہ کے سبب سے ہیں قطع نظر اسکے مادہ کے چھوٹے چھوٹے ذرے جنگو  
 سالمات کہتے ہیں اور جو قبل عالم کائنات ایک دوسرے کے مشابہ اور آپس میں  
 شامل تھے انکا ایک خاص ترتیب اور کیفیت کے ساتھ اسطرح باہم ملنا کہ کہیں  
 وہ پہاڑ بن گئے اور کہیں سمندر بن گئے کہیں انسان کی صورت میں نمودار ہوئے اور  
 کہیں کبھی کے قالب میں ظاہر ہوئے علیٰ ہذا القیاس دنیا کی تمام چیزیں جو انھیں  
 مادہ کے چھوٹے چھوٹے ذروں سے ملکر بنی ہیں ان چیزوں کے مناسب حال  
 ترکیب اور جو عجیب غریب باقاعدہ حکیمانہ کاریگری میں ان چیزوں میں پائی جاتی  
 ہو (جسکو دیکھ کر ایک بڑے سے بڑے حکیم کی عقل حیران اور دنگ رہ جاتی ہے)  
 ان سب عجائبات کا سبب کیا وہ غیر شعور مادہ ہو سکتا ہے اور کیا ایک عقل  
 سلیم اسکو قبول کر سکتی ہے کہ یہ سب تعجب خیز اور حیرت انگیز باتیں بلا سبب  
 اور بلا کسی ذی شعور کامل ذات علتہ لعلل خدائے تعالیٰ کے محض اتفاقی  
 طور پر اس اعلیٰ حکیمانہ ترتیب کے ساتھ ظہور میں آگئیں ایسا کہنا درحقیقت کوئی  
 معقول جواب نہیں ہے بلکہ لاجواب ہو کر رو دینا ہے خود دنیا کا باقاعدہ  
 انتظام یعنی فطرت الہی یہ ہکو بتا رہی ہے کہ بڑے دانشمند حکیم مطلق نے مادہ  
 کے ان اجزاء یعنی سالمات کو آپس میں ملنے کی ایسی قدرت و جامعیت عنایت  
 کی ہو جسکے سبب سے وہ ایسی مناسب ترکیب باقاعدہ اصول اور مختلف  
 صورتوں اور حالتوں کے ساتھ آپس میں ملتی اور موجود ہو جاتی ہیں چنانچہ

خداے تعالیٰ فرماتا ہے۔

رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَلْقَهُ  
سَمِعْهُ هَذِي

وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ  
الْقَهَّارُ ط

الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ  
الْمُهَيَّمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ط

سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ط

اس حدت فی الذات کو تو قبل اسلام بھی غیر مسلم لوگ مانتے تھے چنانچہ خداے تعالیٰ فرماتا ہے۔  
وَلَيْن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضَ لَيَعْبُوْنَ اللَّهَ ط

اگرچہ عام طور پر انھوں نے خدا کے بہت سے شرکا، ٹھہرا رکھے تھے اور خدا کے  
نام کے ساتھ ان کے نام بھی لیتے تھے مگر خوف و ہراس کی حالت میں ان کا خیال

مضطربانہ اسی وحدت فی الذات کی جانب رجوع ہو جاتا تھا۔  
(۱۷) سوال۔ بیشک خدا خالق ہے اور مادہ مخلوق خدا علیتہ لعل ہے اور  
ساتھ ہی اسکے ازلی وابدی بھی ہے اور مادہ معلول لیکن جب مادہ معلول ہوا اور  
خدا اسکی علت یعنی علیت لعل ٹھہرا تو چونکہ علت یعنی خدا ازلی وابدی ہے یعنی ہمیشہ سے

اور ہمیشہ رہیگا تو مادہ جو معلول اور مخلوق ہے وہ بھی ازلی وابدی ہوا۔ قانون قدرت کے ذکر میں اوپر کہا گیا ہے کہ اُسی کی ذات یعنی خدا کی ہستی سے سب ہستیاں قائم ہیں تو یہ ہستیاں بھی ازلی وابدی ہونگی؟

**جواب۔** اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ معلول اپنی علت سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا بیشک یہ سئلہ صحیح ہے مگر اُس وقت جبکہ اُن دونوں یعنی معلول اور علت کے درمیان میں کوئی اور واسطہ یعنی دوسری علت نہ ہو اگر علت ازلی ہے تو معلول بھی ازلی ہوگا لیکن مادہ کو خدا کا جو علتہ لعل ہے بلا واسطہ معلول ٹھہرانا صحیح نہیں اسیلے کہ جب ہم نے دنیا کی تمام چیزوں پر غور کیا اور اُنکے وجود کے سببوں کے سلسلہ پر نظر دوڑائی تو تلاش کرتے کرتے سب کے اوپر اور سب کے منتہا ہکمو مادہ کا وجود معلوم ہوا اور ہم نے سمجھا کہ ساری چیزوں کا اور اُنکے موجود ہونے کے سببوں کا سلسلہ ایک مادہ پر ختم ہوتا ہے مگر یہ ہم بالکل نہ جان سکے کہ مادہ کے اوپر اور کیا کیا معلول تھے یا میں جنکی حالت کی تبدیلی مادہ کے وجود کا سبب یعنی علت ہوئی قاعدہ ہو کہ جس طرح ہر ایک سبب یعنی علت سے ایک چیز وجود میں آتی ہے جسکو معلول کہتے ہیں وہی معلول اپنی حالت کی تبدیلی سے دوسری چیز کے وجود کی علت ہو جایا کرتا ہے۔ بالفرض اگر ہم مادہ کو پہلا معلول علتہ لعل یعنی خدا کا مان لیں اور ازلی بھی سمجھ لیں اور خدا کے لیے (جو اُس مادہ کی علت ہو) صرف اُسکی ذات کا مادہ سے مقدم ہونا کافی سمجھ لیں اُس حالت میں بھی مادہ کا ابدی ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ جیسا ہم

ابھی اوپر بیان کر آئے ہیں کہ معلول کی حالت بد لکر دوسری چیز کی علت ہو جایا کرتی ہو اور جب معلول کی حالت میں تبدیلی ہوئی تو اُس کا ابدی ہونا کیونکر لازم آسکتا ہو جہاں تک کہ عقل انسانی کام دیتی ہے صحیح یہی ہے جو اسلام آسان اور صاف طور پر ہم کو بتاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ واجب الوجود ہے مع اپنے تمام صفات و کمال کے واحد ہو اور اُسی نے اُس مادہ کو بھی پیدا کیا ہے جس سے دنیا بنی ہے جو تغیرات کہ دنیا کی چیزوں میں اور اُس مادہ میں برابر جاری رہتے ہیں وہی تغیرات ہر عالم و جاہل کو اس بات کے یقین کرنے پر کہ دنیا حادث ہو کافی ہیں۔

کہ تو کہ سب کام خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔  
نہیں کوئی حکم ہمارا ایک دفعہ جیسے نظر کرنا آکھ سے  
یہ دن باری باری سے پھرتے ہیں ہم لوگوں کے دماغ میں  
جس دن بدلی جاوے گی زمین سوا اُس میں کہ اور بدلے جائیگے  
آسمان اور روبرو ہونگے سب اللہ کیلئے غالب۔

قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ  
وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ  
يَلْفُكَ الْأَيْتَامُ مِئْدَةٌ لِلنَّاسِ  
يَوْمَ يُبَدِّلُ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ  
وَيَبْرُزُ إِلَيْهِ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

## وحدت فی الصفات

(۱۸) سوال۔ ذات باری تعالیٰ کا حال تو معلوم ہوا صفات باری تعالیٰ کیا

ہیں اور اُن سے کیا مراد ہے اور ان کو ذات باری سے کس قسم کا تعلق ہے۔؟

جواب۔ صفات باری تعالیٰ یہ ہیں قدرت خالقیت۔ وحدت حیات قوت

ارآدہ کلام۔ علم۔ سمع اور بصر وغیرہ غرض تمام صفات کمال اُسین موجود ہیں ان تمام صفات کو صفات ثبوتیہ کہا کرتے ہیں یعنی اُسکی ذات میں یہ صفات ثابت ہیں اور جو چیزیں ان صفات کمال کی مخالف ہیں مثلاً مجبوری مخلوق ہونا مست بے اختیاری جہل گو نگاہرا اندھا ہونا وغیرہ خداے تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور منزہ ہے انکو صفات سلبیہ کہتے ہیں۔ صفات کی دو قسمیں ہیں ایک ذاتی ایک غیر ذاتی۔ ذاتی صفات کی مثال یہ ہے جیسے عرض طول کا ہونا جگہ کو گھیرنا اس قسم کے صفات کو تو ہم خدا کی طرف منسوب نہیں کر سکتے کیونکہ اول تو یہ صفات جسم سے اور مادہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جسم و مادہ خدا کا بنایا ہوا ہے لیسَ کِمِثْلِهِ شَیْءٌ اُسکے مثل کوئی چیز نہیں۔ دوسرے یہ کہ خدا کا ہونا تو ہم پر ہر طرح ثابت ہے مگر اُسکے وجود کی ماہیت کو ہم مطلق جان نہیں سکتے پس جس چیز کی ماہیت ہم کو معلوم نہو اُس چیز سے کسی ایسی صفت کو (جو چیز کی ماہیت جاننے پر موقوف ہو) ہم کیونکر منسوب کر سکتے ہیں دوسری قسم صفات غیر ذاتی ہیں یعنی ذات سے علیحدہ۔ ایسے صفات کو بھی ہم خدا سے منسوب نہیں کر سکتے کیونکہ اگر وہ صفات خدا کی ذات سے جدا ہونگے تو وہ بھی آپ ہی آپ قائم ہونگے اسطرح پر بہت سے واجب الوجودوں کا ہونا لازم آئے گا جو بدایتاً غلط ہے۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا أَلَا تَرَىٰ أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا فِيهِنَّ سَاءَ لِمَن يَدْعُوهُنَّ لَا يَرْجُونَ عِندَهُنَّ ثَوْدَةً وَلَا لِهِنَّ عِلْمٌ لِّمَا يَدْعُوهُنَّ لَئِنْ دَعَوْهُنَّ لَا يَسْتَجِيبُنَّ لَهُنَّ وَهِنَّ كَانَتُنَّ لَا يَذَّكَّرْنَ لَهُنَّ قَدْ فُتِنَ الْأُولَىٰ أُولَٰئِكَ لَئِيْزَاتٌ يَّغْوِيْنَ عَنِ السَّبِيلِ أُولَٰئِكَ لَئِيْزَاتٌ يَّغْوِيْنَ عَنِ السَّبِيلِ أُولَٰئِكَ لَئِيْزَاتٌ يَّغْوِيْنَ عَنِ السَّبِيلِ

ہو جاتا کیونکہ اگر وہ دونوں ہر امر میں متفق رہے ہوتے تو انہیں سے ایک کا وجود بالکل فضول ہوتا اور اگر مختلف رہا ہوتے تو نظام عالم میں ایک عام ابتری پیدا ہو جاتی بہر حال ان دونوں قسم کے صفات کو تو ہم خدا سے منسوب نہیں کر سکتے البتہ آثارِ عالم پر نظر کر کے چونکہ بہت سے صفات کے ظہور کا اُس موصوف سے صادر ہونا بہکوصاف طور پر معلوم ہوتا ہے اسلئے ہم اُنحائقیں رکھتے ہیں اور اُن صفات کو عین ذات جانتے ہیں مگر اُن صفات کی حقیقت اور ماہیت سے اُسی طرح لاعلم ہیں جس طرح اُسکی ذات کی حقیقت و ماہیت سے ہم ناواقف ہیں مثلاً ہم اُسکو قادر مطلق کہتے ہیں مگر ہم اُسکی حقیقت بالکل نہیں جانتے کیونکہ ہم اپنی زبان میں قادر اُسکو کہتے ہیں جو کسی چیز پر قدرت رکھتا ہو اور وہ اُس میں اپنی مرضی کے مطابق جیسا چاہے تصرف کرے لیکن ہم اس دُنیا میں کسی ایک میں بھی ایسی قدرت نہیں پاتے کہ ہر حیثیت سے اور ہر حالت میں وہ ایسا قادر ہو کہ کبھی کسی کام میں اُسکو نا کامیابی کا سامنا ہی نہ ہو ہم خدا کو واحد کہتے ہیں مگر اُسکی وحدت کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں واحد چیزیں تو ہمنے بہت سی دیکھی ہیں مگر کوئی ایسی چیز جو ہر حیثیت سے ایک ہو ہمنے آج تک نہیں دیکھی کیونکہ جتنی چیزیں ہیں وہ بہت سے عنصر و ن سے ملکر یا مادہ کے چھوٹے چھوٹے ذروں سے ترکیب پا کر بنی ہیں ایک کا لفظ ہماری زبان میں دو کے آدھے پر بولتے ہیں جو عدد ہے اور یہ اعداد خود خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور وہ شمار و اعداد سے پاک ہر ہم اُسکو واحد

صرف اس غرض سے کہتے ہیں کہ کوئی دوسرا اُسکا شریک نہیں ہم اُسکو ہی کہتے ہیں  
یعنی زندہ مگر اُسکی زندگی کی حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں کیونکہ ہماری زبان میں زندہ  
اُسکو کہتے ہیں جو پیدا ہوتا بڑھتا ہنستا بولتا اور چلتا پھرتا ہو سانس آتی جاتی ہو ایسی  
زندگی سے جسکو ہم زندگی جانتے ہیں خداوند تعالیٰ پاک و برتر ہے ہم اُسکو زندہ  
صرف اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنی ذات سے آپ قائم ہے ہم خدا کو مرید کہتے ہیں  
یعنی اپنے ارادہ سے کام کرنے والا مگر ہم اُسکے ارادے سے محض بے خبر ہیں کیونکہ  
ہم تو ارادہ اُس کیفیت کو کہتے ہیں جو ہماری خواہشوں کے پورا کرنے کو اور فائدہ  
حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کو ہمارے خیالات سے پیدا ہوتی ہو ہم خدا کو  
علم کہتے ہیں یعنی علم والا مگر اُسکے علم کی حقیقت ہم کو مطلق معلوم نہیں ہم تو علم اُس  
کیفیت کا نام رکھتے ہیں جس سے ہم کو اپنی خارجی اور ذہنی چیزوں کا انکشاف  
ہوا کرتا ہو جب تک پہلے سے کوئی معلوم یعنی چیز موجود نہ ہو کہو کیونکہ اُس کا علم ہو سکتا ہو ہم خدا کو کلیم  
کہتے ہیں یعنی کلام کرنے والا مگر اُسکے کلام کی ماہیت کا ہم کو کچھ علم نہیں کیونکہ جسکو ہم کلام کہتے  
ہیں وہ تو زبان سے جو ایک پارہ گوشت ہو علاقہ رکھتا ہو اور حرف و آواز سے مرکب ہو  
ہم خدا کو سمیع و بصیر کہتے ہیں یعنی سننے والا اور دیکھنے والا مگر اُسکی سمع اور بصر کی حقیقت  
سے ہم بالکل آگاہ نہیں ہم تو سماعت اُس کیفیت کو کہتے ہیں جو کان کے پردے میں ہوا کے  
لکڑانے اور آواز کے منتقل ہونے سے پیدا ہوتی ہو اس طرح بصارت اُس روشنی کو کہتے ہیں جو آنکھ  
کے نقیبہ میں بہت سے پردوں کے اندر ہوتی ہو اور جو چیزیں کہ اُسکے سامنے آتی ہیں

اُنکا عکس اُسکے ذریعے سے ہمارے قواے دماغ کے ادراک پر جم جاتا ہے اصل یہ ہو کہ انسان کے علمی ذریعوں میں سے ایک سمع اور بصر بھی ہے اور ان دو صفتوں سے علم کے کامل ہونے کا خیال دلو نہیں پیدا ہوتا ہے اس لیے سمع و بصر کو جدا گانہ بطور دو صفتوں کے ذکر کیا گیا ہے بہر حال یہ تمام صفات کمال جنکے نتیجوں کا آثارِ عالم اور موجوداتِ کائنات کے ملاحظہ سے پتہ لگتا ہے اور جن لفظوں اور ناموں سے انسان اُن صفات کو اپنی زبان میں بولتا ہے اور سمجھتا ہے اُنھیں لفظوں اور ناموں سے صفات باری تعالیٰ کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

کوئی معبود نہیں مگر اللہ زندہ ہو قائم رہنے والا  
ہمیں آتی اُسکو اولاد نہ نہند سب کو جو کچھ آسمانوں پر اور  
زمین پر نہیں شفاعت کر سکتا کوئی شخص بغیر اُسکے حکم کے  
وہ جانتا ہو جو اُنکے آگے ہو اور جو اُنکے پیچھے ہے نہیں  
گھیر سکتی کوئی چیز اُسکے علم کو مگر جو کچھ وہ چاہے گھیر لیا  
اُسکی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اور زمین اُنکی  
نگہبانی اُن دونوں کی اور وہ ہی ہر سب پر امر تبارک والا۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ  
لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لِّمَنَ فِي السَّمَوَاتِ  
وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ  
إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ  
وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ  
وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَ  
لَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں۔

پہلا زینہ دین اسلام کا خدا کو جانتا ہو پھر اُسکی  
وصدت اور اُسکے واجب الوجود ہونے پر یقین کرنا

أَوَّلُ الدِّينِ مَعْرِفَتُهُ وَكَمَالُ مَعْرِفَتِهِ  
التَّصَدِّيقُ بِهِ وَكَمَالُ التَّصَدِّيقِ بِهِ



تَوْحِيدُهُ وَكَمَالُ تَوْحِيدِهِ الْإِخْلَاصُ | پھر اُسکے ساتھ خلوص پیدا کرنا ہی اور خلوص کمال  
لَهُ نَفْخُ الصِّفَاتِ عَنْهُ | ذات باری سے صفات کا نفی کرنا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ انسان جب اُسکے موجود ہونے پر یقین کرتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ وہ  
کیسا بڑا دانشمند کمال والا حکیم ہے جسے اس دُنیا کو ایسے دلکش اور عجیب و غریب طرز  
پر پیدا کیا ہے اور جسے انسان کو طرح طرح کی نعمتیں اور بے نظیر حکمتیں عطا کی ہیں تو  
اُس کو خدا کے ساتھ محبت اور محبت کے ساتھ اخلاص پیدا ہوتا جاتا ہے پھر جس قدر  
انسان کی معلومات میں ترقی ہوتی جاتی ہے اور قدرت کے بھید کھلتے جاتے ہیں  
اُسے قدر وہ اخلاص بڑھتا جاتا ہے اور انسان اُن قدرت کے بھید وں کو سوچ  
سمجھ کر خداوند تعالیٰ کو تمام صفات کمال کا جامع قرار دیتا ہے اور یقین کرتا ہے  
لیکن جب وقت انسان اس حد سے آگے قدم بڑھاتا ہے اور اخلاص درجہ کمال پر  
پہنچتا ہے تو وہ خیال کرتا ہے کہ جن صفات کمال کا جامع میں نے خداوند تعالیٰ  
کو قرار دیا ہے بلاشبہ وہ سب صفات کمال اُس میں موجود ہیں مگر میں نے جو اُن  
صفات کی حقیقت سمجھی ہے وہ تو وہی ہے جو میں نے انسانوں میں اور اس عالم  
کائنات کی موجودات میں دیکھی ہے ایسے صفات تو اُس واجب الوجود میں نہیں  
سکتے اسی لیے وہ ایسے صفات کی ذات باری تعالیٰ سے نفی کرتا ہے۔

تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا | بڑے خدا اُس چیز سے جو کہتے ہیں کہ وہ بڑے بہت اور عظیم تر والا ہے  
غرض خداوند تعالیٰ جامع جمیع صفات کمال ہے ہم اُن صفات کی ماہیت کو نہیں جانتے

ان صفات کمال میں وہ اکیلا ہے جس طرح اپنی ذات میں نہ کوئی اسکا شریک ہو  
ذات میں نہ اسکی صفات میں۔

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ افْتَرٰى ثَمًا عَظِيْمًا  
اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ  
لَنْ يَخْلُقُوْا ذَبَابًا وَّ لَا يَجْعَلُوْا لَهُ وَا  
اِنْ يَسْئَلُوْهُمْ الذَّبَابُ شَيْعًا لَا  
يَسْتَجِذُوْهُ مِنْهُ صَعَقَ الطَّالِبُ الْمَطْلُوْبُ

جسے خدا کا شریک ٹھہرایا کسی چیز میں اُسے باندھا  
ایک تہان اور گناہ۔ خدا کے سوا جگہ تو م پوجتے ہو وہ  
تو ایک کھی بھی نہیں بنا سکتے اگر سب ملکر کوشش کریں  
اور اگر چھین لے اُسے کھی کوئی چیز تو وہ اُسکو بھی چٹرا  
نہیں کئے پس رہجاتے ہیں عاجز و دونوں۔

یہ مسئلہ خداے تعالیٰ کی وحدت فی الصفات کا خدے تعالیٰ کی وحدت فی الذات  
کے پہلے مسئلہ سے زیادہ باریک اور مشکل اور ترقی کیا ہوا مسئلہ ہے جسکو اس وضاحت  
وصفائی کے ساتھ سوائے مذہب اسلام کے اور کسی مذہب نے نہیں بتایا۔

## وحدت فی العبادت

سوال۔ وحدت فی العبادت سے کیا مراد ہے اور اسکی نسبت اسلام نے کیا حکم دیا ہے؟  
جواب۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ جس طرح خداوند تعالیٰ اپنی ذات میں تنہا اور بمشیل و  
مثال ہے اور اپنے جمیع صفات کمال میں یکہ و تنہا ہے کوئی اسکا شریک نہیں اسے  
وہ اپنی معبودیت میں بھی تنہا اور واحد ہے بجز اُس ذات پاک کے کوئی دوسرا  
لائیق عبادت نہیں جو افعال اور ارکان عبادت خدا کے لیے مخصوص ہیں انکو دوسرے

لوگوں کے ساتھ بجالانا اور دوسری چیزوں کے سامنے ادا کرنا کفر ہے۔

پس عبادت کرو خدا کی خالص نیت کے ساتھ اور آگاہ  
ربو عبادت خالص خدا ہی کے لیے زیبا ہے۔

خاص تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں خاص تجھی ہم دہاتے ہیں  
ہمیں حکم کیے گئے لوگ مگر یہ کہ عبادت کریں وہ  
خالص عبادت خدا کی مثل ابراہیم کے ایک طرف کے ہو کر۔

فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۚ إِنَّ اللَّهَ  
الدِّينَ الْخَالِصَ

إِنَّكَ تَعْبُدُ وَإِيَّاكَ كَسْتَعْبُدُ  
وَمَا أَصْرُهُ إِلَّا لِيَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصِينَ  
لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ

اس وحدت کے حصے کی تسلیم اوسط درجے کے طور پر مذہب یہود نے  
لوگوں کو دی تھی جو نجات کے لیے تو کافی تھی لیکن کمال کے اعتبار  
سے بالکل ناقص اور غیر کامل تھی یہ وہی درجہ کمال ہے جو محمد رسول اللہ صلم  
سے پیشتر کسی نے نہیں بتایا تھا اُس درجہ تک کسی کا خیال گیا تھا۔ یہ تینوں حدتین  
جسطرح تمام مراتب توحید کو شامل ہیں اُسی طرح ان تینوں وحدتوں نے انحصار عقلی  
کر لیا ہے اب اسے بڑھ کر کوئی نیا اصول عقل انسانی پیدا ہی نہیں کر سکتی اسی  
اتمام حجت اور کمال وحدانیت کی خدے تعالیٰ نے خبر دی ہے جہاں فرمایا ہے۔

آج ہم نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتوں کو  
تم پر تمام کر دیا اور پسند کیا ہم نے تمہارا دین اسلام۔

دگر تیغ ہندی نہی بر سرش  
ہمیں ست بنیاد توحید و بس

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ  
نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

موجودہ درپائے ریزے زرش  
امید و ہراسش نہ باشد ز کس

**سوال**۔ اسلام نے توحید باری اور اُس کے استحقاق عبادت کی جس باریک بینی اور نکتہ بخشی سے تشریح کی ہے سچ یہ ہو کہ وہ ہمیشہ اس طرح عقل و فطرت کے مطابق جس خوبی سے منصب رسالت و نبوت کا ثبوت دیا ہو اُس کے ماننے میں بھی کسی سمجھدار آدمی کو تامل نہیں ہو سکتا، لیکن با اینہم جو بات کہ دل کو تعجب و حیرت میں ڈالتی ہے اور بظاہر اسلام جیسے توحیدی اور طبعی مذہب کی شان سے بعید معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے کلمہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو شامل کر کے اقرار رسالت کو اقرار ذاتِ باری کا ہم پلہ کیوں بنا دیا اور ایمان و نجات کا مدار اُس پر کیوں ٹھہرایا کیا عقل سلیم اس کو قبول کر سکتی ہے کہ کوئی شخص ذاتِ باری پر دل سے یقین رکھتا ہو اور پکا موحد ہو مگر وہ صرف اس وجہ سے کہ محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت کا مقرر اُس کا متبع نہیں ہے ایمان سے بالکل معرّا سمجھا جائے اور نجات کا مستحق نہ ٹھہرے حالانکہ تمام انبیاء کی بعثت اور اس شخصیت صلعم کے ظہور سے اصلی غرض یہ ہی تعلیم وحدت اور ذاتِ باری پر ایمان لانا ہے دگر پتہچ۔

**جواب**۔ اس سوال میں غور طلب دو باتیں ہیں ایک تو متابعت رسول کا جزو ایمان ہونا دوسری بات نجات کا اُس پر موقوف ہونا پہلی بات یعنی پیروی رسول کا جزو ایمان ہونا کوئی ایسی بات نہیں ہے جو عقل و فطرت کے خلاف ہو یا جس کے قبول کرنے میں کسی سمجھدار آدمی کو کچھ تامل ہو سکے۔ اسلام دوسرے اہل مذہب

کی طرح خلاف عقل و فطرت خوارق عادات وغیرہ کو پیش کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو دنیا سے تسلیم کرانا نہیں چاہتا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت پر ایمان لانے کے لیے کسی خلاف عقل و فطرت دلیل کو حجت ٹھہرایا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

قُلْ خَاتَمُ الْبَشَرِ عِنْدَ اللَّهِ هَاقًا  
 اِهْدِي مِنْهُمْ أَلْفَةً إِنَّ كُتُبَكُمْ  
 صَادِقِينَ۔

(ای غیبران لوگوں سے) کہو کہ اگر (قرآن) تو رُکھ تو ان کتاب میں بھیجی ہے  
 اور تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو تو خدا کے ان کئی اور کتاب  
 لے آؤ جو ان نوٹس یا دستاویز میں بہتر ہوں گی یہ بڑی کریموں (موجود) ہوں

بلکہ برخلاف تمام مذہبوں کے مذہب اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں عقل و فطرت کے مطابق خود اُس مقدس ذات کو بطور اتمام حجت پیش کرتا ہے اور آنحضرت کے واجب الاتباع ہونے کے ثبوت میں اُس پاک نورانی کتاب کو تمام دنیا کے لیے رہبان قاطع ٹھہراتا ہے جو بطور ایک زندہ اور ابدی معجزہ کے خدا کا بھیجا ہوا سچا رسول اپنے ساتھ لایا۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ  
 يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ مَرصُومًا مَتَّعًا  
 سُبُلَ السَّلَامِ يَخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى  
 النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيُهُمْ إِلَى صِرَاطٍ  
 مُسْتَقِيمٍ۔

اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور (ہدایت) اور قرآن آچکا ہے  
 (جسے حکام) متارو صریح بین جو کوئی اس کی رضا مندی کی طلب کیا  
 ہیں ان کو اللہ قرآن کے ذریعے سلامتی کے رستے دکھاتا ہے اور  
 اپنے فضل (اور کرم) ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی  
 میں لاتا اور ان کو راہ راست دکھاتا ہے۔

اگلے انبیاء کے معجزہ و نشانہ لاٹھی کے سانپ ہو جانے اور مرد و نسا زندہ کر دینے کا تو

ایک آدمی یہ کہہ کر بخار کر سکتا ہے کہ ہزاروں برس کی خبر کا کیا اعتبار خدا جانے سچ ہے کہ جھوٹ یا یہ کہ فطرت الہی کے خلاف ہونا ناممکن ہو لیکن قرآن مجید کے وجود سے جو ایک زندہ اور ابدی معجزہ ہے اور تیرہ سو برس سے آنکھوں کے سامنے ہوا اور ہمیشہ رہیگا کبھی کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا اسی طرح آنحضرت صلعم کی مبارک زندگی جو خود آپ کے منصب رسالت اور واجب الاتباع ہونے کی ایک ایسی پادار اور تین شہادت ہو جسکو کوئی شخص صفحہ دنیا سے محو نہیں کر سکتا جب کوئی شخص بلا تعصب آنحضرت صلعم کی مبارک لائف پڑھے گا اور آپ کی زندگی کے روزانہ واقعات پر بغور نظر ڈالے گا تو وہ آپ کے مؤمنان اللہ اور واجب الاتباع ہونے سے کبھی منکر نہیں ہو سکتا سب سے پہلے اُس کا خیال اُس زمانہ کی طرف رجوع ہو گا جس زمانہ میں کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا اُس وقت وہ دیکھے گا کہ ساری دنیا پر ایک عام تاریکی چھائی ہوئی ہے روم و فارس جیسی عظیم الشان سلطنتیں طرح طرح کے مظالم اور قسم قسم کے دینی و دنیوی مفاسد کی مرجع اور منبع بنی ہوئی ہیں پھر اُسکی نظر عرب کی سرزمین پر جائے گی۔ جسکی خاک پاک سے خدا کا بھیجا ہوا رسول پیدا ہوا وہ دیکھے گا کہ عرب ایک ایسا ریگستانی اور خشک ملک ہو جہاں نہچرنے کوئی ایسا سامان ہی نہیں پیدا کیا جس سے انسانی خیالات کی ترقی میں کچھ مدد مل سکے۔

لوؤں کی لپٹ باد صرصر کے طوفان  
کھجوروں کے جُھنڈ اور خارِ مغیلان

زمین سنگلاخ اور ہوا آتش افشان  
سراب اور ٹیلے پہاڑ اور بیابان

نہ کھیتوں میں غلہ نہ جنگل میں کھیتی | | عرب اور کل کائنات اُسکی یہ تھی  
 جو قوم اُسین آباد ہے وہ ایسی خانہ بدوش قوم ہے جو بہت سے قبیلوں میں منقسم ہے  
 اور طرح طرح کی سیاہ کاریوں اور بُت پرستیوں میں مبتلا ہے جیسا بنجر ویران ملک  
 ویسے ہی اُسکے باشندے دل اُنکے ایسے سخت جیسے پتھر کی چٹانیں مزاج اُنکے  
 ایسے گرم جیسے بادِ سموم تند خوئی میں آتش سوزان جنگجوی میں شیر نستان شرک و کفر  
 وہم و ضلالت سے معمور محبت و اتفاق سے ہزاروں کوس دورِ بخاری و قماربازی  
 میں مشہور خونریزی و غارتگری میں سفاک حرام کاری و بیحیائی میں میاں بُت پرستوں  
 سے سارا ملک بھرا ہوا ہے اور بُت پرستی آتش پرستی اور کواکب پرستی وغیرہ کا  
 سارے عرب میں چرچا ہے خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت رکھے ہیں جن میں حضرت مریمؑ  
 اور حضرت عیسیٰؑ کی بھی مورتیں شامل ہیں ہر ایک قبیلہ کا معبود علیحدہ اور اُنکا سردار  
 قبیلہ جدا ہے جسکو شیخ کہتے ہیں اور ان سب شیوخ پر ایک شیخ قوم بظاہر حکمران ہے  
 جسکی راے پر اکثر جنگ و صلح کے فیصلے عمل میں آتے ہیں مگر وزمرہ کے معاملات  
 میں ہر شخص خود مختار ہے نہ کوئی اُنہیں ضابطہ ہے نہ قانون لڑکیوں کو اسیلے زندہ  
 دفن کر دیا جاتا ہے کہ اُنکو ساتھ کھانا کھلانا نہ پڑے شگون اور ٹوٹکوں پر مدار عمل ہو  
 چند مخصوص اوصاف جن پر اُس قوم کو بُرا ناز ہے وہ دلیری جفاکشی عزت نفس  
 اور آزادی ہے جو عرب کا خاص ترکہ سمجھا جاتا ہے اُنکے نزدیک کسی خاص  
 مقام پر مسکن بنانا گویا غلامی کا طوق گلے میں پہننا ہے اسی طرح کوئی جائیداد غیر منقولہ

پیدا کرنا گویا آزادی کو فروخت کر ڈالنا ہے عرب کا مشہور قول ہے۔

اذا كنت في غير قومك فلا تنس نصيبك من الدل | جب تو کسی غیر قوم کا ہمسایہ ہو تو ذلت کو نہ بھول۔

اسی طرح اُنکے نزدیک جو علوم سرمایہ نازین وہ یہ ہیں۔ زبان دانی شعر و شاعری علم الانساب علم ایام العرب آزادی کے جوش اور رگ و ریشہ کی مضبوطی نے اُنکو خانہ جنگیوں کا دلدادہ بنا رکھا ہے ورنہ اسی بات پر برسوں نسل و نسل لڑائی جاری رہنا ایک معمولی بات ہو کر تغلب میں بارہ برس جنگ قائم رہی اسی طرح اوس و خرنج کی مشہور جنگ جسکا نام حرب بعاث ہو آنحضرت صلعم کے زمانہ ظہور تک جاری رہی فصاحت و زبان دانی اور شعر و شاعری کے بڑھے ہوئے ذوق و شوق نے اُنکے دماغ کو ملالے پر پہنچا دیا ہے وہ اپنے مقابل میں ساری دُنیا کو عجم کے نام سے پکارتے ہیں یعنی گونگا بازار عکاظ شعر کا ذنگل ہے اور خانہ کعبہ کا در اُنکے فخر و مباہات کا انتہائی مقام جسکا کلام باعتبار فصاحت و بلاغت اعلیٰ درجے کا مسلم مانا جاتا ہے وہ در کعبہ پر آویزاں کیا جاتا ہے غرض جبروت نظر جاتی ہے خود پرستی اور تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے ناگمان خداے تعالیٰ کا جوش رحمت اس گمراہ قوم کی سیاہ کاریوں اور عام اقوام دُنیا کی تباہ کاریوں پر غالب آتا ہے اور ایک یتیم بن باپ کا بچہ جس نے کبھی اپنی مان کے کنار عاطفت کا مزہ چکھا نہ باپ کی محبت و تربیت کا لطف اٹھایا نہ تمدنی دُنیا کے طور و طریقوں سے واقف ہوا



نہ کسی کتب و دارالعلوم میں اُسے اساتذہ فن کے سامنے زانوے ادب نہ کیا اور جب سن تیز کو پہنچا تو سوائے چند ادنیٰ چرانے والوں کے غول کے جو آپس کے کشت و خون میں شب و روز مصروف ہیں اور کچھ نہ دیکھا اور نہ بجزلات و منات نامہ و عزائے وغیرہ بتوں کی پکار کے کوئی دوسری آواز اُسکے کان پر پڑی مگر جب بولا تو یہی بولا۔

افراستم اللات والعزى ومنات	(مشرکوں بھلاتے اللات و عزتی اور وہ جو ایک تیسری
الثالثة الاخرى الکمر الذکر	(دیوی) اور ہر منات ان (تو تکیہ حال) پر بھی نظر کی کہ نہیں
وله الاُنثیٰ تلک اذا هممت	کچھ بھی قدرت ہی (کیون جی) کیا تم لوگوں کے لیے نبی اور خدائے
ضیضی -	بیٹیاں! اگر ایسا ہو تو یہ بڑی ہی نامنصفانہ تقسیم ہے۔

اور سمجھا تو یہی سمجھا کہ اے میری قوم اور تمام دنیا کس گمراہی اور تباہی میں مبتلا ہے۔

ظہر الفساد فی البر والبحر تمام جزیرین مناد بچیل چکے ہے۔

یہی یتیم بچہ خدا کا پیغمبر اور عالم فطرت کا راز دار بنکر خدا کا پیام مخلوق کے پاس لیکر آیا اور بچپن سے امین العرب کے ہر دلعزیز خطاب سے مخاطب ہوا اُسے اپنی گمراہ قوم اور تمام بنی نوع انسان کو ایک پُر زور آواز کے ساتھ خطاب کر کے کہا کہ اے لوگوں! ان معبودان باطل کی پرستش سے جنکو خود تنہا یہ منصب دے رکھا ہے منھ موڑو۔

ما هذه التمثال التي انتم	(یہ) مورتیں جن (نئی پرستش) پر تم جیسے بیٹھے ہو
لها عاكفون -	یہ ہیں کیا چسپز۔

اور جن بدکردار لوگوں کو تنے قابل ادب و احترام سمجھ رکھا ہے انکی غلامی کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکو۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ | اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار ہو جو قبیلہ بندی تنے کر رکھی ہے وہ خلاف اصول فطرت ہے۔

المخلوق عیال اللہ | مخلوق خدا کی عیال ہے۔

تم سب ایک روحانی خدا کے ساتھ ایک رشتہ رکھتے ہو۔ اور تم میں جو ایمان والے ہیں وہ سب آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

کلّ مومن اخوۃ | تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

آپس میں یہ اخوت اسلامی تمہارے ایمان کا ایک جزو اعظم ہے۔

لا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی تَوْمِنُوْا | تم جنت میں داخل نہو گے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ اور لا تَوْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا | تم ایمان نہو گے جب تک کہ آپس میں محبت نہ رکھو۔

رسوم آبائی کی اندھا دھند ری تقلید سے بچو۔

او لَوْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ اَوْ اَبْنَاؤُكُمْ اَوْ اَزْوَاجُكُمْ یُعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَعْتَدُوْنَ۔ | بھلا اگر انکے باپ دادے کچھ بھی نہ سمجھتے اور نہ راہ راست پر چلتے رہے ہوں تو بھی (وہ انہیں کی پیروی کیے چلے جائینگے)

تو ہمت کی سیاہی دل سے دھو ڈالو۔

اِنَّ الظَّنَّ لَا یغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا | اٹل کا حال یہ ہو کہ وہ تو حق (بات) کے سامنے کچھ بکا رہتا نہیں آ ظلم و زیادتی سے دور ہو۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ | اللہ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو۔

ہاتھ پائوں توڑ کر بیٹھنے کو نیکی اور عبادت نہ سمجھو۔ وَرُءُوبَايَةَ يَتَدَعُوَهَا مَآكِبًا تَهَاوَىٰ

اور دنیا کا چھوڑ بیٹھنا جسکو انھوں نے از خود ایجاد کیا تھا ہے اُپر وہ فرض نہیں کیا تھا۔ یہ سب تمھارے اپنے ایجاد کیے ہوئے خیالات ہیں جنکو غلطی سے تم نے دین و مذہب بنا رکھا ہے۔

اوھن البیوت بنیت العنکبوت | گھر وغیرہ بودے سے بودا کمزری کا گھر ہے۔

دنیا میں اگر کوئی سچا دین و مذہب ہو سکتا ہے تو وہ صرف فطرت اُسی ہے جیسا کہ تمھارے خدا نے فرمایا۔

فطرۃ اللہ الّتی فطر الناس علیہا لا تبدل فی اللہ | خدا کی فطر جو خیر نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اُس میں تغیر و تبدل نہیں۔

فطرت اُسی کے قوانین میں کبھی رو و بدل نہیں ہو سکتا۔

لن تجد لیسۃ اللہ تبدیلا | خدا کی سنت میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔

اِس لیے ہر انسان پر لازم ہو کہ وہ تمام کائنات اور اُس کے قوانین طبعی پر غور و خوض کرنے کی عادت ڈالے۔

تفکروا فی خلق السموات | غور و فکر کیا کرو خدا کے پیدا کیے ہوئے آسمانوں

والارض | اور زمین میں۔

اور سُن رکھو کہ اگر دُنیا میں کوئی شے قابل پرستش ہو تو وہ صرف ایک ذات ہو جسکا

ماننا ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

کل مولود یولد علی الفطرۃ | جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔

اُسکا یقین دلون کے پردون اور خیالون کی تنون مین ہر وقت چھپا ہوا ہے گو وہ اپنی ذات سے پوشیدہ ہو اور کسی جو اس کے ذریعے سے محسوس نہیں ہو سکتا۔

کلیدار کے الہ بصر | اُسکو آنکھیں دریافت نہیں کر سکتیں۔

مگر اپنے آثار و صفات کے اعتبار سے ظاہر ہے۔

اللہ نور السموات والارض | اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔

لیس کملہ شئی | اُسکے مثل کوئی شے نہیں۔

یاد رکھو کہ تمام عالم کائنات اور جو کچھ اُس مین نباتات جمادات حیوانات مین سب خدا کی عبادت مین لگے ہوئے مین یعنی جس غرض کے لئے وہ بنائے گئے مین اُس غرض کو وہ پورا کرتے مین۔

یسبحہ للہ ما فی السموات وما فی الارض | خدا کی پاکی بیان کرتے مین جو کچھ آسمانوں

والشمس والقمر یسجدان | مین ہے اور جو کچھ زمین مین ہے۔

ابرو بادومہ وغر شید و فلکے کارند | اتانوں نے بکف آری و بغفلت نہ غوری

اسی طرح انسان کا بھی فرض منصبی یہی ہے کہ وہ اپنی روح کو خدائے واحد کے

نور یقین سے جو فطرت نے اُسکے دلمین امانت رکھا ہے روشن کرے۔

قل هو اللہ احد | کہو وہی اللہ ایک ہے۔

اور اپنے اقوائے ظاہری و باطنی کو جس خاص غرض و مقصد کے لئے وہ انسان کو

فطرت سے ملے مین اُنکو اُس مقصد اور غرض کی تکمیل مین لگائے رکھے۔

اور بچے جنون اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ ہماری عبادت کریں۔

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون -

یہی اصلی عبادت ہو اور نماز و ذکر الہی وغیرہ چونکہ اس اصلی عبادت کی بقا و حفاظت کی ظاہری صورتیں ہیں لہذا وہ بھی مثل اصلی عبادت کے فرائض انسانی میں داخل ہیں بنی الاسلام علی خمس | اسلام کی بنیاد پنج چیزوں پر رکھی گئی ہے۔

ان فطری فرائض کے ادا کرنے میں اور انسانیت میں ہم تم دونوں برابر ہیں ایک کو دوسرے پر کوئی برتری نہیں فرق ہے تو صرف اس قدر کہ میں مثل تمہارے ایک انسان بھی ہوں اور خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر بھی۔

میں (بھی تو) تم جیسا ایک بشر ہی ہوں (مجھ میں تم میں صرف اتنا فرق ہو کہ میرا پاس (خدا کی طرف سے) یہ وحی آتی ہو کہ تمہارا معبود وہی (کیلا) ایک معبود ہو۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ  
يُوحِي اِلَيَّ اِنَّمَا الْاِلَهُ  
الْحَمْدُ وَاحِدٌ

پس تم سب پر فرض ہے کہ اپنے خدا کی اطاعت پر صدق دلی کے ساتھ کمر بستہ رہو اور چونکہ میں اُسی خدا کے احکام پہنچانے پر مامور ہوں اس لیے میری اطاعت سے سرتابی نہ کرو۔  
يا ايُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اطِيعُوا اللّٰهَ  
وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ -

غرض اس سچی پُر تاثیر خدائی آواز نے تمام قوم کو غفلت کی گہری نیند سے جگایا اور اُنکے مردہ دلوں میں ایک نئی روح پھونک دی اور ساری دُنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا

گویا بالکل کایا پلٹ دی جو دل شرک و کفر کے میل کچیل سے گندے ہو رہے تھے وہ  
 توحید کے بارانِ رحمت سے دھل دھلا کر ایسے پاک و صاف ہو گئے جیسے سفید اجلا کپڑا  
 جو خیالاتِ اوہام پرستی کی بدولت طرح طرح کے گناہوں اور بد اعمالیوں سے تیرہ و تار  
 ہو گئے تھے وہ نورِ فطرت کی صیقل سے جلا پا کر کندن کی طرح جگمگا اٹھے جو طبعیتِ جاہلیت  
 کے جوش میں تعصب و غرورِ نفاق و کینہ و رشاک و حسد کی سیاریوں میں مبتلا ہو کر بسترِ  
 مرگ پر پڑی کراہ رہی تھیں وہ نسخہٴ اخوتِ اسلامی اور اتحادِ ایمانی سے شفا یاب ہو کر  
 زبردست و طاقتور ہو گئیں اور انھوں نے ایک نئی زندگی میں قدم رکھا۔ اللہ اللہ یہ  
 ایک تیمِ نچے کی پکار تھی یا روح القدس کی آواز جس نے دفعتاً واحدۃً دُنیا کا قلبِ ماہیت  
 کر دیا یہ ایک اُمّی شخص کا کلام تھا یا صورا سرافیل جس نے عرب و عجم کا تختہ اُلٹ دیا  
 اور تمام کرۂ ارض میں زلزلہ ڈال دیا ہزاروں برس کے مرنے جی اٹھے بڑے بڑے کُش  
 منکروں کی گردنیں جلالِ خداوندی کے سامنے خم ہو گئیں سیکڑوں راہِ راست سے  
 بھٹکے ہوئے منزلِ مقصود پر پہنچ گئے مشرک موحّد ہو گئے وحشی مزاج لوگ تہذیب و  
 شائستگی کے بانی اور نئی تمدن کے موجد بن گئے جاہل عالم اور نادان حکیم ہو گئے  
 زہد و پرہیزگاری نیکی و پاکبازی حقِ نبوی و حقِ پرستی اُن کا شعارِ قومی ہو گئی زمانہٴ جاہلیت  
 کی ریسینِ بیخ و بُن سے اکٹھ گئیں خاندانی نزاعیں اور پشتینی عداوتیں میل ملاپ اور  
 سچی محبتوں سے بدل گئیں روحانی اور اخلاقی بُرائیاں دلوں سے ایسی دور ہو گئیں  
 جیسے رات کی تاریکی طلعِ آفتاب سے دل جو سیہ کاریوں کا گھر بن گیا تھا وہ کینہ و

حسد رشک و عداوت ظلم و زیادتی سے ایسا پاک ہو گیا تھا جیسے بتون سے کعبہ دشمن ایسے دوست بن گئے کہ گویا ایک جان و دو قالب میں غیر ایسے یگانے ہو گئے جیسے کوئی قریبی رشتہ دار یہ حیرت انگیز تصرف یہ بے نظیر دلونکی تسخیر یہ تعجب خیز قوم کے حالات کی تبدیلی یہ بے مثل ملکی اخلاق و تمدن کا انقلاب جو آج تک نہ کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ سے وقوع میں آیا نہ کسی بڑے سے بڑے فلاسفہ اور مقنن سے صدور میں آیا بلکہ سچ پوچھو تو آج تک اُسکی مثال انبیاء سابقین میں سے کسی بڑے اولا العزم پیغمبر کے زمانے میں بھی نہیں مل سکتی تو پھر کیا یہ کسی معمولی انسان کا کام تھا نہیں برگزینین ان سب حالات پر مطلع ہونے کے بعد تو ملحد سے ملحد شخص کو بھی دل سے یقین کرنا پڑیگا کہ بیشک ایسا شخص مویہ من اللہ اور واجب الاتباع ہو گا وہ بظاہر اُسکو پیغمبر نہ مانے مگر ایک دانشمند مقنن اور حکیم کے درجے سے اُسکا بلند درجہ مجبوراً اُسکو قبول کرنا پڑیگا اور یہ ظاہر ہے کہ وہ بلند درجہ بجز نبوت و رسالت اور کیا ہو سکتا ہے۔

فَقُولُوا نَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ  
نَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ | پس کہو کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ اور گواہی دیتے ہیں کہ محمد اُسکے بندے اور اُسکے پیغام پہنچانے والے ہیں۔

اب اسلام کی دوسری حجت یعنی قرآن مجید پر غور کر دو جو آنحضرت صلم کے اتباع کے فرض ہونے پر مطابق عقل و فطرت ایک دلیل قاطع ہے جس طرح فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے کوئی انسانی تصنیف و تالیف اُسکا مقابلہ نہیں کر سکتی اُسی طرح

اُسکی روشن ہدایتوں اور پُر مغز حکمتوں کے اعتبار سے دُنیا کی کوئی کتاب راہنمائی میں اُسکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی جس طرح قرآن مجید کے معانی وحی منزل من اللہ ہیں اُسی طرح اُسکا ایک ایک لفظ کلام الہی اور وحی متلو ہے اگر ایک بڑے سے بڑا لحدِ نقشب چھوڑ کر قرآن مجید کو بغور پڑھے اور اُسکی فصاحت و بلاغتِ الفاظ کو سمجھے اور اُسکی پاک ہدیتوں اور پُر مغز حکمتوں میں خووض کرے اور پھر وہ بڑے سے بڑے کسی دانشمند یا کسی حکیم یا کسی فلسفی کی کتاب سے اُسکا مقابلہ کرے اور دیکھے کہ وہ کتاب بلحاظ عبارت اور خوبی مضامین قرآن مجید کی برابری کر سکتی ہے تو لامحالہ اُسکو اقرار کرنا پڑیگا کہ ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتی اُس سے بہتر ہونا تو محال ہے دُنیا میں ہزاروں فاضل ادیب اور قادر الکلام لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اپنی فصاحت و بلاغت اور طلاقت لسانی کا نقش بنی نوع انسان کے دلوں پر بٹھا دیا ہے اور اُنکے غلغلہ شہرت نے ایک عالم کو اپنا معتقد اور شیفتہ بنا رکھا ہے مگر کیا کوئی بتا سکتا ہو کہ سوائے رزم و بزمِ مَح و ذم و صفتِ حُس و جمال اور خط و خال وغیرہ کے خیالی فنانوں کے کسی نے الہامی معارف اور انسان کے دل کو پاک کرنے والی باتیں آج تک اس پر تاثیر اور دلاویز حُسن بیان کے ساتھ دُنیا کے سامنے پیش کی ہیں یا ایسی جامع کامل ہدایتیں جو زمانہ کی روز افزون ترقی کے ساتھ ہمیشہ بنی نوع انسان کی راہنمائی کرتی رہیں اس خوش اسلوبی کے ساتھ آج تک کسی نے بیان کی ہیں نہیں ہرگز نہیں۔



فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار  
التي وقودها الناس والحجارة اعدت  
للكافرين -

پس اگر (آسی بات بھی) نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکے تو  
(دور بخ کی) آگ سے ڈرو جسکے اندھنی آدمی اور چھپرہ بنگ (اور وہ)  
منکروں کے لیے (دہکی دہکائی) تیار ہے -

بڑے بڑے نامور مصنفین میں سے آج تک کوئی شخص ایسا ہوا ہے جس نے باؤز بلند دنیا کو  
مخاطب کر کے اپنے کلام کے بمثل ہونے کا دعویٰ کیا ہو اور پھر ایسے ملک میں جہاں  
تربان آدمی اور فصاحت و بلاغت کا کمال انتہائی درجہ پر پہنچ گیا ہو اور اُسی فن  
کے ہزاروں اہل کمال موجود ہوں اور پھر کوئی دوسرا شخص اُسکے مقابلہ اور معارضہ  
کے لیے کھڑا نہ ہوا ہو نہ میں کبھی نہیں برخلاف قرآن مجید کے جس نے پکار پکار کر لوگوں کو  
اُسکے مثل کلام بنالانے پر مدعیانہ ابھارا -

ان كنتم في ريب مما نزلنا على عبدنا  
فاتوا بسورة من مثله وادعوا  
شهداءكم من دون الله ان كنتم  
صادقين

اور وہ جو جہنے اپنے نبی (محمد) پر (قرآن) اُتانا ہوا اگر تم کو  
اُس میں شک ہو (اور تم سمجھتے ہو کہ یہ کتاب خدا کی نہیں بلکہ  
آدمی کی بنائی ہوئی ہے) اور (اپنے دعوئین) سچے ہو تو ایک  
جیسی ایک سورت (تم بھی بنا) لاؤ اور اس کو اپنا چیلنج کو بھی لاؤ

پھر خود ہی اُس کا قطعی فیصلہ بھی لوگوں کو سُنا دیا -

لئن اجتمعت الانس والجن على  
ان ياتوا بمثل هذا القرآن لاياتون  
بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا

اگر آدمی اور جنات جمع (ہو کر اس بات پر آمادہ) ہوں کہ اس  
قرآن کی طرح کا (اور کلام) بنا لائیں تاہم اس جیسا نہیں  
(بنا) لاسکتے اگرچہ ان میں سے ایک کی پشتی پر ایک (کیون) ہو

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہو کہ ایسی پیش کتاب جو خدا کی طرف سے اور اس پر زور و دعوے کے ساتھ دنیا کے روبرو پیش کی گئی اُسکا پیش کرنے والا کوئی ایک یتیم بچہ جو بچپن سے ایک اجدگمراہ قوم میں رہا اُنھیں وحشیوں میں تربیت پائی اُنھیں جابلوں میں عمر بسر کی جب پھر چالیس برس کی عمر کو پہنچا تو اُس نے خدا کی طرف سے ایک ایسا بمثل والا جواب کلام پیش کیا جسکی شیرینی بیان فصاحت زبان بلاغت معانی دیکھ کر عرب کے تمام فصحا اور بلغا چلا اُٹھے کہ

اِنَّ هَذَا الْاِسْحَاقُ صَبِيْن | یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے۔

اُسکی روشن ہدایتیں اور پر معنی حکمتوں کو پڑھ کر دنیا بول اُٹھی کہ

اِنَّهٗ لَذِكْرٰی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ | بیشک یہ ہدایت اور رحمت ہر واسطے مسلمانوں کے۔

یتیم کے نام کردہ قرآن درست | اکتب خانہ چند ملت بشت

کیا ان سب واقعات کو پڑھ کر اور اُن میں غور کرنے کے بعد بھی کوئی شخص محمد رسول اللہ

صلعم کی متابعت کو خلاف عقل و فطرت کہہ سکتا ہے اور ایسے شخص کو جو قرآن مجید

کے آگے سر خم نہ کرے کامل الایمان یقین کر سکتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں بہر حال

متابعت رسول کے جزو ایمان ہونے میں تو از روئے عقل و فطرت کوئی کلام

نہیں ہو سکتا رہی دوسری بات یعنی نجات کا متابعت رسول پر منحصر ہونا اس پر

قدیم سے لوگ بحث کرتے چلے آئے ہیں۔ اور خلود فی الناس یعنی ہمیشہ ور خ

میں رہنے کے مسئلہ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اصل یہ ہے کہ اس قسم کے تمام

شبہات فطرت انسانی کے مختلف درجات اور ایمان و نجات کی باہمی نسبت اور فرق پر  
 پر غور کرنے سے ولین پیدا ہوتے ہیں حقیقت حال یہ ہے کہ خدا کے ماننے پر تمام آدمی خواہ وحشی ہوں  
 یا شہری جاہل ہوں یا عالم شائستہ ہوں یا ناشائستہ فطرتاً مجبور ہیں اسی کو اصطلاح میں سطح  
 تعبیر کیا کرتے ہیں کہ خدا نے تمام جن و انس کو اس بات پر مکلف کیا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ  
 پر ایمان لائیں مشرک سے مشرک اور ملحد سے ملحد لوگ بھی اُس ذات واحدیچون و یحیون کا اقرار  
 کرتے ہیں مثلاً اگر اُن سے یہ پوچھا جائے کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو بے اختیار کہہ اٹھیں گے  
 کہ اللہ نے خصوصاً خوف و حاجت کی وقت اُس ذات واحد کا اقرار اور بھی علانیہ طور پر اُن سے  
 ظہور میں آتا ہے جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے۔

وَإِذْ أَمَرْنَا نِسَانَ آدَمَ أَنْ سَبِّحْ لِلَّهِ مَا كَانَ يُدْعَوُا إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ ۖ وَكَانَ أَجْمَعًا ۚ  
 اور جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کی طرف  
 رجوع ہو کر شکوہ کرتا ہے پھر خدا اپنی طرف سے شکوہ کو نعمت عطا فرماتا  
 ہے تو جس (طلب) کیلئے اپنے پہلے (خدا کو) پکارا تھا شکوہ جلا دیتا ہے۔  
 پس یہ اقرار وحدانیت سوقت تک بالکل فہم اور غیر کافی ہے جب تک کہ ہم ذات باری تعالیٰ پر اور اس کے  
 تمام صفات کمال پر دل سے یقین نہ لائیں اور اُس کو مستحق عبادت سمجھیں کیونکہ اس یقین لانے  
 اور سمجھنے پر بھی ہم شرعاً اور فطرتاً اُس سطح تکلف میں سطح اُس لا معلوم وجود پاک کے اقرار پر اور جس  
 سبب سے ہم مکلف ہیں وہ سبب تکلیف خود ہماری فطرت میں موجود ہے جو حکما کی اصطلاح میں قوت  
 مد رکہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں یہ قوت تمام بنی آدم میں کم و بیش موجود ہے لیکن سب میں کیساں  
 نہیں ہے واسیلے یقین کے مراتب و مکلف ہونیکے درجات بھی مختلف ہیں اور اُنھیں مراتب  
 درجات کے لحاظ سے آدمیوں کی بھی اقسام ہو گئی ہیں ایک گروہ اُنہیں ایسا ہے جو خدا کے

لا معلوم وجود کے خیال کے سوا نہ کچھ سمجھتا ہے نہ سمجھ سکتا ہو اور اسی لیے وہ اپنی نین سے کسی بڑے آدمی کی پیروی بغیر اپنے اجتہاد اور سمجھ کے کرتا ہے اور ایسا کرنے پر وہ فطرتاً مجبور ہے کچھ شک نہیں کہ ایسا گروہ مستحق نجات ہو اور انشاء اللہ تعالیٰ خدا کی رحمت اُس گروہ کے شامل حال ہوگی۔ دوسرے گروہ میں وہ لوگ داخل ہیں جو خود اپنی سمجھ اور اجتہاد سے ذات باری کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے مگر انہیں فطرتاً ایسی قوت مدرکہ موجود ہے کہ وہ دوسرے آدمی کے سمجھانے سے ذات باری کی معرفت کو بقدر اپنے فہم و استعداد کے حاصل کر سکتے ہیں اور مختلف لڑائے لوگوں کی ریاوں کو جو ذات باری کی نسبت وہ رکھتی ہوں سمجھنے اور تیز کرنے کے قابل ہوتے ہیں یہ یاد رہے کہ اس قسم کے لوگوں میں اکثر اوقات یہ قوت مدرکہ خارجی اسباب سے مغلوب ہو کر دب جایا کرتی ہے مثلاً کسی فرقہ میں پیدا ہونے اور انہیں پرورش پانے اور ابتدائی عمر سے انہیں کے خیالات کو سچے جاننے اور ماننے اور اشخاص خاص کی بزرگی و عظمت کا اعتقاد دل میں بیٹھ جانے سے اس قوت میں بہت کچھ ضعف اور نقص آجاتا ہو مگر با اینہم وہ قوت معدوم نہیں ہوتی یہ گروہ بھی بلاشبہ مستحق نجات ہو اور انشاء اللہ تعالیٰ رحمت اسی میں شامل ہوگا بشرطیکہ کوئی شخص انہیں ایسا پیدا نہوا ہو جو ذات باری کی معرفت کی تعلیم انکو دے لیکن یہ بات کسی طرح تسلیم نہیں کیا جاسکتی کہ ایسے گروہ میں کوئی راہ بتانے والا اور پیغمبر نہ گزرا ہو جب کہ خدا نے انکو مکلف کیا ہو اور انکو ایسی فطرت عطا کی ہو کہ وہ بغیر کسی کے سمجھائے

اُسکے پاک لاسعلوم وجود پر ایمان نہیں لاسکتے اور اُسکی معرفت حاصل نہیں کر سکتے تو ضرور ہو کہ اُنہیں کوئی ہادی اور پیغمبر بھی خدا کی طرف سے آیا ہو اور اُس پیغمبر کی وفات کے بعد خاص خاص وقون میں اُس پیغمبر کی تعلیم کو یاد دلانے والی بھی اُس گروہ میں پیدا ہوتی رہی ہوں جیسا کہ قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لکل قوم ہدٰی ہر قوم کے لیے ایک راہنما ہو وما من قریۃ الا حلّا فیہا نذیر کوئی قریہ ایسا نہیں جس میں کوئی پیغمبر نہ گزرا ہو تاریخی تحقیقات سے بھی اسکا کافی ثبوت ملتا ہو کہ ہر قوم اور ہر ملک میں کوئی نہ کوئی رفارم اور پیغمبر ضرور ایسا گزرا ہو جسکی تعلیم کی بنیاد ذات باری کی وحدانیت پر رکھی گئی تھی گو بعد میں اُس ملک یا اُس قوم کے لوگوں نے ذات باری کو چھوڑ کر غیر خدا کی پرستش اختیار کر لی ہو اور مصنوع کو صانع کا درجہ بخشا ہو جو شرک حقیقی کے لوازم ذاتی میں داخل ہو ایسے گروہ کو خدا کی رحمت میں گو وہ بے انتہا وسیع اور لامحدود ہے شامل نہیں کیا جاسکتا نہ مستحق نجات کہا جاسکتا ہو اسی کا نام کفر مطلق ہو اور اسی کے متعلق حدود فی النہد کی وعید قرآن مجید میں آئی ہو۔ اسی گروہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنکی قوتِ مدرکہ کو بچپن سے مخالف تعلیم و تربیت اور آباؤی تقلید نے ایسے رنگ میں رنگ دیا ہو جو ایمان باللہ اور اسکی توحید فی الصفات اور توحید فی العبادۃ کے بالکل برخلاف ہو اور اُسکے سبب سے سچے رفارم اور برحق پیغمبر کی تعلیم اُن لوگوں کے دلون میں نہیں سماتی یا سماتی تو ہو لیکن انی نہیں جاتی یا اُسکے سمجھنے کی اور جو سمجھتے ہیں

اُنکو اُسکے بوجھنے کی طرف توجہ نہیں ہوتی اس قسم کے لوگوں میں بھی وہ قوتِ مددِ کمزور اور بیکار ضرور ہو جاتی ہو مگر معدوم نہیں ہوتی پس یہ گروہ بھی خدا کی رحمت میں باوجود اُسکے بے انتہا وسیع ہونے کے داخل نہیں کیا جاسکتا نہ مستحقِ نجات کہا جاسکتا ہو چونکہ انسانوں میں ان دو قسم کے گروہ کثرت سے ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں اور انہیں ہدایت قبول کرنے کی استعداد یعنی قوتِ مددِ کمزور بھی فطرۃً موجود ہے اسی لیے وحی الہی اور ہدایاتِ مذہبی کے غلط صحیح یہ ہی دونوں گروہ ہیں تیسرا گروہ ایک اور ہو جو نہایت قلیل ہو یہ گروہ اپنی فہم و عقل و اجتہاد سے خدا کے پاک لامعلوم وجود کی معرفت میں حصہ لے سکتا ہے انہیں کوئی تو منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے کوئی راستے ہی میں رہ جاتا ہے اور کوئی راستہ بھول جاتا ہو لیکن ان دو پچھلے گروہوں کو گروہِ نین بھی وہ قوتِ مددِ کمزور موجود ہوتی ہے جسکے ذریعے سے وہ اُس خدا رسیدہ گروہ کی تعلیم و ہدایت کو سمجھ سکیں اور اپنے خیالات سے اُس گروہ کے خیالات کا مقابلہ کر سکیں مگر ایسا نہ کرنے سے وہ دو پچھلے گم کردہ راہ لوگ خود اپنے کو خدا کی رحمت سے دور کرتے ہیں اور اُسکی مغفرت سے محروم رہتے ہیں مگر ان وہ پہلا خدا رسیدہ گروہ خدا کے دریاے رحمت میں مستغرق ہوتا ہو ایسے گروہ کے اعلیٰ ترین وہ لوگ ہیں جنکو فہم و عقل و اجتہاد کے علاوہ قدرت سے وہ عجیب چیز ملتی ہو جسکو ملکہ نبوت کہتے ہیں جنکو یہ ملکہ نبوت عطا ہوتا ہو وہ خدا کے برگزیدہ پیغمبر ہوتے ہیں انہیں کے خسرِ ختمِ المرسلین محمد مصطفیٰ (فداک لبی امی)

یہاں ان نفوس قدسیہ کے انکار کا نام کفر شرعی ہو گا اُن کے ساتھ حلود فی السناد مشروط ہو گا راز روئے اُصولِ فطرت اور نظامِ تمدن کوئی شک نہیں کہ ذاتِ باری کے یقین کے بعد اقرار رسالت کا درجہ ہے اور اس اعتبار سے اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ اَشْہَدُ اَنْ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ کہنا اقتضائے فطرت کے بالکل مطابق اور نظامِ تمدن کا ایک ضروری رکن ہے۔

## عالمِ آخرت

سوال۔ اسلام نے اُن کے بعد اور کن چیزوں کی تعلیم دی ہے ؟  
جواب۔ اسلام نے اقرارِ توحید اور رسالت کے بعد عالمِ آخرت کا یقین دلایا ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ  
وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَيَكُنْ لَّخَيْرٍ  
هُمْ يُوقِنُونَ - أُولَٰئِكَ عَلَى  
هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ  
هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

اور (اپنے پیغمبر جو کتاب) پھر اُتری اور جو تے  
پہلے اُتریں اُن (سب) پر ایمان لائے اور وہ آخرت  
کا بھی یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے پروردگار کے  
سیدھے راستے پر ہیں اور یہی (آخرت میں من  
بانی) مراد پائیں گے۔

لَا الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا  
وَالنَّصَارَى الصَّالِحِينَ مَن لَّهُم بِاللَّهِ

بیشک مسلمان اور یہودی اور عیسائی اور صابئی انہیں سے  
جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور

وَالْيَوْمَ لَا خَيْرَ فَعَمَلٍ صَالِحًا لَهُمْ  
 أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ  
 عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ -

اچھے کام کرتے رہے تو انکو انکے (کئے) کام اجر انکے  
 پروردگار کے یہاں ملیگا اور اپنرے کسی قسم کا خوف  
 (طاری) ہوگا اور نہ وہ (کسی طرح) آزرده خاطر ہونگے

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ یہود چونکہ پیغمبروں کی نسل سے تھے اس لیے وہ زیادہ تر  
 اپنی خصوصیت خدا کے ساتھ جتایا کرتے تھے کبھی کہتے تھے نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ  
 کہ ہم خدا کے فرزند اور اُس کے چیتے ہیں کبھی کہا کرتے تھے لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ سِوَا  
 أَيَّامٍ مَّعْدُودَةٍ ہم کو گنتی کے چند روز کے سوا دوزخ کی آگ چھو بھی نہ سکے گی کبھی  
 ظاہر کرتے کہ لَنْ يَدْخُلَ الْجَهَنَّمَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا یہودیوں کے سوا کوئی جہنم  
 میں داخل ہی نہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے انکے اس دعوے کو غلط ٹھہرایا اور صاف فرمادیا  
 کہ کسی فرقے کی تخصیص نہیں خصوصیت اگر ہو تو ایمان کی ہے اور نیک کام کر نیکی  
 جس پر تمام شریعتوں کا اتفاق ہو جب تک حضرت موسیٰ کی شریعت جاری رہی یہود  
 خدا کے نزدیک مقبول تھے پھر نصاریٰ اب مسلمان ایمن سے جو خدا اور آخرت پر  
 ایمان لایا اُسے ثواب پایا اسی طرح صابئی فرقے کا حال ہے جو فلسفیانہ عقیدے لکھتا  
 تھا بعض ایمن موجد تھے اور بعض مشرک غرض اسلام نے اقرار توحید و رسالت  
 کے ساتھ عالم آخرت کا بھی یقین دلایا ہے معاد یعنی آخرت کا یقین مذہب کی  
 روح روان ہے مذہب میں جو کچھ تاثیر ہے اور مذہب کا جو اثر انسانی افعال اور  
 جذبات پر پڑتا ہے وہ اسی یقین کی بدولت ہے جو بطرح واجب الوجود علیہ السلسل۔



خداے عزوجل کا ماننا انسان کی فطرت میں داخل ہو اسی طرح عالم آخرت کا یقین بھی انسان کی فطرت میں داخل ہے چنانچہ اس عقیدے میں سب اہل مذہب متفق ہیں لیکن جس طرح ذات باری کی حقیقت و ماہیت کا جاننا انسان کی فطرت سے باہر ہے اسی طرح عالم آخرت کی حقیقت کو سمجھنا محالات سے ہو یہ کوئی نئی بات نہیں اور بہت سے حقائق ایسے ہیں جن پر انسان کو یقین کرنے کے لیے دلیلیں ہیں مگر ان کی حقیقت کا جاننا انسانی فطرت سے باہر ہے مگر اس حقیقت نہ جاننے سے اُن دلیلوں میں کوئی نقصان نہیں پیدا ہوتا کیونکہ کسی شے کے علم نہ ہونے کا علم ہونا بھی کمال معرفت ہو بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو جن حقائق کا ہمو ثبوت قطعی حاصل ہو یا ہو سکتا ہو بشرطیکہ اُنکو قطعی ثبوت بھی کہہ سکیں بہت ہی کم ہیں انسان کے تمام کاروبار زندگی کا مدار زیادہ تر گمان غالب کے دستورِ عمل اور دلیل پر مبنی ہے یہاں تک کہ انسان اکثر اوقات ایک ادنیٰ ظنی فائدے کی امید پر بڑا حصہ اپنی قوت و عمر کا صرف کر دیا کرتا ہو یہ تو ایک اہم معاملہ ہو اگرچہ عالم آخرت کوئی محسوس چیز نہیں جس پر ہم اپنے تجربے اور مشاہدے سے کوئی دلیل قائم کر سکیں لیکن اگر ہم موجودات عالم پر غور نظر ڈالیں اور نوعِ حیوانات کی جسمانی ترکیب اور موجودہ زندگی کے مختلف درون اور تغیرات کو مطالعہ کریں تو ہمو بہت سی مثالیں اور مشابہتیں اُن میں ایسی ملیں گی جو ہمارے خیال کو عالم آخرت کے یقین سے قریب کر دینگی۔ پس اگر اُن مثالوں اور تشبیہوں سے عالم آخرت پر یقین کرنے کے لیے ایک گمان غالب بھی دل میں

پیدا ہو جائے تو اُسکا قبول نہ کرنا عقل سلیم کے خلاف ایک قابل افسوس ندامت  
کو تاہ مبنی ہوگی علم زوال و الجی سے ثابت ہوا ہو کہ بعض جانور و مکی یہ حالت ہو کہ اگر  
اُنکے تین ٹکڑے کر دیے جائیں سر الگ دھڑ الگ دم الگ اور پھر چند روز تک اُنھیں  
یوین چھوڑ دیا جائے تو تھوڑے عرصے میں تم دیکھو گے کہ سر میں دھڑ اور دم نکل آئی ہو  
اور دھڑ میں سرا اور دم پیدا ہو گئی ہے اور دم میں سرا اور دھڑ دونوں کی دونوں لگ گئی  
ہیں اور انہیں ہر ایک ٹکڑا پورا جانور بن گیا ہے اور سب سے پہلے سر میں باقی چیزیں  
لگ کر پورا جانور بن جایا کرتا ہے اسی قسم کا ایک چھوٹا جانور چھوٹے چھوٹے جانور و مین  
ہوتا ہے جسکا نام ہیڈرا ہے۔ اسی طرح بعض کیڑ و نکا پر دار ہونا اور اس تبدیلی کے  
سبب نقل مکان کی قوت پیدا کرنا بیضہ کو توڑ کر پرندوں کا باہر نکھنا اور ایک  
نئی اور وسیع دنیا میں قدم رکھ کر نئے طرز کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنا یہ سب باتیں  
جو قانون قدرت کے مطابق ظہور میں آتی ہیں اُنکی مثالیں ہمارے خیال کو اُس نئی  
آنے والی زندگی یعنی عالم آخرت کے یقین سے قریب کر دیتی ہیں خود انسان اور  
اُسکی زندگی کے مختلف دوروں پر غور کرو ایک زمانہ انسان پرمان کے پیٹ میں  
گزر رہا ہے وہاں اُسکی زندگی اور اُسکی غذا وغیرہ کے طریقے اور ہی کچھ ہوتے ہیں  
پھر وہ پیدا ہو کر ایک نئی دنیا میں قدم رکھتا ہے اور جب تک وہ بچہ رہتا ہے اُسکی پرورش  
کے طریقے اُسکی راحت و تکلیف کے اسباب اُسکے رنج و خوشی کی باتیں اُسے قدر  
مختلف ہوتی ہیں جسقدر صغر سنی اور عالم شباب کی حالتوں میں اختلاف عظیم پایا جاتا ہے

یہی حالت انسانوں کے خواب و بیداری کی ہے جو باتیں رُخ و خوشی کی اور جو واقعات انسان پر خواب میں گزرتے ہیں اُن پر انسان کو ایسا ہی اصلی اور واقعی ہونے کا یقین ہوتا ہے جس طرح اُس کو اپنی زندگی کے عام واقعات پر یقین ہوتا ہے۔

شکل ہستی و عدم آئینہ دکھلاتا ہو  
کہ ادھر سب نظر آتا ہو ادھر کچھ بھی نہیں

پھر جب ہم انسان کی جسمانی حالت پر نظر کرتے ہیں تو یہ کوئی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے جسم کے ذرے ہر روز بدلتے رہتے ہیں یہاں تک کہ چالیس برس میں سارا جسم بالکل نیا ہو جاتا ہو مگر انسان کی ذات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی وہ وہی رہتا ہے جو ہوتا ہے جس قانون قدرت کے مطابق یہ تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے اُس پر غور کرنے سے بھی یہ بات ناممکن نہیں معلوم ہوتی کہ ہماری آئندہ زندگی کی حالت بھی اسی زندگی کے مشابہ اور کسی ایسے ہی قانون قدرت کے تابع ہو کیونکہ اس وقت تک جس قدر قانون قدرت انسان پر منکشف ہوئے ہیں وہ بہت ہی کم ہیں اُنکی مثال ایسی ہی ہو جیسے سمندر کے مقابل میں ایک قطرہ جس قدر زمانہ ترقی کرتا جائے گا اُس قدر نئے نئے قوانین قدرت منکشف ہوتے جائیں گے چنانچہ اصول طبعیات سے اس زمانے میں ایک یورپین عالم نے بقا و روح کا مسئلہ ثابت کیا ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

بند کرتے ہیں ہم درجے جسکے چاہتے ہیں اور ہر ذی علم  
سے بڑھ کر خدا نے ذی علم پیدا کیا ہے۔

نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَأِكَ وَفَوْقَ  
كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ  
اور نہیں کوئی چیز مگر اُسکے خزانے میں ہمارے پاس  
اور نہیں اُتاتے ہم اُسکو مگر ایک اندازہ معلوم کے ساتھ

## روح کا بیان

بہر حال عالم آخرت جسکا نام ہے۔ اُسکا بڑا تعلق انسان کی روح کے ساتھ ہوا۔ سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روح کیا چیز ہے اور وہ باقی ہے یا فانی اس سوال کے پہلے جز کا جواب یعنی روح کیا چیز ہے اُسکی ماہیت کیا چیز ہے انسان کی فطرت و قوت سے باہر ہے انسان اپنی عقل و فطرت کے مطابق تمام محسوس اور غیر محسوس چیزوں کے وجود کی تصدیق اور تکذیب کر سکتا ہوا انکی کیمیائی ترکیبوں اور ناموں سے واقف ہو سکتا ہے مگر انہیں سے کسی ایک کی حقیقت و ماہیت کو جان نہیں سکتا اسی لیے خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا  
کہدو اے پیغمبر کہ روح میرے رب کے عالم امر سے  
ہو اور نہیں دیا گیا تمکو علم مگر تھوڑا۔

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اسکی تصریح نہیں ہے کہ امت مرحومہ میں سے روح کا حال کوئی جانتا ہی نہیں ہے جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے اور یہ بھی ضرور نہیں کہ شریعت نے جس چیز کا حکم نہ بیان کیا ہو وہ معلوم ہی نہ ہو سکے بلکہ شریعت میں اکثر اسوجہ سے سکوت کیا جاتا ہے کہ اشکال کی وجہ سے

اکثر لوگ اُسکے برتاؤ کے قابل نہیں ہوا کرتے اگرچہ بعض بعض اُسکو سمجھ سکتے ہیں اسی بنا پر بعض علماء اور ائمہ اسلام نے روح کی حقیقت بیان کرنے میں کوشش کی ہے موجودہ اصول سائنس کے مطابق اگر روح کی حقیقت کی تلاش کی جائے تو اول موجودات عالم پر غور کرنا چاہیے چنانچہ سب سے پہلے ہم نباتات پر نظر ڈالتے ہیں نباتات ایک غیر عضوی جسم ہیں غیر عضوی جسم اجتماع مادہ سے دفعتاً پیدا ہوتا ہے نباتات اپنی جڑوں کے ذریعے سے جو زمین میں ہوتی ہیں اور ٹہنیوں اور پتوں کے ذریعے سے جو ہوا میں ملتی رہتی ہیں اپنی غذا کو پانی اور ہوا سے جذب کرتی رہتی ہیں نباتات کے بننے کا مادہ ایک کیسیلا مادہ ہوتا ہے جو کاربن ہیڈروجن اور آکسیجن سے مرکب ہوتا ہو یہ تینوں ایک ہوائی سیال عنصر ہیں نباتات میں خود بخود حرکت ہونے کی قوت اور اختیار و ارادہ نہیں ہوتا بلکہ ان کے حیوانات عضوی جسم رکھتے ہیں عضوی اجسام میں سے غذا اُنکے جسم کے اندر یعنی معدے میں جاتی ہو اور اندرونی غذا سے جسم بڑھتا ہو مگر اس معدے میں کوئی خاص نئی خاصیت مثل ادراک وغیرہ کے نہیں ہوتی۔ حیوانات میں ایک سلسلہ پٹھوں کا بھی پایا جاتا ہے جو نباتات میں نہیں ہوتا ان کو ایک مرکز یعنی دماغ سے تعلق ہوتا ہے اسی سبب انہیں احساس کی قابلیت ہوتی ہو ان پٹھوں کے علاوہ حیوانات میں اور بھی جھلیان پر بے پے اور عضلی ہوتے ہیں جو نباتات میں نہیں ہوتے حیوانات کا جسمانی مادہ چار چیزوں سے مرکب ہوتا ہے کاربن ہیڈروجن آکسیجن اور نیٹروجن یہ نیٹروجن بھی مثل ان تین پہلے عنصروں کے

ایک ہولے سیال جسم ہو اسین کوئی خاص کیمیائی قوت نہیں ہے نہ وہ معاون زندگی ہو بلکہ اگر کسی جگہ صرف نیٹروجن بھرا ہوا ہو تو آدمی وہاں زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ حیوانات کے گوشت کے ریشون میں پایا جاتا ہے حیوانات میں خود بخود حرکت کرنے اور اختیار ارادہ کی قوت پائی جاتی ہے مگر ان تمام عضروں سے جو جسم کی بناوٹ کے مادے ہوتے ہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اُن بہترین افعال کے بھی باعث ہیں جو حیوانات کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں ہم ان عضروں کی ترکیب پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انکی باہمی ترکیب سے جسم پیدا ہوتا ہے اور اُن جسموں میں ایک حرارت کا درجہ قائم ہوتا ہے اُنہیں دوسرے جسم کے جذب کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے جیسے کہ مقناطیس میں لوہے کی کشش انہیں عضروں کی ترکیب سے ایک ایسا جسم بھی پیدا ہوتا ہے جسکے اجزا حرکت میں رہا کرتے ہیں جیسا کہ تیزابوں کو باہم ملانے سے دیکھا جاتا ہے اور انہیں کی ترکیب سے ایک قوت مخفیہ جو اجسام میں ہوتی ہو ظاہر ہو جاتی ہے وہ دوسرے جسموں سے جذب کر کے اُسکو ایک جگہ لے آتی ہے جیسا کہ اعمال برقی سے ظہور اور اجتماع برق کا عمل میں آتا ہے جو جسم سیال ہوئی (ان عضروں کی ترکیب سے یا اُن جسموں کی ترکیب سے جو ان عضروں سے بنے ہیں) پیدا ہوتا ہے وہ کبھی دکھائی دیتا ہے اور کبھی ایسا لطیف ہوتا ہے کہ دکھائی بھی نہیں دیتا اکثر اطباء اور حکماء کا یہ خیال ہے کہ جسم حیوانی میں (جو عضروں کی ترکیب سے بنا ہے) اور جسمیں مختلف اعضا ہیں اُس ترکیب کے سبب سے اُسین ایک جسم ہوئی پیدا ہوتا ہے جو ہيجان اور حرکت کا سبب ہے

وہی حیوانات میں ارادہ پیدا ہونے کا اور ترکیب اعضا سے حرکت کے ظہور میں آنے کا سبب ہوتا ہے اسی جسم سیال ہوائی پر انسان کی زندگی کا مدار ہے اسی جسم ہوائی کو بعضوں نے روح حیوانی بعضوں نے روح مطلق اور بعضوں نے نسیم کے نام سے تعبیر کیا ہے اُنکا قول ہے کہ جب ترکیب جسم حیوانی کی اس جسم سیال ہوائی کے قائم رہنے کے قابل نہیں رہتی تو آدمی مر جاتا ہے اور اسی جسم حیوانی کے ساتھ وہ جسم سیال بھی فنا ہو جاتا ہے مگر یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ جو آثار ترکیب عناصر سے پیدا ہوتے ہیں وہ سب یکساں ہوا کرتے ہیں اور ان میں حرکت ارادی ہرگز نہیں ہوتی مثلاً مقناطیس میں لوہے کی کشش کی قوت پیدا ہوتی ہے مگر مقناطیس میں یہ قدرت نہیں ہوتی ہے کہ جب اُسکا جی چاہے وہ لوہے کو جذب کرے اور جب نہ چاہے جذب نہ کرے یہی حال تمام نباتات وغیرہ کا ہے غرض کہ جو آثار ترکیب عناصر سے جس جسم میں پیدا ہوتے ہیں وہ آثار اُس جسم سے جدا نہیں ہوتے برخلاف حیوانات کے کہ اُنکے بعض افعال ایسے ہیں کہ وہ ترکیب عناصر کا نتیجہ نہیں ہو سکتے مثلاً ارادہ تعقل اور اختیار کہ جب اُنکا جی چاہے کریں اور جب اُنکا جی نہ چاہے نہ کریں اگر یہ امر اُنکا طبعی ہوتا تو وہ اُسکے خلاف کرنے پر کبھی قادر نہ ہوتے کوئی دلیل اور کوئی کیمیائی ترکیب اصول اب تک اس بات پر قائم نہیں ہوا ہے کہ ارادہ تعقل اور خیال صرف ان عناصر کی کیمیائی ترکیب کا نتیجہ ہیں بلاشبہ صانع عالم نے افعال انسانی کے صدور کے لیے جدا جدا اعضا بطور آلات کے بنائے ہیں مگر

یہ ثابت نہیں کہ صرف وہی اعضا اُن تمام افعال کی علت یعنی سبب بھی ہیں بیان  
ایک بحث یہ بھی پیش ہوتی ہے کہ روح مادی ہے یا غیر مادی لیکن جبکہ ہکمو اسکی ماہیت  
کا علم ہی نہیں تو یہ کہنا کہ وہ مادی ہے یا غیر مادی یہ بھی ناممکن ہو اگر ہم اُسکو مادی  
مان بھی لیں تب بھی کوئی نقصان لازم نہیں آتا لیکن اگر ایسا ہو تو وہ کوئی دوسری  
قسم کا مادہ ہو گا کیونکہ جن اقسام مادہ سے ہم واقف ہیں اُسے جدا جدا مجموعی طور پر  
اُن افعال کا صادر ہونا ثابت نہیں ہوتا جو روح سے صادر ہوتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ  
صاحب حجۃ اللہ البالغین میں لکھتے ہیں کہ حیوانات میں ترکیب اخلاط سے ایک لطیف  
بھاپ قلب میں پیدا ہوتی ہے جس و حرکت کرنے کی تمام وہ تو تین جو تدابیر غذا کے  
مستعلق ہیں اُس بھاپ سے علاقہ رکھتی ہیں اُس بھاپ کے رفیق غلیظ صاف و مکدر  
ہونے کا بدنی قوتوں پر اور افعال پر بڑا اثر پڑتا ہے اسی بھاپ کی موجودگی سے  
زندگی باقی رہتی ہے اور اُسکے تحلیل ہو جانے سے موت آجاتی ہے۔ مگر یہ روح  
یعنی بھاپ اصلی روح نہیں ہو بلکہ روح حقیقی کا مرکب ہو اور روح حقیقی کے بدن سے  
مستعلق ہونے کا مادہ ہو جسکا نام نسمہ ہے اُسکی مثال ایسی ہے جیسے گلاب میں نئی  
اور کوئلہ میں آگ ہم بچے کو دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہوتا ہو بڑھا ہوتا ہے اُسکے اخلاط  
بدن میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور جو روح یعنی نسمہ اُن اخلاط کی ترکیب سے پیدا ہوتی  
ہو وہ ہزار درجہ پہلے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے لڑکا کمسن ہوتا ہے پھر بڑا ہوتا ہے  
کبھی سیاہ رنگ ہوتا ہو کبھی گورا رنگ کبھی جاہل کبھی عالم اسی طرح اُسکے تمام اوصاف



میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن اُسکی ذات میں کوئی تغیر نہیں ہوتا وہ وہی رہتا ہو جو پہلے تھا اگر ہم کسی شخص میں اُن اوصاف کے باقی رہنے کا یقین نہ کریں تب بھی اُس شخص کے باقی رہنے کا یقین کرتے ہیں پس وہ چیز جسکی وجہ سے وہ لڑکا بعینہ وہ لڑکا باقی رہتا ہو وہ نہ تو روح یعنی بھاپ اور نہ بدن یہ تو اُس کے تشخصات ذاتی ہیں جو ابتدائیں خیال میں آتے ہیں بلکہ حقیقی روح وہ چیز ہے جو بچے کے ساتھ بھی ویسی ہی ہے جیسے جو ان کے ساتھ کالے کے ساتھ بھی ویسی ہے جیسے گورے کے ساتھ روح حقیقی کا تعلق نہ کہ کے ساتھ ہو اور نہ کہ تعلق بدن کے ساتھ بہر حال جسم انسانی سے جدا وہ کوئی اور شے ہے جسکے سبب ارادہ تعقل خیال اور تمام اعلیٰ ترین انکشافات وغیرہ ظہور میں آتے ہیں وہ جو کچھ ہو ہم اُسکی روح اور نفس ناطقہ کہتے ہیں اور حسبِ طرح روح کا اُن مادوں سے ہونا جسے ہم واقف ہیں معلوم نہیں ہوتا اُسی طرح اُسکا کسی چیز کے ساتھ قائم ہونا بھی ثابت نہیں ہوا ہے اس بنا پر ہم اُسکو جو ہر قائم بالذات یعنی اپنی ذات سے قائم کہہ سکتے ہیں مگر اُسکی حقیقت نہیں بتا سکتے کیونکہ روح حقیقی کا جاننا فطرت انسانی کے مافوق ہوا دین کا قدیم سے یہ خیال رہا ہو کہ انسان بھی مثل دیگر حیوانات کے پیدا ہوتا ہے جو ان ہوتا ہی بڑھا ہوتا ہی نیست نابود ہو جاتا ہو دیگر پہنچ چنانچہ ایک شاعر بدوی کہتا ہو

اَمَّوَدِیْکَ نَسَمَیْعَتْ نَسَمَیْکَ نَسَمَیْکَ

میرنا پھر زندہ ہونا پھر چلنا پھر نا اے

حَدِیْثُ خُرَاقَاتٍ یَا اُمَّ عَمْرُو

عمر کی ماں یہ تو خرافات باتیں ہیں۔

اسی کی طرف اشارہ ہے جہاں قرآن میں فرمایا ہے۔

اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُفُّوْا اَنْفُسَكُمْ عَنْ طَاغُوتِ الْعِظَمَاءِ  
اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُفُّوْا اَنْفُسَكُمْ عَنْ طَاغُوتِ الْعِظَمَاءِ  
تو ہم بدلا دیجادینگے۔

اصل یہ ہے کہ روح کا وجود ایک وجدانی امر ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعقل و ادراک محض مادہ کا کام نہیں کیونکہ مادہ اور اس کی حرکت میں کوئی شعور اور ادراک پایا نہیں جاتا بلکہ کوئی اور جو ہر لطیف قائم بالذات ہو جس سے یہ حیرت انگیز کوشش سرزد ہوتے ہیں ایک منکر اگر روح کے انکار پر آمادہ ہوا اور کہے کہ تنے جو کچھ کہا وہ تو عین دعوے کا اعادہ ہو ممکن ہے کہ اسی مادے کے کسی خاص طور کی ترکیب سے ان تعجب انگیز کوششوں کا ظہور ہوا ہو کلون سے جو عجیب و غریب حرکتیں وقوع میں آتی ہیں ارغنون سے اور فوٹو گراف سے جو دلکشی اور موثر نغمے پیدا ہوتے ہیں انہیں روح کا کونسا شائبہ ہو تو دلیل زبانی سے اسکا منہ بند کرنا مشکل ہو اسی لیے امام غزالی نے روح کے ثبوت پر کوئی منطقی دلیل قائم نہیں کی صرف یہ الفاظ لکھے ہیں۔

وَلَيْسَ الْبَدَنُ مِنْ غَوَامٍ ذَاتِ لَحٍّ  
فَإِنَّ هَذَا هُوَ الْبَدَنُ لَا يَحْدِلُكَ  
جسم تمھاری حقیقت ماہیت میں خل نہیں ہے  
اس لیے جسم کا فنا ہونا تمھارا فنا ہونا نہیں ہے۔

اسکا مطلب یہ ہے کہ جو روح جو ہر قائم بالذات ہو اور جب وہ اپنی ذات سے قائم اور جسم سے جدا چیز ہے تو وہ جسم کے ساتھ فنا بھی نہیں ہو سکتی یہ مسئلہ تو اصول سائنس سے

تحقیق ہو چکا ہو کہ دنیا کی کوئی چیز فنا نہیں ہوا کرتی صرف ہیئت اور صورت نوعی بدلایا کرتی ہے تمام دنیا اگر لکڑی ہے کہ ایک ذرے کو بھی معدوم محض کر دے تو نہیں کر سکتی تو روح کے معدوم ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہو زیادہ سے زیادہ یہ کہ جس طرح تمام اشیاء موجودہ میں تبدیل صورت ہوتی رہتی ہے اُسی طرح روح کی صورت بھی تبدیل ہو جائے غرض کہ روح کے وجود تسلیم کرنے کے ساتھ ہی اُس کے بقا کا تسلیم کرنا بھی لازم آتا ہے۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلعم نے کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ بنی نوع انسان نے مجھ کو جھٹلایا حالانکہ یہ بات اُس کے لائق حال نہ تھی اُسے مجھ کو گالی دی حالانکہ یہ بات اُس کو لائق نہ تھی پس اسکا جھٹلانا مجھ کو تو یہ ہو کہ وہ کہتا ہو کہ خدا زندہ نہ کرے گا مجھ کو بعد مرنے کے جس طرح اول مرتبہ مجھ کو پیدا کیا ہے اور یہ نہ سمجھا کہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مجھ پر اُس کے عادیہ کرنے سے سہل تر نہیں ہوا اور گالی دینا اُسکا مجھ کو یہ ہو کہ وہ کہتا ہو کہ خدا نے اپنا بیٹا ٹھہرایا حالانکہ میں ایک ہوں یعنی میرا کوئی شریک نہیں اور ایسا دنیا میں نہ کوئی مجھے پیدا ہوا اور نہ میں کسی سے پیدا ہوا نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔ روایت کیا اسکو بخاری نے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى كَذَبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ وَشَقَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ يَعْزُبُ عَنِّي كَمَا بَدَأْنِي وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ يَا هُونٍ عَلَى مَنْ إِعَادَتِهِ وَأَمَّا شَقَمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا وَقَالَ أَنَا الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ

رواہ البخاری

## انسان اور حیوان کی روح کا بیان

**سوال** - عالم آخرت اور روح کا حال معلوم ہوا مگر یہ بات نہیں معلوم ہوئی کہ حیوان اور انسان کی روحیں یکساں ہیں یا جدا جدا ہیں۔

**جواب** - روح جو فی نفسہ ایک جسم لطیف جو ہر ذی عقل ذی ارادہ اور مصدر افعال ہے جب تک اُس کا تعلق شہد سے اور شہد کا تعلق جسم سے رہتا ہوا سو وقت تک اُس روح سے افعال صدور میں آتے رہتے ہیں روح اپنی حقیقت و مفہوم یعنی عقل و ارادہ وغیرہ کے اعتبار سے تمام بنی نوع انسان اور حیوانات میں بلکہ جنات و ملائکہ میں بھی بشرطیکہ اُن کا کوئی وجود ذی عقل و ارادہ فی الخارج ہو یکساں اور متحد ہے اور اُن کی روحوں میں کوئی فرق نہیں ہے البتہ اُن کے افعال میں جو روح کے ذریعے سے صدور میں آتے ہیں تفاوت ہوا اس تفاوت کا سبب اُن کی جسمانی ترکیب اور بناوٹ کا اختلاف ہے حیوانات کی ترکیب جسمانی اس وضع کی ہے کہ اُس سے نہایت محدود افعال صادر ہوتے ہیں جو اُن کی زندگی کے لیے ضروری ہیں اور اُن کے تمام نوع میں ایک ہی قسم کے افعال پائے جاتے ہیں جو بغیر تعلیم اور اکتساب حاصل ہوتے ہیں اُن سے ایسے افعال صادر نہیں ہو سکتے جنکو روح کی ترقی و تنزل یا سعادت و شقاوت روح سے تعلق ہو اسی سبب سے وہ کسی مذہب کے قبول کرنے پر مکلف نہیں برخلاف انسان کے کہ اُس کی فطرت اور جسمانی ساخت ایسی ہو کہ اُس سے لامحدود افعال

صادر ہو سکتے ہیں انھیں ترقی و منزل ہوتا رہتا ہے اور انسان کی روح سعادت یا شقاوت کا اکتساب کرتی رہتی ہے غرض حیوان کی روح اُسکی ترکیب جسم اور اعضا کے مطابق اور انسان کی روح اُسکی ترکیب جسم اور اعضا کے موافق ہر ہر عضو سے جُدا جُدا کام لیتی رہتی ہے حدیث میں آیا ہے کہ

كُلُّ عَمَلٍ عَلَى شَاكِلَتِهِ ۝ ہر شخص اُسی طریقے پر چلتا ہو جسکے واسطے وہ بنایا گیا ہو  
كُلُّ مَيْمَرٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ ۝ ہر آدمی پر وہ کام آسان ہو جسکے لیے وہ پیدا کیا گیا ہو

روح اور ترکیب جسمانی کی مثال ایسی ہے جیسے اسٹیم یعنی بھاپ اور انجن کے کُل پرزے وہی ایک اسٹیم مختلف کلون سے مختلف کام لیتی ہے اور ہر کُل سے وہی کام صدور میں آتا ہے جس کام کے لیے وہ کُل بنائی گئی ہے خداوند تعالیٰ اسی بات کو انسان پر ظاہر کرتا ہے اور فرماتا ہے۔

هٰذَا مَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ۝ | یہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے۔

## جبر و اختیار کا مسئلہ

سوال۔ انسان کے روحانی افعال جو اُسکی ترکیب جسمانی کے سبب صدور میں آتے ہیں اُن سے اور نیز آیت ماسبق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان فطرتاً مجبور پیدا کیا گیا ہے اور جب وہ مجبور ہوا تو اُسکو کسی عمدہ بات کی ترغیب دینا اور ہدایت کرنا یا کسی بُرے کام سے روکنا اور ڈرانا محض فضول ہوا۔

**جواب۔** مسئلہ جبر و اختیار کے متعلق چونکہ فطرت و مذہب دونوں طریق سے

سوال کیا گیا ہے اس لیے پہلے ہم مذہبی طور سے اس مسئلہ پر نظر ڈالتے ہیں چنانچہ جب ہم قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم اُس میں دونوں قسم کی آیتیں پاتے ہیں مثلاً

مَنْ يَهْدِى اللَّهُ فَمَا لَهُ هَادٍ وَمَنْ يَافُكْ فَلَنْ يُجِدَ لَهُ وِلِيًّا هَرُشِدًا ۝  
خُذْ نَفْسُكَ ۝  
مَا شَاءَ اللَّهُ كَانَ وَمَا لَكُمْ شَاءَ لَكُمْ كَيْفُ

جسکو خدا ہدایت کرے وہی راہ پائیوالا ہو اور  
جسکو گمراہ کرے تو نہ پاویگا تو اُسکے لیے کوئی راہنما۔

ہم تجکو روزی دیتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے  
جو خدا چاہتا ہو وہ ہوتا ہو اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا

اسی طرح بہت سی آیتیں اور حدیثیں بظاہر انسان کی مجبوری کو ظاہر کرتی ہیں اور  
ان سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان مجبور محض ہے جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے دوسری  
قسم کی آیتیں یہ ہیں جسے انسان کا مختار ہونا ثابت ہوتا ہے۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ۝  
وَمَا آصَابَكَ مِنْ سَيْئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ ۝  
اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ  
وَاسْتَنْصَحُوا كَمَا أَمَرْتُ

انسان کیلئے وہ ہی چیز ہو جسکی اُس نے کوشش کی  
اور جو کچھ بُرائی پہنچتی وہ تیری ہی نفس کی طرف سے ہو  
چلو اُس ہدایت پر جو تم پر اتاری گئی۔

اور سیدھے رستے پر قائم رہ جیسا کہ تجکو حکم دیا گیا ہو۔

ان کے علاوہ تمام قرآن مجید اور حدیثیں اوامر اور نواہی سے بھری ہوئی ہیں جس سے  
انسان کا خود مختار اپنے افعال میں ہونا بخوبی ثابت ہوتا ہے اس تناقض کے رفع  
کرنے کو ہمیں اول زمانہ نزول قرآن پر نظر ڈالنا چاہیے قدیم سے مصری اور یونانی

حکما کا یہ خیال تھا کہ دو چیزیں یعنی خدا اور مادہ ازلی اور ابدی ہیں دوسرا گروہ  
 زروشتیوں کا تھا وہ کہتا تھا کہ دو مقابل کے وجود میں ایک یزدان یعنی خدا جو  
 سب بھلائیوں کا پیدا کرنے والا ہے دوسرا ہرمن یعنی شیطان جو تمام بُرائیوں کا  
 پیدا کرنے والا ہے خدا کے عزوجل کو ان دونوں قسم کے عقیدوں کا مٹانا منظور تھا  
 اور اپنی ذات کو وحدہ لاشریک نہ بتانا اور اپنے علتِ اعلیٰ ہونے کو جتنا بھتا  
 پس اس سے بہتر اس باریک مسئلہ کو سمجھانے کا کوئی طریقہ نہ تھا کہ خدا کے تعالیٰ  
 تمام واسطوں اور علتوں کو جو مصدرِ افعال ہیں دور کر کے کبھی تو تمام افعال کو  
 اپنی ذاتِ خاص کی طرف منسوب کرے اور کبھی اُن افعال کو واسطوں اور علتوں  
 کی طرف منسوب کرے جنکی وجہ سے درحقیقت وہ افعال صدور میں آتے ہیں تاکہ  
 لوگ اپنے کار و بار زندگی میں محنت و کوشش سے بھی پورا پورا کام لیتے رہیں  
 اور بحیثیتِ خالقیت اور علتِ اعلیٰ ہونے کے سوائے ذاتِ وحدہ لاشریک کے  
 کسی کو اپنا معبود نہ ٹھہرائیں ان تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں کوئی  
 بات انسان کے مجبور یا مختار ثابت کرنے کو نہیں بیان کی گئی بلکہ خدا نے محض  
 اپنے کو معبود حقیقی اور علتِ اعلیٰ ثابت کرنے کو اور عقائدِ فاسدہ کے مٹانے کو  
 مختلف پہلوؤں سے سمجھایا ہے پس اس مسئلہ پر کہ انسان فطرۃً مجبور ہے یا مختار  
 قرآن مجید سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

اب ہم دوسرے پہلو سے قرآن مجید پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جسطرح خداوند تعالیٰ نے

انسان کے افعال کو اپنی علت ثابت کرنے کے لیے اپنی طرف منسوب کیا ہو اور  
جایگا فرمایا ہے کہ ہم مجبور و زری دیتے ہیں ہم سمندر میں جہاز تیراتے ہیں اس طرح انسان  
کے افعال کے نتیجوں کو بھی خداوند تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہو اور فرمایا ہے  
قُلْ لِلّٰهِ مَمْلٰکَ الْمُلٰکِ تُؤْتِی الْمُلٰکَ  
مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلٰکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ  
تُعْزِزُ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ سِیْرُکَ  
الْحَیْرِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

کہ دے پیغمبر کے لئے خدا تو مالک الملک ہو جسکو چاہے  
سلطنت جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسکو چاہے  
عزت دے اور جسکو چاہے ذلیل کرے ساری بھلائی  
تیرے ہاتھ میں ہیں بیشک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ جو سبب اپنے علت العلل ہونیکے اپنے معلومات  
یعنی مخلوقات کے تمام حالات کا علم واقعی رکھتا ہو جسکا نام عرف عام میں تقدیر ہوا سنے  
اپنے اُس علم واقعی کے سمجھانے کیلئے انسانی افعال کے نتیجوں کو اپنی طرف منسوب  
کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم سلطنت دیتے ہیں اور ہم چھین لیتے ہیں ہم عزت دیتے ہیں اور  
ہم ذلیل کرتے ہیں لیکن اس اظہار علم سے انسان کا مجبور ہونا ثابت نہیں ہوتا خدا  
کا علم اور چیز ہے اور مجبوری اور چیز ہے اب اسکے بعد ہم قرآن مجید کے صرف الفاظ  
اور اسکے مفہوم پر غور کرتے ہیں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْہُمْ  
ءَاذُنٌ مَّرْفُوعَةٌ لَّمْ یَسْمَعُوْا وَاَعْمٰی  
لَهُمْ سُرْمٌ لِّمْ یَّرٰوْا اِنَّہُمْ  
حٰکِمٌ اِنَّہُمْ عَلٰی قُلُوْبِہُمْ وَاَعْمٰی لَہُمْ

اے پیغمبر جن لوگوں نے (قبول اسلام سے) انکار کیا اُنکے  
حق میں کیساں ہو کہ تم اُنکو (خدا) اب کسی سے ڈراؤ یا  
نہ ڈراؤ وہ تو ایمان لانے والے ہیں نہیں اُنکے دل پر اور



عَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ  
 (پڑا) ہے اور آخرت میں اُنکو بڑا عذاب ہونا ہے۔

لیکن قبل اسکے کہ ہم الفاظ قرآنی سے بحث کریں پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ چونکہ قرآن مجید انسان کی ہدایت کیلئے انسان کی زبان میں اور اہل عرب کی بول چال میں نازل ہوا ہے پس ضروریہ ہے کہ کلام مجید کا سیاق و سباق یعنی طرز کلام بھی ایسا ہو جسکو ایک فصیح بلیغ انسان اپنے ادلے مطلب کے لیے اختیار کیا کرتا ہے کیونکہ اگر اُسکے خلاف ہوگا تو انسان اُسکو کیونکر سمجھ سکیگا اس بات کو مد نظر رکھ کر اب الفاظ قرآن کو ہم دیکھتے ہیں تو اُس میں ایک جملہ ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ یعنی آخرت میں اُنکو بڑا عذاب ہونا ہو یہ خدا کی طرف سے کافروں کے حق میں پیشین گوئی ہے اور اپنے علم واقعی کا اظہار اس سے انسان کا مجبور ہونا ثابت نہیں ہوتا دوسرا جملہ یہ ہے حَتَّقُوا اللَّهَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ یعنی اُنکے دلوں پر اور کانوں پر اللہ نے مہر کر دی ہو اور اُنکی آنکھوں پر پردہ (پڑا) ہے یہ کافروں کی اُس حالت کا بیان ہے جو اُنھوں نے قوائے ملکیت کو بیکار چھوڑ دینے سے حاصل کی ہو اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شفیق باپ اپنے نا اہل بذات بیٹوں کو عمدہ باتیں اختیار کرنے اور ناشائستہ باتیں چھوڑنے کی نصیحت کرتا ہو مگر اُسکے نا اہل بیٹے اُسکی سچی بات اور عمدہ نصیحت پر بالکل کان نہیں دھرتے اس حالت کو دیکھ کر وہ بخفا ہوتا ہے اور کہتا ہو کہ ان بذاتوں نا اہلوں کو لاکھ نصیحت کر دیا نہ کرو وہ کبھی

کان نہیں دھرنے کے اُنکے دل پتھر کے اُنکی آنکھیں اندھی اور کان بہرے میں خدانے اُنکے دلوں پر فضل لگا دیا ہوا آنکھوں پر پردے پڑ گئے ہیں۔ اس بیان سے کوئی عاقل آدمی یہ ہرگز نہیں سمجھ سکتا کہ اُس شخص نے یا خدا نے اُسکے بدذات نا اہل بیٹوں کے دل پر درحقیقت کوئی لوہے کا بھاری قفل یا چپر پڑے کی مہر کر دی ہے یا کوئی ٹاٹ کا پردہ ڈال دیا ہے اور اب وہ نا اہل بیٹے ان بد افعالیوں کے کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

غرض اُلٹ پلٹ کر قرآن مجید پر کسی حیثیت سے نظر ڈالو انسان کا مجبور ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اصل تو یہ ہو کہ مسئلہ جبر و اختیار کا بڑا تعلق انسان کی فطرت اور عقل سلیم سے جو باتیں کہ عقل سلیم اور فطرت انسانی سے انسان کے مجبور یا مختار ہونے کی نسبت ثابت ہوں ان پر قرآن مجید سے ایک طرح پر استدلال ہو سکتا ہو لیکن انسان کے مجبور محض یا مختار ہونے پر قرآن مجید سے استدلال کرنا صحیح نہیں اسلیے مذہبی طریقے سے قطع نظر کر کے اب ہم عقل و فطرت کی میزان سے اس مسئلہ کو جانچتے ہیں فطرت انسانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہو کہ مجبوری انسان کی دو طرح ہر ہوا اول مجبوری طبعی یعنی انسان اپنی فطرت کی وجہ سے بعض افعال یا ترک افعال میں مجبور ہے اس قسم کی مجبوری میں تمام دنیا کی چیزیں شامل ہیں کیونکہ اُنکی بھی ایک فطرت ہو مثلاً معدنی اور ثقیل چیزیں ہوا میں نہیں اُڑتیں پانی ہوا کے اوپر نہیں رہتا مچھلی زمین پر زندہ نہیں رہتی انسان ہوا پر نہیں اُڑا کرتا اسی طرح جب ہم انسان کے توالے طبعی اور ترکیب اعضا کی جانچ کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہو



اصل یہ ہے کہ خدا نے انسان میں ایک قوت ارادہ پیدا کی ہے یہ قوت خاص اسباب اور موقعوں کے پیش آنے سے خود بخود حرکت میں آتی ہے اسی کے مقابل میں خدا نے ایک دوسری قوت پیدا کی ہے جسکو قوت اجتناب کہتے ہیں یہ قوت بھی پہلی قوت ارادہ کے روکنے میں اور مقابلہ کرنے میں سرگرم رہا کرتی ہے اور خاص اسباب اور موقعوں کے پیش آنے سے تحریک میں آتی ہے ان دونوں قوتوں کی لڑائی برابر قائم رہتی ہے یہ دونوں قوتیں فطری ہیں اور ان دونوں قوتوں کا کمزور یا زور ہونا بھی فطری ہے اسباب اور موقعوں کا پیش آنا بھی قانون قدرت کے مطابق فطری ہے اور جو نتیجہ کہ ان دونوں قوتوں کے عمل میں آنے سے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی فطری ہوتے ہیں انسان کو اُس میں کچھ مداخلت اور اختیار نہیں ہے لیکن سوا اُس کے انسان میں ایک اور چیز بھی ہے جو حق و باطل اور نیک و بد میں تمیز کرتی ہے اور ان قوتوں پر اپنا حکم جاری کرتی ہے جسکا نام کائنات اور نورایمان ہے لیکن بعض اوقات یہ قوت بھی اُنھیں قومی یا ملکی یا تمدنی موافقت اور بچپن کی تربیت اور صحبت و عادت وغیرہ کی تاثیروں سے متاثر ہو کر دو متضاد باتوں کے رنگ سے رنگ جاتی ہے جس طرح ایک مسلمان بُت کو سجدہ کرنا نورایمان کے بالکل خلاف جانتا ہے اُسی طرح ایک بُت پرست اُسکو نور دھرم کے موافق سمجھتا ہے اسی لیے خداوند تعالیٰ نے اس قوت سے بھی بالاتر ایک قوت انسان کو عطا کی ہے جسکا نام نور قلب اور الہام فطرت ہے جسکی وجہ سے انسان تمام قومی

ملکی تمدنی بندشیں تو زکا اور تمام بچپن کی تربیت عادت اور صحبت کی تاثیروں کو دبا کر اور حق و باطل میں تمیز کر کے خاص غلبہ اور تسلط حاصل کر سکتا ہے بہت سے لوگوں کی مثالیں موجود ہیں کہ باوجود اسکے کہ انھوں نے ایک خاص قوم کی رسوم و عادات میں تربیت پائی اور انھیں عادتوں صحبتوں اور ملکی و تمدنی موانست کے مخالف آب و ہوا میں انکی پرورش ہوئی مگر انھوں نے غور و فکر کے ساتھ الہامِ فطرت کے نور سے کام لیا اور ان بندشوں اور تاثیروں سے اپنے کو آزاد کیا اور لوگوں کی آزادی میں کوشش کی اسی قوت نے حضرت ابراہیم کی رہنمائی کی اور بتوں سے انگو بیزا کر کے دینِ حنیف کی برکتوں سے مالا مال کیا۔

خیر یہ تو فطری شہادتیں اور تاریخی روایتیں ہیں لیکن اب ہم صرف عقلِ سلیم سے اس مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو ہیکہ اول نظر ہی میں معلوم ہو جاتا ہے کہ انسان کا مختار ہونا بالکل مشاہدہ اور بہت کے موافق ہے اور ہر شخص اپنے اختیار پر دل سے یقین رکھتا ہے یہ اور بات ہے کہ محض سخن پروری اور کج بخشی کی نظر سے کٹ جتیاں کرے انسان کے تمام افعال اور اقوال سے بھی اسکے مختار ہونے کا پورا ثبوت ہوتا ہے رات دن کوئی آدمی کسی آدمی کو حکم دیتا ہے کوئی کسی سے کچھ مانگتا ہے کوئی کسی پر خفا ہوتا ہے لیکن جو صدمہ کسی قدرتی سبب سے انسان کو پہنچ جاتا ہے اُس سے وہ آزر و خاطر تو ہوتا ہے مگر اُس پر غصہ نہیں کرتا یہ سب باتیں انسان کے مختار ہونے کی یہی شہادتیں ہیں انسان کا مختار ہونا کسی دلیل کا

محتاج ہی نہیں لیکن برخلاف اسکے انسان کا مجبور ہونا البتہ بہت کچھ دلیل کا محتاج ہے اور خلا  
بہت و مشاہدہ کے ہے مولانا روم صاحبؒ نے کیا خوب فرمایا ہے اور کیا خوب مثال  
دی ہے وہ فرماتے ہیں ۵

منکرِ حس نیست آن مردِ مد  
فعلِ حق حصّے نباشد ای پسر  
منکرِ فعلِ حسدِ او نہ جلیل  
ہست در انکار مدلولِ دلیل

یعنی مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ دنیا موجود ہے اور آپ ہی آپ پیدا ہو گئی ہے  
کوئی اسکا خالق نہیں دوسرا کہتا ہے کہ سرے سے دنیا ہی کا وجود نہیں ان دونوں  
میں سے احمق کون ہوا مولانا فرماتے ہیں کہ جانور تک جبر و قدر کا مسئلہ جانتے ہیں  
اگر کوئی شخص ایک کتے کو دور سے پتھر پھینچے مائے تو گوچٹ کتے کو پتھر سے لگی ہے  
مگر کتا پتھر پر حملہ نہیں کرتا بلکہ پتھر پھینکنے والے پر جبکہ وہ مختار سمجھتا ہے حملہ آور ہوتا ہے  
غرض انسان کا مختار ہونا بالبداهت ثابت ہے اور اسی اختیار کی وجہ سے انسان  
سعادت یا شقاوت کو اکتساب کرتا ہے اور اسی سعادت و شقاوت کے اکتساب کے  
موافق انسان سختیِ ثواب یا لائقِ عذاب ہوتا ہے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ | وَهِيَ اَيُّهَا تَقْبَلُ جَزَاءُ رِغْوَانِ كَمَا يَدَّ اُنْفُسُ  
وَلَا يَخْلَعُ مَوْلَاكَ سَبِيحُمْ | ہے اور جو تم کا اودھ تھا اے لیے ہے

اس آیت میں اُسی اکتسابِ سعادت و شقاوت کی طرف اشارہ ہے ۵  
حکیم گفت کہ تقدیر سابق ست و لے بیہج حال تو تدبیر خود نر و مگذار

اگر موافق حکمِ قصص است تدبیرت      بکام دل شدی از کار خویش بسخود  
وگر مخالف آنست اُردت مغذور      کسیکہ دار و زانو ارعستل تنظار

## سعادت و شقاوت اور عذاب

### و ثواب کا بین

سوال - کتاب سعادت و شقاوت کیا چیز ہے اور عذاب و ثواب سے کیا مراد ہے؟  
جواب - کتاب اور کسب کے معنی ہیں کسی چیز کو کسی ذریعہ سے حاصل کرنا جس کو  
کمانا کہتے ہیں سعادت سے مراد تکمیلِ نفس ہے جو اخلاقِ حمیدہ سے حاصل ہوتی  
ہو اور شقاوت انسان کی رذائلِ نفس میں رنگ جانے سے مراد ہے خداوند تعالیٰ نے  
انسان کو مختلف سعادتوں یعنی کمالات کا مجموعہ بنایا ہے بعض کمالات نوعی صورت  
سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض اسکی جنس سے ان کمالات میں انسان کے ساتھ اور موجود  
عالم بھی شریک ہیں مثلاً قد کا دراز ہونا جسم کا تناسب اور خوبصورت ہونا چہرے پر تازگی  
ہونا یہ سعادت کے اوصاف کم و بیش نباتات اور جمادات وغیرہ میں بھی پائے جاتے ہیں  
بعض سعادتیں انسان اور حیوان میں مشترک ہیں جیسے زور آور ہونا بلند آواز سی اور  
جرات و شجاعت وغیرہ کا ہونا بعض سعادتیں نوع انسان کے ساتھ مخصوص ہیں

جیسے قوت انتظام تدابیر ملکی فنون و صناعات کی استعداد تہذیب اخلاق وغیرہ لیکن ان سعادتون کو اصلی سعادت نہیں کہہ سکتے البتہ انکو بالعرض سعادت کہہ سکتے ہیں اصلی اور حقیقی سعادت انسانی یہ ہے کہ تمام خواہشات تہذیب اخلاق کی تابع ہوں اور تہذیب اخلاق پاکیزگی نفس کے مطیع ہو اور نفس پر عقل کی حکومت ہو اور عقل کا میلان روح حقیقی کے فیضان کی طرف ہے یعنی قوے ملکیہ اور قوے بہیمیہ اپنے اپنے اعتدال پر قائم رہیں انہیں سے کوئی بیکار اور ایک دوسرے کا مخالف نہواختلاف سعادت کے اعتبار سے لوگون کی مختلف حالتیں ہوا کرتی ہیں بعض لوگون کی فطر سعادت کے وجود کے مخالف ہوتی ہے انکی اصلاح اور دستی کی کوئی اُمید ہی نہیں ہو سکتی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اَلشَّيْءُ مَنْ شَغَى فِي بَطْنِ اُمِّهِ | بدبخت مان کے پیٹ سے بدبخت پیدا ہوتا ہے۔

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ | ابھ گئے اندھے کہہ کستی میر سے پھر در راہ رست نہین سکتے

بعض لوگون کی فطرت میں سعادت قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے مگر وہ بدبختی بے تربیتی جہالت اور قومی و ملکی اور تمدنی رسومات اور تعصبات کی وجہ سے ایسی تیرہ و تار ہو جاتی ہے کہ اس استعداد کے معدوم ہو جانے کا گمان ہوتا ہے لیکن جب کوئی با اثر روشن ضمیر آدمی بار بار انکو متنبہ کرے سخت سخت یا سختیں اور مجاہدے اُنسے کرائے اور اعمال پر مداومت کی تاکید رکھے تو انہیں حقیقی سعادت کی روشنی کی



جھلک پیدا ہوتی ہے اور استعداد کے مراتب کے لحاظ سے وہ ترقی کرتی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ روح پر اُسکا اثر قائم ہوتا جاتا ہے اس قسم کے لوگوں کے لیے انبیاء کی تبلیغ پیدا کرنے والی دعوت اور اُنکی مذہبی ہدایات کی ضرورت ہوا کرتی ہے بعثت انبیاء سے زیادہ تربیتی لوگ مقصود ہوا کرتے ہیں بعض لوگوں کی فطرت میں سعادت انسانی کی مصیبت اجمالی طور پر موجود ہوتی ہے اور اُننے سعادت کے انوار درخشان ہوا کرتے ہیں لیکن سعادت کے مدارج اور اُنکی تفصیلی امو کے سمجھنے میں وہ ایک راہنما کے محتاج ہوتے ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ | قرآن مجید کا اُسکا رُغن و شبنم ہونا ہے اگرچہ اُسکو آگ بھی دہلی ہو، تمام انسانوں سے بڑھ کر انبیاء کا درجہ ہر حقیقی سعادت سے سراپا معمور ہوتے ہیں وہ کمالات سعادت کو عمل میں لا کر افراد انسانی کی مصلحت کلی کے مناسب اُنکی مہتوں کو قائم کرتے ہیں غرض سعادت کے کمالات اور اُسکے مدارج تو معلوم ہو گئے اب کتاب سعادت یا تفاوت کو سمجھنا چاہیے جو لوگ کہ پاکیزہ نفس رکھتے ہیں اور اخلاق حمیدہ اور صفات پسندیدہ سے موصوف ہوتے ہیں یا جو لوگ نہایت نجس ناپاک سو رکھتی طرح ہوتے ہیں اور زایل خصلتیں رکھتے ہیں ان اخلاق کا اثر اُنکے اعضا میں سے کسی عضو میں نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ اثر انسان کے اعضا میں ہوا کرتا تو کسی عضو کے جدا ہونا سے وہ انسان سے علیحدہ ہو جایا کرتا علاوہ اسکے انسان کے جسم کے تمام اجزا تبدیل و تحلیل ہوتے رہتے ہیں یہاں تک کہ چند روز میں انسان کا جسم بالکل نیا ہو جاتا ہے اگر اخلاق کا اثر انسان کے جسم پر ہوتا تو انسان تھوڑے عرصے کے بعد اخلاق سے

بالکل معرا ہوجاتا پس معلوم ہوا کہ اخلاق کا اثر انسان کی روح پر ہوتا ہے اور وہی علمی خلتی مرکز ہے ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ روح حقیقی کا تعلق نسمہ سے یعنی اُن بنجارا سے ہوتا ہے جو اخلاط سے پیدا ہوتے ہیں اور باعث زندگی ہیں اور نسمہ کا تعلق بدن سے ہوتا ہے پس روح جب نسمہ میں سرایت کرتی ہے تو وہ اصول کیمیائی کے مطابق ایک اور قسم کا جسم حاصل کر لیتی ہے جس کا اُس پہلے جسم سے اس خصوصیت کے سبب مختلف ہونا لازمی ہے یہ جسم انسان کے نیک بد اعمال کے اثر سے داغدار ہوتا رہتا ہے جس طرح ایک سفید کپڑے پر مختلف رنگ کی چھینٹیں پڑ جائیں اور اسکی حالت تبدیل ہو جائے بلکہ یوں سمجھو کہ جس طرح فوٹو گراف کی کیمری میں پلیٹ رکھی ہو اُسکے سامنے جو چیزیں آجائیں گی اُنکا نقش اُس پلیٹ پر جتنا جائے گا اسی طرح جو نیک و بد اعمال انسان سے عمل میں آتے رہتے ہیں فوراً اُنکا اثر روح میں جتنا جاتا ہے اور اُن اثرات سے روح کی حالت تبدیل ہوتی رہتی ہے جب تک کہ روح انسان کے جسم میں موجود ہے اور مختلف شغلوں میں لگی ہوئی ہے اُسوقت تک اُن اثرات کے نتیجے جو روح نے کمائے ہیں پورے طور پر محسوس نہیں ہوتے مگر جب وہ انسان کے جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور سب مشاغل زندگی جاتے رہتے ہیں تو اُن اثرات کے اچھے یا برے نتیجے پورے طور پر محسوس ہونے لگتے ہیں اسی حالت کو خداوند تعالیٰ نے ثواب اور عذاب یعنی جزا اور سزا کے اعمال کے نام سے ظاہر کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے،

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۖ  
جس نے ایک ذرہ برابر نیکی کی وہ بھی دیکھ لے گا اور جس نے

وَمَنْ يَعْصِ مُنْقَالَ ذِكْرٍ خَيْرٌ مِّنْ ذِكْرِكَ - ذرہ برابر برائی کی وہ بھی دیکھ لے گا۔

خداوند تعالیٰ نے جن جن باتوں کا انسان کو حکم کیا ہے یا جن جن باتوں سے روکا ہے اُنکے کرنے میں سرسرا انسان کی بھلائی اور اُنکے نہ کرنے میں اُسی کا نقصان اور اُسی خرابی ہے خدا کی رضامندی یا نارضامندی کا انسان کی رضامندی یا نارضامندی پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے خدا حقیقت نہ راضی ہوتا ہے نہ ناراض جو کچھ لوگ کرتے ہیں وہ اپنے لیے آپ کرتے ہیں عذاب و ثواب کو معلق سمجھنا اور یہ کہنا کہ بعد کو خدا ثواب یا عذاب دیکھا صحیح نہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ | جو شخص ہدایت مانا ہے تو اپنے نفس کے لیے  
وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهِ - اور جو گمراہ ہوتا ہے تو وہ اپنے نفس کی طرف۔

امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بسطح خدا نے شفا کے لیے ایک سبب بنایا ہے سبط سعادۃ کے لیے طاعت کو سبب بنایا ہے اور نفس کو مجاہدہ کے ذریعہ سے (جو رذیل عادتوں سے محفوظ رکھے) خواہش نفسانی سے روکنا نجات دینے والی چیزوں میں ہے اور رذیل عادتیں ہلاک کرنے والی چیزوں میں ہیں گناہ اخروی زندگی کے حق میں ایسے ہیں جیسے دنیاوی زندگی کے حق میں نہر۔ خدا کا کوئی حکم دنیا یا منع کرنا اسطرح کا نہیں ہے جسطرح کوئی مالک اپنے غلام کو کوئی حکم دیتا ہے یا کسی کام سے منع کرتا ہے کیونکہ اس میں تو مالک کی غرض کوئی نہ کوئی متعلق ہوا کرتی ہے بلکہ خدا کا کوئی حکم دنیا یا منع کرنا اسطرح کا ہے جیسے کوئی طبیب بیمار کو

کوئی حکم دیتا ہے یا کسی چیز سے منع کرتا ہو مثلاً غلبہ حرارت میں سرد چیزوں کا حکم دیتا ہے حالانکہ طبیب کو اُس چیز کے پینے سے کچھ فائدہ نہیں اگر بیمار طبیب کا کہنا نہ مانے تو طبیب کا کچھ نقصان نہیں فائدہ اور نقصان جو کچھ ہے وہ بیمار کا ہے طبیب تو صرف ایک انسان ہے بیمار کا زندہ رہنا یا مر جانا طبیب کے لیے یکسان ہے کیونکہ وہ بیمار کی زندگی و موت دونوں سے مستغنی ہے انبیاء علیہم السلام روح کے طبیب ہیں لوگوں کو تزکیہ قلب کے طریقے سے بھلائی کا رستہ بتلاتے ہیں جیسا کہ خداے تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ رَزَقَهُ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّهَا  
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا  
اللَّهُ يَقْلِبُ سَلِيمٌ

کامیاب ہوا جس نے اُسکو پاک کیا اور ناکام ہوا جس نے اُسکو جہاں کیا  
اُس دن مال ہی کام آئے گا اور نہ بیٹے ہی کام آئیں گے مگر ایمان  
اُسکی نجات ہوگی، جو پاک دل لیکر خدا کے حضور میں حاضر ہوگا۔

پس ظاہر ہے کہ نجات نہیں پاتا مگر وہ شخص جو خدا کے سامنے قلب سلیم لیکر آئے  
حسب طرح کس صحت نہیں پاتا مگر وہ شخص جو مزاج میں اعتدال رکھتا ہو حسب طرح طبیب کا  
یہ کہنا صحیح ہے کہ میں نے تجھ کو بتا دیا کہ فلان چیز مضر ہے اور فلان چیز مفید پس اگر تو بیمار  
کہنا مانے گا تو اپنے لیے اور اگر نہ مانے گا تو اپنے لیے اس طرح خداے تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ  
إِسَاءَ فَعَلَيْهَا۔

جو شخص نیچے عمل کرتا ہے وہ اپنے لیے اور جو شخص برے  
کام کرتا ہے وہ اپنے لیے۔

وَأَقْبُوا يَوْمَ لَا يَنْجِي نَفْسًا عَنْ نَفْسٍ  
أُسْدَنُ دِينَ رَوْضِيَاتٍ (ڈرو کہ کوئی شخص کسی شخص کے

شَيْئًا وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةً ۚ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ -  
 کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ اُسکی طرف سے (کسی کی ہمتا) قبول ہوا اور نہ اُس سے (کسی طرح کا) کچھ معاوضہ لیا جائے اور نہ لوگوں کو دیکھین سے کچھ مدد پہونچے۔

اَسْئِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ - | دُرُودِے پیغمبر اپنے کنبے والوں کو اور اقربا کو۔  
 جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عباس چچا اور اے صفیہ بھوپھی اور اے فاطمہؓ محمدؐ کی بیٹی خدا کے نزدیک میں تمھارے کچھ کام نہ آؤنگا مگر میرا عمل مفید ہوگا اور تمکو تمھارا۔

## گناہوں کا معاف ہونا اور شرک کا نہ معاف ہونا

سوال۔ سعادت و شقاوت اور عذاب و ثواب کی حقیقت تو معلوم ہوئی لیکن گناہوں کے معاف ہونے اور شرک کے نہ معاف ہونے سے کیا مراد ہے کیونکہ روح جن اثرون کو قبول کرتی ہے اور جن سے اُسکا جسم داغدار ہو جایا کرتا ہے اگر اس حالت سے روح کا نکلنا ممکن نہیں تو پھر گناہوں کے معاف ہونے سے یعنی مغفرت سے کیا مقصود ہے اور اگر اس حالت سے روح کا نکلنا ممکن ہے تو شرک کے نہ معاف ہونے کی کیا وجہ ہے۔

جواب۔ روح جو ایک لطیف جوہر ذی تعقل و ذی ارادہ ہے اُسکو اپنی لطافت و صفات ذاتی کی وجہ سے علت العلل مبداء فیاض یعنی خدا کے ساتھ ایک خاص

خصوصیت ہے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

تَفَحَّطْ فِيهِ مِنْ رَوْحِي | بھونکی میں نے اُسمین اپنی روح۔

خدائے روح کی نسبت جو اپنے ساتھ کی ہے وہ گویا روح کی خیز کی طرف اشارہ ہے ہم تمام موجودات میں دیکھتے ہیں کہ اُنکو بالطبع اپنے خیز کی طرف میلان ہوا کرتا ہے مثلاً ہم پتھر کو جب اوپر کی طرف زور سے پھینکتے ہیں تو وہ اس قدر تیزی سے اوپر کی طرف نہیں جاتا جب قدر وہ تیزی سے اپنی خیز کی طرف پلٹتا ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ روح کو بھی اپنی خیز کی طرف میلان نہ ہو کیونکہ اس میلان کا مقصد وحشت و سکون ہے اور جب تک کہ کوئی شے اپنے خیز پر نہ پھونچے اُس وقت تک اُسکو نہ ظاہرِ عالم لازمی ہے اور برابر قائم رہتا ہے پس انسان نے اگر اخلاق پاکیزہ و اِعمالِ نیک حاصل کیے ہیں جو لطافتِ روح کے مخالف نہیں ہیں تو روح کو اپنے خیز تک یہ پہنچنے میں کچھ وقت نہیں ہوتی اور اگر انسان نے ذلیل خصلتیں حاصل کی ہیں جو لطافتِ روح کے مخالف ہیں تو اُسکو اپنے خیز تک پہنچنے میں دشواری ہوتی ہے اور وہ اپنے کو اُن بد اثر وں سے پاک کرنا چاہتی ہے پس اگر اُن بد اثر وں کا اکتساب ایسا کمزور ہے کہ اُسپر لطافتِ روح غالب آسکتی ہے تو بعد غلبہ کے روح اُن بد اثر وں سے بریت حاصل کر لیتی ہے اسی کا نام مغفرت یعنی گناہوں کا معاف ہونا ہے اور اگر وہ اکتساب ایسا ہے کہ اُسے روح کی لطافت کو بالکل کشید اور روح کو ایسا ضعیف کر دیا ہے کہ وہ اُن بد اثر وں پر غالب نہیں آسکتی

تو ہمیشہ روح اپنے خیز سے جدا اضطراب و الم کی حالت میں جو اُسکے لیے لازمی ہے مبتلا رہتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کم خبر دی ہے کہ شرک ہی ایک ایسی چیز ہے کہ وہ روح کو ایسا کثیف اور ضعیف کر دیتا ہے کہ پھر وہ روح کسی طرح اُن بد اثروں پر غالب نہیں آسکتی اور ہمیشہ اپنے خیز سے جدا اضطراب و الم میں مبتلا رہا کرتی ہے اسی کا نام عدم مغفرت ہے یعنی شرک کا نہ معاف ہونا چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ | حَقِيقَتِ مِیْنِ الدِّنِیْنِ نَخْشَہُ کَا مُشْرِکٍ اَوْرِیْخَہُ کَا  
سولے اُسکے۔

عرض بعد قیامت حشر کے دن موحدین نجات پائیں گے بہشت میں جائیں گے اور مشرکین معذب ہوں گے اور دوزخ میں رہیں گے۔

## قیامت کا بیان

سوال۔ قیامت کیا چیز ہے اور وہ کیوں واقع ہوگی۔

جواب۔ حدیث میں آیا ہے کہ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہُ جب آدمی مر گیا اسی وقت اُسکی قیامت قائم ہو گئی جو حالت انسان پر مرنے کے وقت گذرتی ہے اُسکو خداوند تعالیٰ ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔

يَسْأَلُ آتَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِذَا | پوچھتا ہے کہ بھلا روز قیامت کب ہوگا؟ تو جب

(اُسے ہیبت کے) آنکھیں پتھر جیسا بنیں اور چاند گنا جائے اور سورج و چاند و نون یک جا کر نیچے جائیں اُس دن آدمی بول اٹھیں گا کہ اب کدھر کو بھاگ کر جائیں سو رہے آدمی بھاگتا تو ہونہیں سکیگا (اُس دن) کہیں پناہ نہیں (اور) اُس دن ٹھکانا (ہو گا تو) تیرے پروردگار نہ ہی کے پاس ہو گا اُس دن انسان کو تباہ یا بچائے گا کہ کیسے اعمال اُس نے (پہلے سے زادِ آخرت بنا کر) بھیجے ہیں اور کیسے آثارِ دُنیا میں (پہنچے چھوڑ آیا ہے) بلکہ (خود) انسان اپنے مقابلہ میں جت ہے گو وہ (اپنے یقین بے تصورات کر کے) یہ کہنے لگے ہاں بے بیش لایا کرے۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ  
وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يَقُولُ  
الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ  
كَلَّا وَاَنْزَلْنَاهُ اِلَى رَاسِهِ  
يَوْمَئِذٍ لِّلْمُسْتَقَرِّ يَتَّبِقُو  
الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ  
بِمَا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ بَلِ  
الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ  
بَصِيْرٌ وَّلٰوْلَا فِ  
مَعَاذِ رَبِّهٖ ط  
اِسْکے بعد فرماتا ہے۔

اُس دن بہت (لوگوں کے) منہ تر قوازہ (ٹھٹکی لگائے) اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہونگے اور بہتیرے منہ اس دن بے بن رہے ہونگے (کیونکہ وہ) سمجھ رہے ہیں کہ اُنکے ساتھ

وَجُوْهُ يَّسْـُٔوْنَ اَصْحٰهٖ  
اِلٰى رَیْطٰ ظِلِّهٖ  
وَوَجُوْهُ يَّسْـُٔوْنَ بَا سِرِّهٖ

دینا سے لگے سمجھ چکے آؤ گئے بھلے آدمی کے یادگار بچاتے ہیں اُن ہی کی ذات اشارہ ہے یا شاید مطلق تقدیم و تاخیر مراد ہو کہ کسی کام کو جلدی سے وقت پر کیا اور کسی کام کو دیر میں کیا ۱۲ یعنی آنکھ کی روشنی جاتی رہیگی آنکھیں اندر بیٹھ جائیں گی چاند سورج بعض اوقات دن اکٹھے ہو جائیں گے کہ اُسکو کچھ تیز رہے گی کہ دن ہجرات سب چیز دھندلی دکھائی دیگی اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ مرتے وقت انسان کو شام کا وقت دکھائی دیتا ہے ۱۲



تَطُنُّ أَنْ يَفْعَلَ بِهِمَا  
مَافِرَةً كَالْإِذَا  
بَكَغَتِ السَّرَاقِ وَقِيلَ  
مَنْ سَكَتَ رَاقٍ وَطَنَ أَنَّهُ  
الْفِرَاقِ وَالْتَقَتِ  
السَّاقِ بِالسَّاقِ  
لِالْإِسْرَاقِ  
يَوْمَئِذٍ

لِالْمَسَاقِ ط

ایسی سختی کی جائے کہ وہ جو دھمکی، کمر توڑ دے گی سنبھلی !  
جب (جان بدن سے کھینچ لے کر) پہنچتی تک پہنچتی  
اور (مرنے والے کے بیمار دار، چلا اٹھیں گے کہ داسے)  
کوئی جھاڑنے والا ہے ؟ (تو اسکو اکڑ جھاڑے) اور اس  
(بیمار کو قہقہیں ہو جائے گا کہ اب یہ (دنیا سے) مفارقت کا  
کا وقت ہے اور (جان کنی کی حکمت سے ایک دن کی) پینڈ  
(دوسرے پاؤں کی) پینڈی سے پیٹ (پیٹ) جائیگی لے  
شخص جب یہ حالتیں پیش آئیں گی، اُس دن دیکھو اپنے  
پروردگار کی طرف چلنا ہوگا۔

حقیقت صلی قیامت تو انسان کا مرنے لیکن ایک اور قیامت بھی ہے جو اس  
عالم کائنات پر گزرے گی اُس قیامت کی خداوند تعالیٰ نے ان الفاظ میں خبر دی ہے۔

يَوْمَ نَبْدَلُ الْأَرْضَ  
عَنِ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ  
وَنَبْرِزُهَا لِلَّهِ الْوَاحِدِ  
الْقَهَّارِ ط

جب کہ (یہ) زمین بدل کر دوسری طرح کی زمین کر دی جائے گی  
اور (علیٰ ہذا القیاس) آسمان اور (سب) لوگ بدلے  
واحد اور زبردست کے سامنے (جواب دے ہی کے لیے اپنی  
اپنی جگہ سے) نکل کھڑے ہوں گے۔

كَذَا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا  
دَكًّا وَحَبَاءُ رَبِّكَ وَالْمَلَكُ

مگر جس دن زمین مٹے دھکون کے چکنا چور ہو جائے  
اور (یہ) غیر تھرا پروردگار رونق افروز ہوگا اور فرشتے

صَفًّا صَفًّا۔

اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا  
الْكَوَاكِبُ اَنْتَثَرَتْ  
وَاِذَا الْاَبْحَارُ فُجِّرَتْ  
وَاِذَا الْاَنْبُورُ بُعِثَتْ  
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدْ مَتَتْ  
وَآخِرَتْ۔

صف بستہ (اُسکے جلو میں ہوں گے)

جب کہ آسمان پھٹ جائے اور جب ستارے جھڑ پڑیں  
اور جب دہاؤں کو (اُمّی صلی جگہ سے اُچھال کر دوسری  
طرت کو) بہا دیا جائے اور جب قبریں اُٹھا کر دی جائیں  
(اُسوقت) ہر شخص جان لے گا کہ اُس نے کیسے عمل پہلے سے  
(زاد آخرت بنا کر) بھیجے ہیں اور کیسے ستارہ دنیا میں  
پیچھے چھوڑ آیا ہے۔

یہ قیامت ایک ایسا واقعہ ہے جو امور طبعی کے مطابق اس دنیا پر واقع ہوگا  
لیکن یہ کوئی نہیں جان سکتا کہ وہ کب ہوگا خداوند تعالیٰ نے اس طبعی واقعہ  
کو قرآن مجید میں جا بجا مختلف پیرایوں اور مختلف شبیہوں سے اپنی قدرت کاملہ  
کے اظہار اور اپنے کو معجود حقیقی ثابت کرنے کے لیے بیان فرمایا ہے کیونکہ دنیا  
میں نادان لوگ پہاڑوں کی پریشش کیا کرتے تھے دریا کی پوجا ہوا کرتی تھی آگ  
اور ستاروں اور جنوں کی پریشش کیجاتی تھی خدا نے بتا دیا کہ یہ سب چیزیں ایک  
دن فنا یعنی متغیر ہونے والی ہیں اور اُن میں سے کسی کو استحقاقِ عبادت نہیں  
دنیا کا متغیر ہونا یعنی بدل جانا جسکی خداوند تعالیٰ نے خبر دی ہے دو طرح پر  
ہو سکتا ہے ایک یہ کہ اُس چیز کی ذات باقی ہے لیکن اُسکی صفیتیں بدل جائیں  
دوسری صورت یہ کہ وہ چیز خود ہی نہ ہے حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ یہ زمین بلکہ

چمکتی ہوئی چاندی بن جائیگی لیکن حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ زمین سے یہی نہیں  
 مراد ہے مگر اسکی صفتیں تبدیل ہو جائیں گی پہاڑ زمین سے اُڑ جائیں گے دریا بہ نکلیں گے  
 زمین کا نشیب و فراز بجا تار مہیکا اصول سائنس سے ثابت ہوا ہے کہ زمین کا  
 مدار جو آفتاب کے گرد ہے وہ چھوٹا ہوتا جاتا ہے پس ضرور ہے کہ ایک عرصہ دراز  
 کے بعد گو وہ لاکھوں اور کروڑوں برس ہی کیوں نہ ہوں جب مدار زمین گھٹ جائیگا  
 تو دنیا میں ایک عام تہلکہ برپا ہوگا اور زمین درہم برہم ہو جائے گی اسی طرح زمین میں  
 دو حرکتیں ہیں ایک محوری یعنی روزانہ اور دوسری حرکت دوری یا سالانہ دونوں  
 حرکتیں بوجہ گردش کی حرارت میں تبدیل ہوتی جاتی ہیں اور زمین کی تیزی میں کمی آتی  
 جاتی ہے یہ سچ ہے کہ انرجی یعنی مد مقابل پر غالب آنے کی قوت معدوم نہیں ہو سکتی  
 مگر وہ حرارت میں تبدیل ہو سکتی ہے اور انرجی کی حرارت میں تبدیل ہونے سے ایک  
 وقت میں اتھرا کا ٹیپر بچہ جو فضاے عالم میں بھرا ہوا ہے اپنی حد سے تجاوز  
 کر جائے گا اُسوقت یہ دنیا ہنسنے کی جگہ نہین رہیگی اور ضرور ہے کہ کمی حرکت کا آخری  
 نتیجہ یہ ہو کہ سب سیارے کسی وقت میں آفتاب سے ٹکرا جائیں زمین پھٹ جائے پہاڑ  
 ریزے ریزے ہو جائیں بہر حال اس واقعہ طبعی کا زمین پر گزرنا اور اُسکے خواص اور  
 اوصاف کا تبدیل ہونا ضروری ہے اُسوقت جو کچھ ہونا ہوگا وہ ہوگا انسان و حوش  
 و طیور پر جو گزرنا ہے وہ گذر یگار و حون اور ملائکہ پر جو حال پیش آنا ہے وہ آئے گا جسکی  
 خداوند تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ اِنَّ السَّاعَةَ اَتَتْهُ اَكَادُ اخْفِيَتْهَا۔

## حشر اور حساب و کتاب و میزان کا بیان

**سوال** - حشر کیا چیز ہے اور حساب و کتاب سے کیا مراد ہے اور میزان کس طرح قائم کی جائے گی۔

**جواب** - اس قیامت کے بعد حشر و حساب و کتاب و میزان عدل و صراط اور دوزخ اور جنت وغیرہ کے واقعات پیش ہوں گے حشر کے متعلق روایت میں صرف اسی قدر ہے کہ مرنے والے زندہ ہو کر اٹھیں گے یہ کہیں بیان نہیں کیا گیا کہ اٹھا جسم بھی وہی جسم ہو گا جو دنیا میں تھا بات یہ ہے کہ روح جب جسم سے مل جاتی ہے تو خود وہ ایک جسم پیدا کر لیتی ہے اور جب انسان مرنے اور روح اُس سے علیحدہ ہوتی ہے تو اس وقت وہ خود ایک جسم رکھتی ہے چنانچہ اسی بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغین فرماتے ہیں کہ

لَکِنَّتِ حَیْوَةً مُّسْتَأْنَفَةً اَتَمَّاهِی	یعنی حشر میں کوئی نئی زندگی نہیں ہے بلکہ وہ اسی پہلے
تَحَقُّقُ النِّشَاةِ الْمُتَقَدِّمَةِ بِمَنْزِلَةِ	زندگی کا تتمہ ہے جس طرح زیادہ کھا جانے سے بھٹی
النَّخْمَةِ لَکِنَّهُ اَکْلٌ	ہو جاتی ہے۔

لیکن بعد میں ایک گروہ نکلیں گا پیدا ہوا اُسے اتنا اور اضافہ کیا کہ حشر میں وہی جسم ہو گا جو دنیا میں تھا اور وہی صورت ہو گی اس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ اول تو معدوم کا اعادہ ہونا محال ہے دوسرے یہ کہ دنیا میں مثلاً ایک آدم خوار آدمی نے ایک

آدمی کو مار کر کھالیا اور اُس مقتول کے بدن کے اجزا اس آدم خوار آدمی کے اجزا بدن میں شامل ہو کر ایک ہو گئے تو اُس حالت میں اگر قاتل کا جسم حشر میں وہی ہو گا جو دنیا میں تھا تو مقتول کا جسم وہی جسم نہیں ہو سکتا اس بات کے لوگوں نے بہت سے ضعیف اور مشکوک جواب دیے ہیں مگر بقول امام غزالی رحمہ اللہ یہی ہے کہ مرنے والے ہو کر حشر میں اُنھیں گے اُنکے جسموں کا وہی جسم ہونا ضرور نہیں امام صاحب کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں۔ ”شرط اعادہ آن نیست کہ ہاں قالب کہ داشته است بوسے باز و ہند کہ قالب مرکب است اگرچہ اسپ بدل افتد سوار ہاں باشد و از کوفتے تا پیرے خود بدل افتادہ باشد اجزائے آن با جزائے غدا لے دیگر و او ہاں بود“ یعنی حشر کے دن پیدا ہونے میں اُنھیں جسموں کا اعادہ ضروری نہیں ہے اس لیے کہ جسم تو ایک سواری ہے اگر گھوڑا بدل جائے تو اُس سے سوار کا بدل جانا لازم نہیں آتا بیچین سے بڑھاپے تک خود انسان تبدیل ہوتا رہتا ہے اُسکے بدن کے اجزا غذا کے اجزا سے ملتے رہتے ہیں لیکن انسان وہی انسان رہتا ہے روز حشر کے متعلق حساب و کتاب ہونا بھی بیان کیا گیا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

تیمر دہائے (جو کیدار) تعینات (ہیں) یعنی کراۃ کا تبیین  
(فرشتے) جو کچھ بھی تم کرتے ہو اُن کو معلوم رہتا ہے۔

وَاِنَّ عَلٰیكُمْ لِحَافِظٰیْنَ ۚ كِرَآ مَا كَاتَبْتُمْ  
بِعٰمِلِكُمْ ۚ مَا تَفْعَلُوْنَ

کراۃ کا تبیین کے پہلی معنی ہیں گرامی قدر لکھنے والے۔ دو فرشتے اعمالِ نیک و بد کے لکھنے کے لیے انسان پر تعینات ہیں

کراۃ کا تبیین تو حقیقت اُن فرشتوں کی صفت تھی مگر اب صفت بجائے اُن فرشتوں کے نام کی استعمال کی جاتی ہے ۱۲

وَنَضْعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ  
وَلَا تَظْلُمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ  
مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا  
وَكُفًى يَتَذَكَّرُ فِيهَا مَنِ اسْتَرَفَ

اور قیامت کے دن (لوگوں کے اعمال کو تولنے کے لیے) ہم  
سچی ڈنڈیاں لگا دیں گے تو کسی شخص پر بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر  
رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا عمل ہوگا تو ہم اس کو بھی  
(تولنے کے لیے) لاموجود کر دیں گے اور حساب لینے کو ہم دیکھ لیں گے

بیان کوئی حقیقی سمجھے یا تمثیلی لیکن جب ہم قرآن مجید میں یہ پڑھتے ہیں۔

وَهُوَ يَكْمُلُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا فِي  
أَنْفُسِكُمْ وَلَنْ يُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ  
أَوْ يُخَفُّوهُ بِحَسَابٍ كُتُبِهِ اللَّهُ

وہ جانتا ہے تمہارے باطن کو اور تمہارے ظاہر کو اور جانتا  
ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور اگر ظاہر کرو جو تمہارے دلوں میں  
ہے یا چھپاؤ تم اس کو تو امد تم سے اس کا حساب لیگا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو نہ کسی لکھنے والے کی حاجت ہے اور نہ کوئی شے اس سے  
منحفی ہے قطع نظر اس کے اعمال کوئی جسم نہیں رکھتے جو انکا ہلکا یا بھاری پن ترازو سے  
معلوم کیا جائے تو اس سے یقین ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کو بطور تمثیل صرف اس بات کا  
جتنا مقصود ہے کہ جو کچھ انسان اپنی زندگی میں اچھے یا بُرے اعمال کرتے ہیں انہیں  
سے کوئی بھی ضائع نہ جائے گا اور اپنے عدل کے ترازو سے انکی کمی و زیادتی کو  
ظاہر کر دیگا۔ امام غزالی رحمہ اللہ اپنی کتاب المصنوعین میں لکھتے ہیں کہ اس دنیا میں تقیل  
چیزوں کے تولنے کے لیے پلڑے دار ترازو ہے آسمانوں کی حرکت اور وقت دریا  
کرنے کے لیے میزان شمس یعنی آفتاب کی ترازو ہے سطروں کے اندازے کی ترازو  
مسطرہ ہے اور شعروں کی ترازو علم عروض ہے اور آوازیں یعنی گانے کی ترازو علم موسیقی ہے

پس خدا کو اختیار ہے کہ اعمال کے اندازے کی ترازو کو مجسم کر دے یا صرف خیال میں اسکی تمثیل قائم کر دے امام صاحب اپنی کتاب التفرقہ بین الاسلام والزندقہ میں لکھتے ہیں کہ تصدیق کے معنی یہ ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کے وجود کی خبر دی ہے اُسکے وجود کو تسلیم کیا جائے لیکن وجود کی پانچ قسمیں یعنی درجہ ہیں اور انھیں قسموں اور درجوں سے ناواقف ہونے کے سبب سے ایک فرقہ دوسرے فرقے کی تکذیب کرتا ہے اسلئے میں وجود کے پانچوں قسموں کی تفصیل کرتا ہوں۔

(۱) وجود ذاتی یعنی جو وجود خارج میں موجود ہو۔

(۲) وجود حسی یعنی جو وجود صرف حاسہ میں موجود ہو مثلاً خواب میں جن چیزوں کو ہم دیکھتے ہیں انکا وجود ہمارے حاسہ میں موجود ہوتا ہے یا جسطرح بیماروں کو جاگنے کی حالت میں خیالی صورتیں نظر آتی ہیں یا شعلہ جو الہ کا دائرہ جو حقیقت دائرہ نہیں لیکن ہمکو وہ دائرہ نظر آتا ہے۔

(۳) وجود خیالی مثلاً زید کو ہم نے دیکھا پھر آنکھیں بند کر لیں تو زید کی صورت جواب ہماری آنکھوں میں پھرتی ہے وہ ایک وجود خیالی ہے۔

(۴) وجود عقلی یعنی کسی چیز کی عقلی حقیقت مثلاً جب کسی چیز کو ہم کہتے ہیں کہ یہ چیز بالکل ہمارے ہاتھ میں ہے لیکن اس کہنے سے مطلب نہیں ہوتا کہ حقیقت وہ چیز اسوقت ہمارے ہاتھ میں ہوتی ہے بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز ہمارے قدرت و اختیار میں ہے پس اس کہنے سے قدرت و اختیار کا وجود جسکو ہم نے ہاتھ کے

لفظ سے تعبیر کیا ایک عفت ملی موجود ہے۔

(۵) وجود شہی یعنی کوئی شے خود تو موجود نہیں لیکن اسکی مشابہ ایک چیز موجود ہے  
ان وجود کے اقسام بیان کرنے کے بعد امام صاحب نے ہر ایک قسم کی کئی طرح پر  
مثالیں بیان کی ہیں تفصیلی مثالوں کے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ شریعت میں  
جن چیزوں کا ذکر آیا ہے انکے وجود کا بالکل انکار کرنا کفر ہے لیکن اگر کوئی شخص اُن  
چیزوں میں سے کسی چیز کا وجود ان پانچ قسم کے وجودوں میں سے کسی ایک قسم  
کا وجود تسلیم کرتا ہے تو یہ کفر نہیں ہے کیونکہ یہ تاویل ہے اور تاویل سے کسی ایک  
فرقہ کو بھی مفر نہیں ہے سب سے زیادہ امام احمد بن حنبل تاویل سے بچتے ہیں لیکن  
ان چند حدیثوں میں انکو بھی تاویل کرنی پڑی ہے مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ حجر اسود  
خدا کا ہاتھ ہے مسلمانوں کا دل خدا کی انگلیوں میں ہے مجکوبین سے خدا کی خوشبو  
آتی ہے پھر لکھتے ہیں کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ حشر میں اعمال تو لے جائیں گے لیکن  
چونکہ اعمال عرض ہیں اور وہ تو لے نہیں جاسکتے اسلئے سب کو انکی تاویل کرنی پڑی  
اشاعرہ کہتے ہیں کہ نامہ اعمال کے کاغذ تو لے جائیں گے معترکہ کہتے ہیں کہ تولنے  
سے حقیقت کا اظہار مراد ہے بہر حال تاویل دونوں کو کرنی پڑی باقی جو شخص اس  
بات کا قائل ہے کہ نہیں اعمال ہی (جو عرض ہیں) وہی تو لے جائیں گے اور انھیں بین  
وزن پیدا کر دیا جائے گا وہ سخت جاہل اور عقل سے بالکل خالی ہے میں کہتا ہوں  
کہ جب ایک شے کی حقیقت صاف عقلی طور پر یا تجربہ سے یا ہندسہ کے اصول مسلمہ



طور پر ثابت ہو جائے، مثلاً دو اور دو چار ہون گے پانچ نہیں ہو سکتے اور بطا ہر کوئی حکم شریعت اُس کے خلاف معلوم ہوتا ہو تو ایسی حالت میں اگر الفاظ شریعت کے معنی (جو ایک سچے مذہب اور خدا کے بھیجے ہوئے مذہب سے علاقہ رکھتے ہیں اور وہ جامع و کامل بھی ہے) اُس حقیقت کے مطابق بیان کیے جائیں تو ایسے معنی پر لفظ تاویل کا اطلاق کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ خلاف نفس الامر اور مخالفت مرضی شارع ہے کیونکہ تاویل کے معنی میں مطلب کو پھیر کر بیان کرنے کے اسکی مثال تو ایسی ہوئی جس طرح کوئی نوکریاں شاگرد اپنے آقا یا استاد کی غلط سے غلط اور بعید از قیاس بات کو بھی صحیح ثابت کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے اصل یہ ہے کہ ایسی حالت میں جو معنی لیے جائیں گے وہی ٹھیک اور اصل معنی ہونگے تاویل کیے ہوئے معنی۔

## صراط کا بیان

سوال۔ صراط کیا چیز ہے اور اُس پر سے گزرنے کے کیا معنی ہیں۔  
 جواب۔ حدیث میں آیا ہے کہ صراط بال سے باریک اور تلو اس سے زیادہ تیز ہے جو شخص صراط مستقیم پر بیان قائم رہا وہ عالم آخرت میں بھی اُس پر قائم رہیگا اور عافیت کے ساتھ اُس پر سے گزر جائیگا امام صاحب کتاب المصنوعین میں لکھتے ہیں کہ وہ بال کے مانند ہے بال کی باریکی کو بھی اُس سے کچھ مناسبت نہیں جس طرح کہ خط علم ہند میں (جو دھوپ اور چھاؤں کے سچ میں فاصل ہوتا ہے) بال کی باریکی کو اُس سے

کچھ بھی مناسبت نہیں پھر امام فرماتے ہیں کہ اسی طرح صراط سے مراد وہ اعتدال اور توسط  
حقیقی اختیار کرنا ہے کہ جو انسان کے متضاد اخلاق سے تعلق رکھتا ہے ہر چیز کے  
دوسرے ہیں ایک افراط اور ایک تفریط یہ دونوں خراب ہیں اور دونوں سرون کا جو  
بیچون بیچ ہے وہ توسط و اعتدال ہے جو کسی طرف مائل نہیں نہ زیادتی کی طرف نہ کمی  
کی طرف جیسے کہ وہ خطبہ دھوپ اور چھاؤں میں قائل ہے نہ تھکاوٹ دھوپ میں  
کہہ سکتے ہیں نہ چھاؤں میں پھر امام صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ  
جہاں تک ہو سکے فرشتوں کی شاہت پیدا کرے جنہیں ایک دوسرے کے مخالف  
اوصاف نہیں پائے جاتے جیسے کہ انسان میں انسان متضاد اوصاف سے بالکل  
علحدہ نہیں ہو سکتا اسی لیے اُسکو حکم ہوا ہے کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کرے جو اُن  
بُکے اوصاف سے علحدہ ہو جانے کے مشابہ ہو گو کہ حقیقت میں علحدہ ہو جانا ہو  
اور وہ یہی توسط کا درجہ ہے جیسے سمویا ہوا پانی کہ نہ گرم ہے نہ سرد کنجوسی و فضول خرجی  
انسان کی دو صفتیں ہیں اور سخاوت اُن میں توسط کا درجہ ہے جس میں نہ کنجوسی ہے  
نہ فضول خرجی پس صراطِ ستقیم وہ توسط حقیقی ہے جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے  
پھر جب خدائے تعالیٰ قیامت میں اس صراطِ ستقیم کو متبذل کر دیگا تو جو کوئی اس  
دنیا میں صراطِ ستقیم پر ہوگا وہ صراطِ آخرت پر بھی سیدھا چلا جائیگا۔ خدایتعالیٰ فرماتا ہے

وَلَا تَعَالُوا اَنْتَ لِمَا حَرَّمَ  
رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ

(اے پیغمبر لوگوں سے) کہو کہ (ادھر) اُن میں نیکوہ چیزیں  
پرھکرنا ہوں جو تمھارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں

اَلَا تَشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّ بِالَّذِينَ  
 اِحْسَانًاہ وَلَا تَقْتُلُوا اَوْلَادَكُمْ  
 مِنْ اِمْلَاقٍ ؕ لَنْ نَّعْزِبَنَّ عَنْكُمْ  
 وَاِیَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ  
 مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ؕ وَلَا تَقْتُلُوا  
 النَّفْسَ الَّتِی حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذٰلِكُمْ  
 وَصَّیْکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ  
 وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِی  
 هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشْدُّہٗ  
 وَآوِنُوْا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ  
 بِالْقِسْطِ ؕ لَا تَسْکِفُوْا نَفْسًا اِلَّا  
 وَسْعَہَا ؕ وَلَا ذَا فِئْلَکُمْ  
 فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا فِرْیَئِ  
 وَبَعْضُہٗ اِلَیْہِ اَوْ فِیْہِ اِلَیْکُمْ  
 وَصَّیْکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَذٰکُرُوْنَ  
 وَاَنْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ  
 فَاتَّبِعُوْہُ ؕ

(وہ) یہ کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ اور ان بچے ساتھ  
 سلوک کرتے ہو اور غلّیسی (کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو  
 (کیونکہ) تم (بھی) ٹکڑے (بھی) رزق دیتے ہیں اور انکو (بھی) اطہ  
 بیحیائی کی باتیں جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں انہیں سے  
 کیسے پاس بھی مت پھٹکانا اور جان جس (کے ماننے) کو اللہ نے  
 حرام کر دیا ہو (اسکو) مار ڈالنا مگر حق پر یہ ہیں باتیں جسکا حکم  
 خدا نے ٹکڑیا ہے تاکہ تم (دو) نابین بننے کا طریقہ سمجھو اور تمہیں  
 کے مال کے پاس (بھی) نہ جانا مگر ایسے طور پر کہ (اُس کے حق  
 میں) بہتر ہو یا فحک کہ وہ اپنی جوانی (کی عمر) کو بوجھنے اور  
 انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ کر اور (پوری پوری)  
 قول ہم کسی شخص پر اُسکی سمانی سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالنے  
 اور اگر وہی دینی ہو یا منیہ کرنا (تو) جب بات کہو تو گور (ذکر)  
 مقدمہ اپنا (قرابت مندی ہی (کیون) ہو انصاف (کا پاس)  
 کرو اور امد کے (ساتھ جو) عہد (کر چکے ہو اُس کو) پورا کرو  
 یہ ہیں وہ باتیں جسکا حکم خدا نے حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت  
 پکڑو اور (اُسے) یہ (بھی) ارشاد فرمایا ہے کہ یہی ہمارا  
 سیدھا راستہ ہے تو اسی پر چلے جاؤ۔

## دوزخ و جنت کا بیان

سوال - جنت و دوزخ کی کیا حقیقت ہے -

جواب - خدا تعالیٰ فرماتا ہے -

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
أَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا  
مِنْ شَمْرَةٍ رُزِقُوا فَالَوْهَاذَا  
الَّذِي رُزِقُوا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا  
بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا  
أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا  
خَالِدُونَ

اور (اے پیغمبر) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل  
(بھی) کیے انکو خوشخبری سنادو کہ انکے لیے (بہشت کے)  
باغ ہیں جنکے نیچے نہرین (پڑیں) رہی ہوگی جب ان کو  
انہیں کا کوئی میوہ کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے یہ تو ہم کو  
پہلے بھی (کھانے کے لیے) مل چکا ہے اور (یہ ایسے کہیں گے  
کہ) انکو ایک ہی صورت (نسل) کے میوے ملا کر دیں گے  
اور وہ ان کے لیے بیسیاں ہوگی پاک صاف اور وہ ان  
(باغوں) میں ہمیشہ (مہینہ) رہیں گے۔

دوزخ کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے -

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَكِنْ تَفْعَلُوا  
فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ

پس اگر (اتنی بات بھی) نہ کر سکو اور نہ کر سکو گے تو  
(دوزخ کی) آگ سے ڈرو جسکے اندھن آدمی اور پتھر مہن گے  
(اور وہ) منکروں کے لیے (دکھ) بھائی تیار ہے۔

عام خیال یہ ہے کہ جنت و دوزخ مثل دنیا کے باغات و آتش خانے کے ہیں مگر عہدگی

اور سختی کے اعتبار سے اسے بہتر یا بدتر بہین اور پہلے سے مخلوق ہو چکی ہیں جیسا کہ ائمہ  
یعنے تیار ہی سے ظاہر ہوتا ہے لیکن حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ نام کے سوا دنیا  
و آخرت کی چیزوں میں کوئی اشتراک نہیں خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں دوسرے  
مقام چنت یا بہشت کی ماہیت خود ان الفاظ میں بتائی ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ وَجَزَاءٍ بِمَا كَانُوا  
يَعْمَلُونَ

کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ لوگوں کے (دنیک) عملوں کے  
بدلے میں کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک اُن کے لیے  
پر وہ غیب میں موجود ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشت کی حقیقت جو بیان فرمائی ہے اُسکو بخاری مسلم  
نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند پر اس طرح روایت کی ہے۔

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَعَدَدْتُ لِعِبَادِي  
الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا  
أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے چیز  
تیار کی ہے جسکو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے اُسکو  
سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اُس چیز کا خیال گزرا۔

خدا اور رسول کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ حقیقت جنت کی وہ حقیقت  
نہیں جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے بلکہ حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق عالم آخرت  
کی چیزوں کو دنیا کی چیزوں سے کسی قسم کی شرکت بجز نام کی شرکت کے نہیں ہے  
دنیا کی جس قدر چیزیں ہیں اُنکو تو انسان جان سکتا ہے اور اگر فرض کر لیا جائے کہ  
عالم آخرت کی چیزیں بھی ایسی چیزیں ہیں مگر وہ ایسی عمدہ ہیں کہ اُن کو آج تک

تو لکھوں نے دیکھا نہ کانون نے سنا تب بھی اُنکا خیال تو ضرور انسان کے دل میں گزر سکتا ہے اس سے تو وہ چیزیں بری نہیں ہو سکتیں کیونکہ عیدہ ہونا ایک صفت ہے اور جبکہ اُس صفت کے نمونے کی چیزیں دنیا میں موجود ہیں تو اس صفت کو جہاں تک ترقی دیتے چلے جاؤ اُسکا خیال انسان کے دل میں گزر سکتا ہے عالم آخرت کی چیزوں کو جسمانی کہنا گویا دنیا و آخرت دونوں کو کیساں اور ہم بلا قرار دینا ہے ۵ خریداری ہے شہد و شیر و قصر و حور و غلمان کی

غم دین بھی اگر سمجھو تو اک دھندلے دنیا کا  
امام غزالی رحمہ اللہ قرآن میں لکھتے ہیں کہ خدا کا یہ قول

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ | اَلْكَوْثُ عِلْمُ الْيَقِينِ ہوتا تو تم دوزخ کو دیکھ لیتے۔

اسکا مطلب یہ ہے کہ دوزخ خود تمہارے دل میں موجود ہے سو اُسکو یقین کے ذریعہ سے دیکھو قبل اسکے کہ یقین کی آنکھ سے اُسکو دیکھو گے بلکہ یہی حقیقت ہے خدا کے اس قول کی بھی کہ

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ اِنْ جَعَلُوا  
كَيْفِيَّةً يَا فَكْرَ فَرِيقٍ - | کافروں کو ہر چار طعن سے چھایا ہے۔

اس قول میں خدا نے یہ کہا ہے کہ عذاب نے کافروں کو چھایا یہ نہیں کہا کہ آئینہ اُنکو چھالیگا اور یہی مغضیہ دوزخ اور جنت کے مخلوق ہونے کے اور اگر تم اسطرح پر نہیں سمجھتے تو تم قرآن مجید کے مغز تک نہیں پہنچے بلکہ تم کو صرف پھلکے سے کام ہے

جیسا کہ چار پایہ گو گیہون کے مغز سے غرض نہیں ہوتی بلکہ صرف بھوسی سے غرض ہوتی ہے اصل یہ ہے کہ قرآن مجید انسان کی زبان میں انسان کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے اور حسب طبع اُسکے نازل کرنے سے ایک اُن پڑھ جاہل کوڑھ مغز کی رہنمائی مقصود ہے اسی طرح اُس سے بڑے سے بڑے عالم فاضل حکیم اور فلاسفر کی رہنمائی بھی مقصود ہے اسی لیے خداوند تعالیٰ نے اُس عذاب اور راحت ابدی کو جسکی حقیقت سمجھنے سے انسان عاجز ہے مختلف ناموں اور تشبیہوں میں بیان فرمایا ہے تاکہ تمام بنی نوع انسان کیساں فائدہ اٹھائیں آلام و دوزخ کے متعلق آتش طوق زنجیر اور کھانے پینے کو امو پیپ رقوم وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ - نعیم جنت کے متعلق عمدہ عمدہ باغ نہروں موتی کے محل چاندی سونے کی اینٹیں دودھ اور شراب و شہد کے حوض طح طرح کے لذیذ میوے خوبصورت عورتیں اور لڑکے جنگو حور و غلمان کہتے ہیں بیان ہوئے ہیں یہ چیزیں ایسی ہیں جو بالعموم انسان کے دل پر خواہ وہ کسی درجہ اور پایہ کا انسان ہو اثر کیے بغیر نہیں ہو سکتیں خصوصاً احسن یعنی خوبصورتی اور خاص کر جبکہ انسان میں ہو اور انسانوں میں سے بھی خاص جبکہ عورت میں ہو پس وہ راحت ابدی جس کو خدا نے قَرَّةَ اَعْيُنٍ یعنی آنکھ کی ٹھنڈک سے تعبیر کیا ہے اور وہ عذاب ابدی جسکو جہنم سے تعبیر کیا گیا ہے کیا اُسکی حقیقت کا خیال دلائے کو ان ناموں اور تشبیہوں سے بڑھ کر اور کوئی ایسا بیان ہو سکتا ہے جو ایک اُن پڑھ جاہل اور نط چرانے والے اور ایک عالم فاضل اور کامل فلاسفر کے دل پر کیساں اثر ڈالے قطع نظر اسکے دنیا کی

لیفیات ہی پر غور کر لو کہ کسی ایک چیز کے ذائقہ کا پورا حال یا لطف کوئی بیان ہی نہیں کر سکتا اگر بیان کرنا چاہے تو اُس کے کسی ہمزہ یا ہشکل چیز کا نام لیگا گو وہ چیز اُس کے مقابل میں کیسی ہی ادنیٰ اور کمتر ہو تاکہ سننے والے کے دلیں اُس چیز کے ذائقہ کا ایک خیال پیدا ہو جائے۔ امام غزالی رحمہ اللہ لمضنون میں لکھتے ہیں کہ بہشت کی جسمانی لذتیں معجزے کی طرح تین قسم کی قرار دی جا سکتی ہیں حسی خیالی اور عقلی حسی سے مراد کھانا پینا لباس و مکان وغیرہ ہے خیالی سے مراد جس طرح آدمی خواب میں کھانے پینے کا لطف اٹھاتا ہے عقلی سے یہ مقصود ہے کہ بہشت میں جو روحانی لذتیں حاصل ہونگی اُن کو آبِ شیرین چشمہ سے روان محلات بلند میوہ جات لذیذ سے تعبیر کیا گیا ہے اور چونکہ روحانی لذتوں کی بہت سی قسمیں ہیں ایسے ہر ہر لذت کو ایک خاص خاص جسمانی لذت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہر حال وہ ایک ایسی راحت ابدی ہے جس میں سب کچھ ہے مِمَّا نَشَآئِیْهِ الْاَنْفُسُ اَسْمٰیْن وہ سب باتیں ہیں جنکی نفس انسانی کو خواہش ہوتی ہے۔

محافظ احکام جو اہل حکام کے بقا و حفاظت  
کی غرض سے قائم کیے گئے ہیں

سوال۔ یہ تو ہننے تسلیم کیا کہ خدا اپنی ذات و صفات اور استحقاق عبادت میں



وَحَدَّثَنَا كَلْبُ شَرِيكَ لَهٗ ہے اور اسلام کے اصلی احکام بھی معلوم ہو گئے لیکن محافظ احکام سے کیا مراد ہے ؟

**جواب**۔ محافظ احکام سے ہماری مراد وہ شعار اسلام ہیں جو عام طور پر عبادت کے نام سے مشہور ہیں اور جن کو شریعت نے اصلی احکام کی بقا اور انکی حفاظت کی غرض سے قائم کیا ہے شعار خاص ہیں اور عبادت عام علامہ ابن تیمیہؒ نے عبادت کی تعریف اس طرح پر کی ہے کہ "عبادت ایک اسم جامع ہے اس میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جو خدا کے نزدیک پسندیدہ اور اسکی مرضی کے موافق ہیں خواہ وہ اقوال کے متعلق ہوں یا اعمال کے ظاہر سے انکا تعلق ہو یا باطن سے مثل نماز و زکوٰۃ روزہ حج و استبازمی امانت داری والدین کے ساتھ حسن سلوک صلہ رحمہ ایفاء عہد نیکت بات کا حکم کرنا برائی سے روکنا مخالفین کے ساتھ جنگ ہمسایہ یتیم اور مسکین اور محتاج کے ساتھ احسان خواہ کوئی انسانوں میں سے ہو یا حیوانات کی قسم سے وعاد ذکر قرآن اور مثل اسکے اسطرح محبت خدا و رسول خشیت و انابت و تین کو خدا کے لئے خاص کرنا اسکی مشیت پر صبر کرنا اسکی نعمت کا شکر ادا کرنا اسکی تقدیر پر رضی رہنا ہر کام میں اسپر بھروسہ کرنا اسکی رحمت کا امیدوار اور اسکے عذاب سے خائف رہنا یہ سب امور خدا کی عبادت میں سے ہیں جیسا کہ خدا نے تعالیٰ نے فرمایا ہے۔  
نہیں پیدا کیا ہمنے جن و انس کو مگر اپنی عبادت کے لئے حاصل اس تمام تقریر کا یہ ہے کہ جو جذبات اور قوائے ظاہری و باطنی خدا نے انسان کو فطرتاً عطا فرمائے ہیں

اُن کو اعتدال کے ساتھ خدا کی مرضی کے موافق ہر وقت کام میں لگائے رکھنا اور بیکار نہ چھوڑنا یہی اصلی عبادت خدا کی ہے اور جو کام اس طرح پر کیے جائیں خواہ اُن کا تعلق روحانی ہو یا جسم و قوم و تمدن و ملک سے وہ سب داخل عبادات ہیں شعائر اسلام کی تعریف میں شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں: خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ شعائر سے وہ ظاہری اور محسوس امور مراد ہیں جو اس لئے قرار دیے گئے ہیں کہ عبادت اُن کی کا ذریعہ ہوں خدا کے ساتھ اُن کی خصوصیت ہو لوگوں کے ذہن میں اُن کی تعظیم گویا خدا کی تعظیم سمجھی جاتی ہو۔ ہماری مراد یہاں شعائر اسلام سے نماز روزہ زکوٰۃ اور حج ہے۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ

قال رسول الله صلعم يعني الاسلام على خمس اركان  
ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله  
واقام الصلوة وايتاء الزكاة والجه  
وصوم رمضان متفق عليه  
فرمایا رسول اللہ صلعم کہ اسلام کی بنیاد پنج چیزوں پر ہے  
اول خدا کو معبود حقیقی اور محمد صلعم کو اس کا رسول مبعود  
پچھلے دل سے تسلیم کرنا دوم نماز سوم زکوٰۃ چارم حج  
پنجم رمضان کے روزے رکھنا۔

**سوال۔** عبادت کی ابتدا لوگوں میں کیونکر ہوئی اور اُسکے کیا کیا طریق ہیں؟  
**جواب۔** اصل یہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم کسی زمانے میں عبادت کے خیال سے خالی نہیں رہی کسی نہ کسی صورت میں عبادت اُنہیں موجود رہی ہے۔

اس خیال کی ابتدا کیونکر ہوئی اور کب سے اسکی بنیاد پڑی اسکی تاریخ بتانا تو مشکل ہے مگر اسکی ابتدا سمجھنے کیلئے خود انسانی فطرت پر غور کرنا چاہیے حقیقت یہ ہے کہ انسان

جب اپنی ذات پر نظر کرتا ہے تو وہ اپنے کو ہر طرف سے طبعی حوادث میں گھرا ہوا پاتا ہے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ میں اُنہیں تصرف یا انکی مدافعت کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تو لامحالہ اُس کا خیال فطراً ایک اعلیٰ قوت کی طرف جاتا ہے جس کو وہ عالم میں متصرف خیال کرتا ہے چونکہ انسانوں کی طبیعتیں مختلف اور انکی عقلوں کے درجے اُن سے بھی زیادہ مختلف ہیں جن کو سمجھنا نہایت دقیق اور باریک بین نگاہ کام ہے اس لئے گو لوگوں سے اُس اعلیٰ قوت کی ذات و صفات کے سمجھنے میں کیسی ہی غلطیاں ظہور پذیر ہوئی ہوں لیکن اُسکی عظمت و جلال کے لحاظ سے یہ خیال تمام نوع بنی آدم میں قدیم سے یکساں رہا ہے کہ اپنی ذلت و نیاز مندی کے اظہار اور اُسکی جلالت و عظمت کے اعتراف کیلئے کوئی طریقہ ہونا چاہیے چونکہ انسان کے دلمین وہی خیالات آسکتے ہیں جو اُسکے گرد و پیش کی چیزوں سے پیدا ہو سکتے ہیں انسان کسی ایسی چیز کا خیال نہیں کر سکتا جو اُس کے حواس کے دست رس سے باہر ہو اسی لئے جو کچھ اُس نے دیکھا یا سنا ہے اُسی کو گھٹا بڑھا کر یا ترقی دیکر اپنے طریقہ عبادت میں دخل کر لیا انسان کے دلمین جب خدا کا خیال آیا تو ضرور ہے کہ وہ ایک شاہنشاہ مطلق کی حیثیت سے آیا ہو گا انسان نے شاہوں یا شاہنشاہوں کے متعلق جو کچھ دیکھا یا سنا تھا وہ یہی تھا کہ بادشاہ اظہار اطاعت و فرمانبرداری سے خوش ہوتے ہیں اور جبقلہ اپنی عاجزی و جان نثاری اُن کے حضور میں ظاہر کیجائے اُسے قدر و ہر مقبول بارگاہ سمجھنے جاتے ہیں اسی قسم کے خیالات سے عبادت کی بنا پڑی اور ہر مذہب

قوم کی عبادت میں خواہ کیسے ہی ناقص یا کامل طریقہ پڑنی ہو اسی خیال کی جھلک پائی جاتی ہے۔ قدیم سے ایک غلط خیال یہ بھی چلا آتا ہے کہ عبادت مقصود بالذات چیز ہے اور محض خدا کا حکم بجالانا ہے کسی فائدے کی غرض سے نہیں ہے۔

**سوال**۔ اسلام نے جو طریقہ عبادت مقرر کیا اُس میں کونسی نئی بات پیدا کی۔

**جواب**۔ اسلام نے نہ صرف طریقہ عبادت ہی کو بدلا بلکہ اُس کے خاص اُصول

مقرر کئے وہ اُصول جن پر اسلام نے عبادت کی عمارت قائم کی وہ یہ ہیں۔

اَوَّل اسلام نے اُمور خلاف قانون قدرت کو عبادت سے خارج کیا۔

عن انس قال جاء ثلثة رهط الى ازواج

النبي صلعم يسألون عن عبادة النبي فلما

اخبروا بها كانوا هم ثقا لوها فقلوا اين

نحن من النبي صلعم قد غفر الله ما تقدم

من ذنبه وما تاخر فقال حد هم اما

انا فاصلي الليل ابدا وانا لا اخرج الا صوا

النهار ابدا وانا لا افطر وانا لا اخرجنا

اعتزل النساء فلا تزوج ابدا فجاء

النبي صلى الله عليه وسلم اليهم فقال

انتم الذين قلتم كذا وكذا والله

بخای و سلم نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ عجب تین

قبیلوں کے کچھ لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس گئے

آنحضرت کی عبادت کا حال دریافت کرتے تھے جب ان کو بتلایا گیا

تو انھوں نے اُس عبادت کو بہت خفیف سمجھا اور اسی میں

کنے لگے کہ کہاں ہم اور کہاں آپ خدا نے آپ کے تو اگلے پچھلے

کیا ہوں کو معاف کر دیا ہے پھر زمین سے ایک کما کہ میں تو

ہمیشہ تمام رات نماز پڑھتا رہا کرونگا دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ

روزہ رکھا کرونگا تیسرے نے کہا کہ میں کبھی عورتوں کی طرف رخ نہ

کرؤنگا شادی بیاہ نہ کرونگا اتنے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف

لائے اور فرمایا کہ کیا تم ایسی ایسی باتیں کر رہے تھے جان لو خدا کی

قسم میں تیسے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور تیسے زیادہ اُسکی حضور میں پاک ہونا چاہتا ہوں لیکن میں تو روزہ بھی لکھتا ہوں اور اظہار بھی کیا کرتا ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں دوسو بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں جو ہمارے طریقہ کو پسند نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اِنِّیْ لَا خَشَیَہٗ اَکْہَ اللّٰہَ وَاتَّقَیْکُمْ  
لَہٗ لَکُنِّیْ اَصُوْمُ وَاَفْطَرُ اَصْلَ  
وَارْتَدَّ وَاسْتَزَوِجَ النِّسَاءَ  
فَحَمَّ رَغَبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلِیْسَ  
مَعِّیْ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اصلی اور سچی عبادت وہی ہے جو قانون قدرت کے مطابق ہو اور اُس سے تجاوز نہ کرے۔

دُیُّم اسلام نے بتایا کہ عبادت کوئی مقصود بالذات چیز نہیں ہے نہ خدا کو اُنکی پرواہ ہے بلکہ وہ صرف شعار اسلام ہے یعنی مسلمانوں کا مارک اور تمھارے فائدہ کی غرض سے یہ شعار مقرر کیا گیا ہے تاکہ اسلام اور کفر میں فارق ہو اسی لئے جو اُمور نماز کے عناصر میں داخل ہیں قیام قعود رکوع اور سجود وغیرہ جب انسان اُن پر قادر نہ ہو تو انہیں سے کسی کا بھی ادا کرنا اُسپر لازم نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو محافظ احکام میں داخل ہیں برخلاف اُن کے اسلام کے جو اصلی احکام ہیں وہ کسی حالت میں بھی انسان سے جب تک کہ اُسپر مکلف ہونے کا اطلاق ہو سکتا ہو ساقط نہیں ہو سکتے نہ اُنکی قضا لازم ہوتی ہو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے وَاقِیْہِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ نماز قائم رکھو میری یاد کے واسطے یعنی وہ ایک ذریعہ بقا اور حفاظت ہے ذات واجب الوجود کی یاد کے لئے مَحْجَلِہٖ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِہٖ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ مُجْتَنَسٌ مَّحْنَتِ

اُٹھاتا ہے وہ اپنے لیے اُٹھاتا ہے خدا تمام عالم سے بے نیاز ہے۔

سوم اسلام نے ہدایت کی کہ عبادت اعتدال سے تجاوز نہ کرنے پائے اور بجائے  
فائدہ مند ہونے کے خاسج نہ ٹھہرے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا يَرْيِدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ  
فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ -  
خدا یہ نہیں چاہتا کہ مذہب میں تم پر کوئی دقت  
واقع ہو۔

يَرْيِدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ  
الْكُلْفَ اللَّهُ نَفْسًا أَلَا وَسْعَهَا  
انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔  
خدا چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کر دے۔  
خدا کسی کو اسکی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

إِنَّ الدِّينَ يُسْرُو وَلَنِ إِشَادَ الدِّينِ  
أَحَدًا غَلِبَهُ  
دین ایک آسان چیز ہے جو شخص مذہب میں سہنتی  
کرے گا مذہب اُس کو تھکا دے گا۔

أَحِبَّ الْأَعْمَالَ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا  
وَأَنْ أَقَلَّ  
خدا کو وہ اعمال سب سے زیادہ محبوب ہیں ہمیشہ  
کیئے جاوین گو نہایت ہی قلیل ہوں۔

عن ابی ہریرۃ قال اتی اعلیٰ بن النبی  
صلعم فقال لنی علی علی اذا علمتہ  
دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ تَعْبُدُ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُ  
بِهِ شَيْئًا وَتَقِيْمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ  
وَتُوْدِي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومُ  
ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے پاس ایک اعرابی  
آیا اور کہا مجھ کو ایسی بات بتائیے کہ اگر میں اُسکو کروں  
تو سیہ جا بہشت میں چلا جاؤں آپ نے فرمایا خدا  
کی عبادت کرو کسی کو اُس کا شریک مت ٹھہراؤ  
فرض نمازین پڑھا کر زکوٰۃ دیا کر رمضان کے

رَمَضَانَ قَالَ الَّذِي نَفْسِي بِكَ لَا أَرِيدُكَ  
عَلَى هَذَا شَيْئًا وَلَا انْقِصَ فَمَا وَكَلَى قَالَ  
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ثَمَانٍ يَنْظُرُ إِلَى حِجْلِ  
مِنْ هَلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا امْتَبَعُوا عَلَيْهِ  
روزے رکھا کہ اُس نے کہا کہ قسم خدا کی میں اب  
اسمیں ایک چیز بھی نہ بڑھاؤں گا نہ گھٹاؤں گا جب  
وہ یہ نہ کہر چلا تو آنحضرت صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے  
جنتی آدمی کو نہ دیکھا ہو وہ اس کو دیکھ لے۔

چہارم اسلام نے صاف صاف ہر عبادت کے فائدے اور اُس کے نتیجے بیان کر دیے  
تاکہ لوگ دھوکا کھا کر اور قوموں کی طرح ظاہری ارکان پر بھروسہ کر کے اُس کے فوائد  
اور عمدہ نتیجوں کو ہاتھ سے نہ کھو بیٹھیں وضو کے فائدے کی نسبت یہ فرمایا۔

عَنْ ابْنِ مَرْثُةٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
الرَّائِمُ لَوَانِ غُلَّ بِبَابِ جَدِّكَ يَغْتَسِلُ  
فِيهِ كُلُّ يَوْمٍ مَخْسًا هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ  
قَالَ لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ وَكَأَنَّ  
فِي ذَلِكَ مَثَلَ الصَّلَاةِ الْخَيْرِ يَمْحُو  
اللَّهُ بِهِمْ خَطَايَا مَتَّفِقٌ عَلَيْهِ۔  
حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تم کو کھتے  
ہو کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے باہر کوئی  
نہر جاری ہو اور پانچ بار اسمیں نہائے تو کیا اُسکے بدن پر  
سیل کیل باقی رہ سکتا ہے صحابہ نے جواب دیا کہ بیشک  
نہیں رہ سکتا آپ نے فرمایا یہی مثال پانچوں نمازوں کی  
ہے اللہ ان کی وجہ سے تمہاری بُرائیاں دور کرتا ہے۔

یعنی جس طرح وضو سے ظاہری سیل کیل دور ہوتا ہے اسی طرح نمازوں سے باطنی ظہارت  
حاصل ہوتی ہے نماز کے فائدے کی نسبت خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّ الصَّلَاةَ تَكْفِي عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ | نماز آدمی کو فحش اور رذالتوں سے روکتی ہے۔

روزہ کا فائدہ خداوند تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا۔

کَتَبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كَتَبَ عَلَى الَّذِينَ  
مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ | تم پر روزہ مقرر کیے گئے جس طرح تم سے اگلوں پر یہ اس لیے  
کہ غالباً تم پر میسر گار ہو جاوے۔

جج کے فائدے کی نسبت خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ | تاکہ اپنے فائدوں کی جگہ آویں۔

پیغمبر اسلام نے تمام فرائض زندگی کو داخل عبادت قرار دیا اور کھول کر بیان کر دیا کہ جو کام  
خواہ کیسا ہی دُنیا کا ہو جب نیک نیتی اور دین کے طور پر برتا جائے تو وہ عین عبادت  
ہے وجہ معاش کے متعلق حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا  
طلب کرنا حلال کمائی کا فرض ہے بعد فرضینہ کے دواہ البخاری فی شعب الایمان  
طلب علم کے متعلق آنحضرت صلعم نے فرمایا اطلب العلم فرضاً علی کل مسلم ومسلمۃ  
علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر خدا کا فرض ہے تجارت کے متعلق  
خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

خَا نَنَسُوا وَافِي الْأَرْضِ الْبَعِثُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ | دُنیا میں پھیل جاؤ اور خدا کے عطیہ رزق کو تلاش کرو۔  
ایک روز حضرت عمرؓ نے حضرت ابی موسیٰؓ سے کہا کہ کچھ خدا کا ذکر کرو انھوں نے قرآن  
پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ ناز کا وقت آگیا لوگوں نے کہنا شروع کیا الصلوة الصلوة  
یعنی نماز کو چلو نماز کو چلو آپ نے فرمایا او کسنا فی الصلوة کیا ہم نماز میں نہیں ہیں۔  
یعنی کیا یہ بات نماز سے خارج ہے حضرت عمرؓ اہتمام جہاد میں اس قدر مشغول رہا کرتے  
تھے کہ نماز میں بھی یہی خیال بندھ رہا کرتا تھا چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔



الْجَهَنَّمَ حَيَّوْشِي وَاَنَا فِي الصَّلَاةِ | مین نماز پڑھا کرتا ہوں اور فوجیں تیار کیا کرتا ہوں۔

ابو بکر عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اَلْحَسْبُ جَزِيَةِ الْبَحْرَيْنِ  
میں نے نماز میں بحرین کے جزیہ کا حساب لگایا۔

ششم ترک دنیا کو اسلام نے عبادت سے قطعاً خارج کیا بلکہ اُس کو گناہ قرار دیا خود معاف  
فرماتا ہے۔

وَدَهْبَانِيَّةٍ ابْتَدَعُوْهُمَا مَا كُتِبَ عَلَيْكُمُ | اور جو گناہ جو عیسائیوں نے ایجاد کیے تھے نہیں لکھا تھا۔  
شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ انبیاء میں سے کسی نے ایسا حکم نہیں دیا ہے اُن لوگوں کا  
گمان بالکل ہیودہ ہے جو باطن کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور بُرائی بھلائی میں لوگوں  
سے بالکل میل جول ترک کر دیتے ہیں وحشیانہ زندگی بسر کرتے ہیں اسی وجہ سے آنحضرت  
صلعمؐ نے اُن لوگوں کا رد کیا جو دنیا سے کنارہ کشی کر جاتی ہیں آپؐ نے فرمایا ہے۔

مَا بُعِثْتُ بِالرَّهْبَانِيَّةِ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ | مین رہبانیت سکھانے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ ایک صلح  
بِالْمَلَةِ الْمُخْفِيَةِ السَّخِيَّةِ | اور سرپا راستی مذہب بیکر بھیجا گیا ہوں۔

ایک حدیث اور ہے لا دَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ اسلام میں جو گناہیں نہیں ہے۔  
ہم مقام اسلام نے باطنی پاکیزگی اور باطنی احکام کی تعمیل ہی کو اصل دین قرار دیا اور  
احکام ظاہری اور پاکیزگی کی طرف زیادہ مبالغہ کو جائز نہیں رکھا آنحضرت صلمؐ اور صحابہ  
زمین پر نماز پڑھتے اور زمین پر بیٹھتے گھوڑوں وغیرہ کے پسینہ سے احتراز نہ کرتے دلی  
پاکیزگی میں بہت کوشش کرتے آپؐ نے فرمایا اَتَمُّوْا صَعِيْدًا مِّثْلَ تَمْرِيْمٍ کر لیا کرو فرمایا

میری امت کیلئے تمام زمین مسجد بنائی گئی ہے فرمایا صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ رُفُوٍّ وَخَاجٍ۔  
 نماز پڑھو ہر ایک نیک و بد کے پیچھے فرمایا اِذَا ابْتَلَيْتَ النِّعَالَ فَالْصَّلَاةُ فِي الْحَالِ  
 جب جوتے پانی میں تر ہوں یعنی بارش ہو تو گھروں میں نماز پڑھو آنحضرت صلعم جب  
 وضو کرتے تو اعضائے وضو کو کبھی ایک بار کبھی دو بار کبھی تین بار دھوتے ایک ہی  
 چلو سے منہ اور ناک میں پانی ڈالتے غیر مذہب والے کے برتن کے پانی سے وضو  
 کرتے برتن میں عام لوگوں کے ہاتھ پڑنے کو مکروہ نہ رکھتے حضرت عائشہؓ آپ کے  
 اور قبلہ کے درمیان لیٹی ہو تیں اور آپ نماز پڑھتے جب سجدہ کرنے لگتے تو حضرت  
 عائشہؓ اپنے پاؤں کو سمیٹ لیتیں نماز میں اگر کسی بچے کے رونے کی آواز آتی اور  
 آپ امام ہوتے تو نماز کو مختصر کر دیتے حضرت عائشہؓ حجرے کی کُنڈی کھٹکھٹاتیں آپ  
 نماز ہی میں جا کر باہر کی کُنڈی کھول دیتے امامہ بنت زینب آپ کے کندھے پر ہوتیں  
 اور آپ نماز پڑھتے ہوتے تھے جب سجدہ کرتے تو اُن کو کندھے سے اُتار کر زمین  
 پر بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اُن کو اُٹھا لیتے کوئی سلام کرتا تو آپ اشارہ  
 سے نماز میں اُس کو جواب دیتے ایک شخص جنب تھا اُس نے نماز میں پڑھی  
 یہ ذکر اُس نے آنحضرت صلعم کے سامنے کیا آپ نے فرمایا تو ٹھیک سمجھا پھر ایک  
 شخص نے حالت جنابت میں تیمم کر کے نماز پڑھی پھر اُس نے رسول خدا صلعم سے  
 بیان کیا آپ نے فرمایا تو ٹھیک سمجھا۔

## بیان نماز

سوال - اسلام نے طریقہ عبادت میں کیا اصلاح کی۔

جواب - اسلام نے طریقہ عبادت کو اصول فطرت پر قائم کیا عبادت میں جو شعائر اسلام کئے جاتے ہیں انہیں سے بڑا شعار نماز ہے ہر قوم و مذہب میں پرستش یعنی نماز کے مختلف طریقہ جاری ہیں ہم سب کو چھوڑ کر اصول فطرت کی رو سے جو ارکان نماز اسلام نے مقرر کیے ہیں ان کو جانچنا چاہتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں نماز میں صلی تین چیزیں ہیں۔ (۱) خدا کی بزرگی اور جلال دکھیکر اظہار عاجزی و نیاز مندی (۲) خدا کی عظمت اور اپنی خاکساری کا عمدہ الفاظ میں بیان کرنا (۳) اپنی عاجزی کے مناسب حال آداب کا اعضا سے کام لینا۔

افادتکم النعماء صلی ثلاثۃ | تمہاری نعمتوں کا فائدہ تین چیزوں کو پہونچا میرے  
یدی ولسانی والضمیر المحجیا | ہاتھ اور میری زبان اور میرے پوشیدہ دل کو۔

اظہار نیاز مندی کے بھی تین طریقے ہیں۔ ہاتھ باندھکر ادب سے کھڑا ہونا اور ہاتھ باندھنے سے بھی زیادہ اس میں تعظیم ہے کہ اپنی خاکساری اور خدا کی عظمت و برتری کا خیال کر کے آدمی سرنگون ہو جاوے تمام آدمیوں اور بہائم میں یہ فطری امر ہو گردن کشی غور کی علامت اور گردن جھکا کر سرنگون ہونا فروتنی کی نشانی سمجھی جاتی ہے اس سے زیادہ تعظیم اس میں ہے کہ اُسکے حضور میں اپنے سر کو جو تمام

اعضائین بزرگ اور جو اس انسانی کامر کرنے میں پر رگڑ دے یہی تینوں قسم کی تعظیمیں لوگ اپنی نمازوں میں اپنے امرا و سلاطین کے سامنے بجا لاتے ہیں۔ پھر حال تمام صورتوں میں نماز کی عمدہ اور کامل صورت وہی ہو سکتی ہے جس میں یہ تینوں تعظیمیں جمع ہوں اور انی تعظیمی حالت سے اعلیٰ کی طرف ترقی کی جائے یہ بات اسلامی نماز کے ارکان میں بدرجہ کمال موجود ہے نماز کا فائدہ بھی ظاہر ہو چکا کون انکار کر سکتا ہے کہ سچی بے ریا عبادت سے انسان میں نیکی اور نیکدلی سلیم لطیفی مصائب کی برداشت تنگی و تنگدستی میں قناعت حرص و دنیا سے نفرت مردم آزاری سے بیزاری جسم و شفقت معاملات میں راستی و راست روی قوم کے ساتھ ایک خاص قسم کی اول انسان کے ساتھ ایک عام قسم کی ہمدردی ہے پیدا نہیں ہوتی بلکہ خود انسان کے مزاج اور اخلاق میں نرمی پیدا ہوتی ہے اور اس رحمت میں شامل ہوتا ہے جو خدا نے بطور احسان کے اپنے پیغمبر کو جتایا ہے جہاں فرمایا ہے۔

فَمَا رَحِمَهُ مِنَ اللَّهِ لَئِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَنَفَضْنَاهُمْ مِنْ حَوْلِكَ ۖ  
پس ضرور ہوا کہ انسان حتی الامکان نماز کی پابندی ترک نہ کرے۔  
سوال۔ اسلام میں نماز کے متعلق کیا حکم ہے اور وہ کتنی نمازیں ہیں۔

جواب۔ اسلام نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جب تک انسان کے فطری طور پر ہوش و حواس قائم ہیں وہ ان کے ادا کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا اٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہ تو انہیں ہوتی ہے ادا کر سکتا ہے ایک نماز فجر دوسری نماز ظہر تیسری نماز

عصرِ چوتھی نماز مغرب یا پنجویں نماز عشاء۔ نماز تہجد چوپہلی شب کو باخدا لوگ پڑھا کرتے ہیں وہ فرض نہیں ہے نفل ہے جس کو خدا توفیق دے وہ پڑھے۔

ہمارے موجودہ زمانے میں زیادہ تر دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک گروہ عابدین اور شائقین فی الخیرات کا ہے اس گروہ سے ہماری مراد وہ نیک مقدس لوگ ہیں جو بظاہر کسی ریاکاری یا نمائش کی غرض سے شب و روز عبادت میں مصروف رہتے ہیں بلکہ اپنے کمال نیک ولی سادہ مزاجی اور غلطی رے سے انھوں نے عبادت کو مقصود بالذات ٹھہرا کر اس قدر اُسمین انہماک کیا اور اس قدر تشدد ظاہر کیا کہ عام نگاہوں میں عبادت ایک ایسی دشوار گزار اور کٹھن منزل ہو گئی جس کو وہ مقدس لوگ ہی طے کر سکتے ہیں جبکہ خاص خدا نے اس غرض کے لیے پیدا کیا ہو موجودہ بزرگوں اور مشائخ کے ریاضات و مجاہدات مشہور عام ہیں اسی غلط خیال کی بنا پر بہت سے لوگوں نے اپنا دُنیادار نام رکھ کر گویا عبادت کے بوجھ سے اپنی گلو خلاصی کر لی علاوہ اس کے زمانے میں ایک عام غلطی یہ پھیل گئی کہ مقدس باخدا لوگوں نے سوائے فرائض کے تمام عبادتوں کو صرف نماز روزہ تلاوت قرآن مجید خیالی ترک دُنیا تدریس علوم دینیہ اور ادماثرہ وظائف مقررہ اور اعمالِ مختصرہ پیران ہی میں محدود و محصور کر دیا۔ حالانکہ یہ انحصار خلاف قانون قدرت اور مقصود شارع کے بالکل مخالف ہے اور بعض اُمور اُنہیں متروک و بدعت ہیں۔

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ دِينٍ يَزِيدُكُمْ حَزَنًا ۚ إِنَّ دِينَ اللَّهِ لَخَيْرٌ مِنْ دِينِ الْبَنِي ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

خدا کی یہ مرضی نہیں کہ دین میں کسی طرح کا

تکو حرج واقع ہو۔

مِنْ حَرْجٍ

مُحَمَّد بن ادرع کہتے ہیں کہ رسول خدا صلعم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور پوچھا کہ کیا یہ سچے دل سے نماز پڑھتا ہے انھوں نے کہا کہ یہ مدینہ والوں میں سب سے بڑا نمازی ہے فرمایا اُس کو یہ بات مت سناؤ وہ ہلاک ہو جائیگا پھر کہا۔

اِنَّ اللّٰهَ اَمَّا اَرَادَ بِهٰذَا الْاَمَةِ الْبَسْرَ لَوْرِدِ | اللہ اس امت کیلئے آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں  
بصحر العسر رواہ ابوبکر بن مردویہ | چاہتا ہے۔

دوسرا گروہ کاروباری لوگوں کا جو جنگو عام طور پر دُنیا دار کہا جاتا ہے اس گروہ سے ہماری مراد تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ لوگ ہیں جو اپنے فرائض زندگی میں شب و روز مشغول رہتے ہیں اور مذہبی امور سے زیادہ سروکار نہیں رکھتے اگرچہ میں اس سے واقف ہوں کہ ان تعلیم یافتہ لوگوں میں اور نیز ان لوگوں میں جنگو دُنیا دار کہا جاتا ہے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو علاوہ فرائض پنجگانہ کے تہجد گزار بھی ہیں تاہم ان میں سے بعض ہم جیسے آدمی ایسے کاہل و سست بھی ہیں جنہیں نماز پنجگانہ کی قید اور اُس کا اوقات معینہ پر ادا کرنا شاق ہوتا ہے۔ اور وہ اُس کو اسلام کی سختی سے موسوم کرتے ہیں یہ لوگ گویا حضرت موسیٰ کی اُن مِثِین کوئی کی تصدیق کرتے ہیں جیسا کہ بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ نے شب معراج میں آنحضرت صلعم سے کہا تھا کہ لہجہ رعی اُمّت دن رات میں پانچ نمازون کو بھی گران سمجھگی اور ادا نہ کر سکے گی مگر حقیقت اُس کو اسلام کی سختی سے موسوم کرنا ایک غلط خیال ہے اور اسلام پر چھوٹا الزام ہے

اس خیال کا پیدا ہونا بھی اُسی عام غلط فہمی کا نتیجہ ہے جو ہمارے مقدس تشدد دین  
فی المذہب نے اسلامی دُنیا میں پھیلا رکھا ہے اسلام میں کچھ سختی نہیں ہے بلکہ جہان تک  
بنا ہے اسلام نے آسانی کو ہر حال میں مد نظر رکھا ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال جاء رجل الى رسول الله صلعم فقال اني لا تاخر عن صلوة الصبح من اجل فلان مما يطيل بنا فادأيت النبي صلعم غضب فموعظة قط اشد مما غضب معي فقال ايها الناس ان منكم منفرين فاليكم اثم الناس فليؤخروا من ورائه الكبير والضعيف ذل الحاجة

آنحضرت صلعم کے پاس ایک شخص آیا اور اُس نے کہا کہ میں فلان شخص کی وجہ سے نماز صبح میں نہیں آتا وہ نماز میں بہت دیر لگاتا جو ابی سعید و انصار کہتے ہیں کہ میں نے کبھی آنحضرت صلعم کو اس قدر غضبناک نہیں دیکھا جیسا اُس دن آپ نے فرمایا ہے لوگو! تم میں ایسے ہیں جو دین سے لوگوں کو نفرت دلاتے ہیں جو کوئی امام ہو وہ مختصر نماز پڑھے اس لیے کہ نماز میں بوڑھے اور ضعیف اور کام ولے آدمی ہوتے ہیں۔

بیشک پانچ نمازیں اسلام نے فرض کی ہیں اس میں بھی شبہ نہیں کہ اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ یہ پانچوں نمازیں پانچ وقت میں پڑھی جائیں اور اگر پورے اہتمام اور احتیاط کے ساتھ یہ پانچوں نمازیں ادا کی جائیں تو اُس حالت میں بھی کچھ زیادہ وقت صرف نہیں ہوتا زائد سے زائد سوا گھنٹہ ہوتا ہے کیا یہ نا انصافی نہیں ہے دُنیوی کاروبار اور بعض غیر ضروری مشاغل میں تو زندگی کے چوبیس گھنٹے صرف کیے جائیں اور نماز میں (جو خدائے عزوجل کی یاد اور بہت سے اخلاقی فوائد حاصل ہونیکا ذریعہ ہے)

اُس میں زائد سے زائد سوا گھنٹہ صرف ہوتا ہے وہ بھی دشوار ہو مگر ہم اُن کا ہل کوٹھو  
جن کی دلچسپی ہمارے اس کہنے سے نہیں ہو سکتی اور زیادہ سہولت کی نظر سے  
اور یہ خیال کر کے کہ بالکل نہ کرنے سے کچھ کرنا اچھا ہے یہ بتانا چاہتے ہیں  
کہ مسترآن مجید میں ان پانچ نمازون کے لیے تین وقت مقرر ہیں جیسا کہ  
خدا نے تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اقم الصلوة لعلوا الشمس الى	اے پیغمبر! اگر نماز کو سوچ کے ڈھلتے سے رات کی
عسق الليل وقران الفجر ان قران	خوب نہ میری ہونے تک یعنی آدھی رات تک اور اگر
الفجر كان مشهودا ومن الليل فتجده	فجر کی نماز دینک فجر کی نماز ہو رو پڑھی گئی اور پھیلی رات
به نافلة لك عمن ان تبعثك	کو کوشش کر قرآن (یعنی نماز) پڑھنے کی نفل ہو تیرے لیے
دبك مقاماً محموداً۔	قرآن کے کھڑا کر گیا تجھ کو تیرا پروردگار اچھی جگہ میں۔

اس آیت سے صرف دو وقت معلوم ہوئے ایک صبح کا اور دوسرا سوچ ڈھلتے  
سے ٹھیک آدھی رات تک مگر جیسا کہ تو اتنے عمل سے ثابت ہو چکا ہے کہ علاوہ نماز  
فجر کے نماز نظر اور نماز عصر زوال آفتاب سے غروب آفتاب کے قبل تک پڑھی  
جاتی تھیں اور نماز مغرب اور نماز عشا غروب آفتاب سے آدھی رات تک پڑھی  
جاتی تھیں سطح پر نماز کے تین وقت قرار پائے پس دوپہر کے بعد سے غروب  
آفتاب تک آٹھ رکعتوں کا ایک ساتھ دو سلاموں سے پڑھ لینا اور غروب آفتاب سے  
آدھی رات تک سات رکعتوں کا ایک ساتھ دو سلاموں سے پڑھ لینا جس کو فقہی



اصطلاح میں جمع بین الصلوٰۃ کہتے ہیں کچھ مشکل نہیں ہے اور ہر شخص کو جو کابل سے کابل کیونکہ ہوا بشرطیکہ اُس کو نماز پڑھنے کا خیال ہو اس طرح پر نماز پڑھ لینی کچھ مشکل نہیں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہ کرنا عصر کے ساتھ اور نماز مغرب کو نماز عشا کے ساتھ ملا کر پڑھا حالانکہ اُس وقت آپ نہ سفر کی حالت میں تھے نہ کوئی کسی قسم کا خطرہ لاحق تھا نہ بارش تھی لوگوں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیونکہ کیا انھوں نے کہا کہ اس لیے کہ امت پر تنگی نہ رہے

**سوال**۔ علاوہ نماز کے وضو میں بھی تو وقت صرف ہوتا ہے اور کابل کو لوگوں کو تو یہ نماز سے بڑھ کر سخت مہم معلوم ہوتی ہے

**جواب**۔ وضو میں سب سے اہم کام پاؤں کا دھونا ہے ہاتھ منہ دھولینا اور مسح کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے یہ سچ ہے کہ پاؤں کا دھونا اولیٰ اور افضل ہے لیکن قرآن مجید کے مطابق اُن پر صرف مسح کر لینا بھی کافی ہو سکتا ہے انگریزی جو تہ جو ٹخنہ تک ہوتا ہے یا موزہ پہنے ہوئے اور بعض محدثین کے نزدیک اگر جُڑا ب ہی پہنے ہوں تو اُس پر مسح کرنا جائز ہے اور جب جمع بین الصلوٰتین کیا جائے تو صرف دو دفعہ وضو کرنا کافی ہوتا ہے ورنہ زائد سے زائد تین دفعہ وضو کرنا ہوتا ہے اگر بیماری و مجبوری ہو تو اُس حالت میں تیمم ہے۔

**سوال**۔ یہ سب کچھ تو مانا لیکن یاد آئی کیلئے کسی وقت کی قید کی کیا حاجت ہے جب ہو سکے کر لے اور جب چاہے کر لے۔

جواب یہ بیشک صحیح ہے خدا کی یاد اور اپنے اظہار نیاز مندی کیلئے کسی وقت کی پابندی کی ضرورت نہیں جسقدر ہو سکے اور جہاں تک ہو سکے اسقدر اچھا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ انسان کو فرائض زندگی اور مشاغل ضروری سے کسی وقت چھٹکارا نہیں ایسے لوگ جنکی طبیعتیں عالی درجہ کی ہوں اور اُن کو خدا کی یاد سے کوئی شے مانع نہ ہو دل بیار اور دست بکار پر اُنکا عمل ہو اور خدا کا صحیح خیال کر سکیں بہت ہی کم ہوا کرتے ہیں اس لئے ضرور ہے کہ کوئی طریقہ عبادت ایسا ہو جو عام و خاص سب سے یکساں نسبت رکھتا ہو اور اُس کے لئے خاص خاص وقت بھی مقرر ہوں تاکہ لوگوں کو اپنے مشاغل میں خدا کی یاد سے بالکل فراموشی نہ ہو جائے اور اعتدال و سلامت روی اُن کے اخلاق اور کاموں سے سلب نہ ہو جائے اُن کو وقت کی قدر و قیمت سمجھائی جائے تاکہ وہ انضباط اوقات کے اصول کو چھوڑ نہ بیٹھیں جن پر دُنیا و آخرت کی فلاح موقوف ہے افسوس باوجود اس کے کہ نماز کے اوقات پنجگانہ ہر وقت لوگوں کو وقت کی قدر و قیمت کا مفید سبق سکھاتے رہتے ہیں مگر ہم قسمت مسلمانوں کی حالت اُس کے بالکل برخلاف ہے بعض نا فہم تو اسلامی تعلیم سے اسقدر دور جا پڑے ہیں کہ وہ پابندی اوقات کو بھی عیسائیوں کی تقلید خیال کرتے ہیں سچ یہ ہے کہ وقت کی بھیر مٹی اور بیدردی سے اُس کو ضائع کرنے کا مرض جسقدر ہم مسلمانوں میں عام ہو شایہ ہی کسی قوم میں اُسکی نظیر ہو۔

سوال۔ جب ذات واجب الوجود کیلئے کوئی سمت و جہت خاص نہیں تو پھر قبلہ

کی طرف نماز میں مُنہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

**جواب۔** قبلہ کی طرف مُنہ کرنا اسلام نے اس لیے نہیں ٹھہرایا کہ اُس سمت کو کوئی خاص خدا کے ساتھ خصوصیت ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ إِنَّمَا تَوَلَّوْا فُتُوًّا وَجِبَالُ اللّٰهِ اُكُنَّ بُغْزًا لِّمَنْ شَاءَ ذَلِكُمْ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ الْمُلْكُ كُلُّ شَيْءٍ فِیْ يَدِیْهِ یَوْمَئِذٍ لِّمَنْ یَّشَآءُ یُغْفِرُ مَن یَّشَآءُ وَلَا یُغْفِرُ لِمَن یَّشَآءُ ۚ سَیُجْزٰی السَّٰغِرُ ۝۱۰۸

بلکہ انسان کو اپنے افعال و حرکات میں فطری طور پر ایک سمت ایک مرکز اور ایک ترتیب کی ضرورت ہے تاکہ سب کام اُسکے باہم مربوط اور بے نظمی اتری کے نقصان سے پاک ہوں نماز کے لیے سمت قبلہ مقرر کرنا بھی اسی پر مبنی ہے ہر قوم کا ایک نہ ایک قبلہ رہا ہے یہود کا قبلہ بیت المقدس ہے نصاریٰ کے قبلہ مشرق ہے آغاز اسلام میں مسلمانوں کا قبلہ بھی بیت المقدس تھا جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی اُس کے بعد ڈیڑھ برس کے قریب تک مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس ہی رہا۔ تحویل قبلہ کا حکم نماز عصر کے وقت ہوا آنحضرت صلعم نے کعبہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھی اُس وقت مسجد قبا میں نماز ہو رہی تھی ایک صحابی اُدھر سے گزرے اُنھوں نے نمازیوں کو تحویل قبلہ کی خبر دی یہ سُننے ہی جو جماعت رکوع میں تھی اُسی وقت کعبہ کی طرف پھر گئی۔ یہی وہ جوش اتباع ہے جو انوس ہے کہ مسلمانوں کے خون سے مفقود ہو گیا جس نے دُنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسلام کی روشنی پھیلا دی اور سارا جہان جگمگا اٹھا تحویل قبلہ میں چند مصلحتیں تھیں۔ اول خداوند تعالیٰ کو

اپنے بندوں پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ سمت قبلہ بطور نشان شرط نماز قرار پائی ہے وہ اصل احکام میں داخل نہیں ہے تبدیل قبلہ سے رجوع الی اللہ میں کہ جو اصل نماز ہے کچھ فرق نہیں آتا مسلمانوں کے لیے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا کعبہ کی طرف نماز پڑھنا یا ریل اور کشتی میں ہر طرف نماز پڑھنا سب برابر ہے۔ دوسری مصلحت یہ تھی کہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے میں مشرکین میں جو منافق تھے انکی میتز صلی ایمان والوں سے منظور تھی یہی بات خدا نے فرمائی ہے۔

وما جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا  
اَلْاَلَمَلْعَلَم من يَتَّبِعِ الرَّسُولَ مِمَّنْ  
يَنْقَلِبْ عَلٰى عَقْبَيْهِ

ہم نے اس قبلہ کو جس پر تو تھا بجز اس غرض کے اور کسی مطلب سے  
نہیں مقرر کیا تھا کہ ہم جانیں اس شخص کو جو پیروی کرتا ہو  
رسول کی اس شخص سے جو پھر جاتا ہو اپنی ایڑیوں پر۔

اس طرح کعبہ کو قبلہ مقرر کرنے سے یہ غرض تھی کہ بنی اسرائیل میں سے بہت لوگ ایمان لائے تھے کچھ انہیں منافق بھی تھے اس امر کی میتز ضروری تھی کہ کون سچے دل سے ایمان پر قائم ہے اور کون ظاہر داری سے اپنے کو مسلمان ظاہر کرتا ہے پہلے آنحضرت کو تبدیل قبلہ کی فکر ہوئی اور اُس پر خدا سے وحی آئی کہ کعبہ کی طرف سمت قبلہ کو بدل دو۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ  
فَلْنُوَلِّيكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا قَوْلٍ  
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

ہم نے دیکھا ہے تیرا منہ پھر آسمان کی طرف پھر ضرور ہم تجھ کو  
ایک ایسے قبلہ کی طرف پھیرینگے جس کو تو پسند کریگا  
پس پھر منہ اپنا مسجد حرام کی طرف۔

بیت المقدس اور بیت الحرام دونوں مسجدیں تھیں دونوں میں سے کسی طرف نماز پڑھنا برا بتھا مگر اس سے منافق یہودیوں کی تیز ہو گئی یہ امر ایسا مینر قرار پایا کہ آنحضرت صلعم نے فرما دیا۔

من استقبال قبلتنا فهو مُسَلِّمٌ | جسے ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی وہ مسلمان ہے۔  
اسی نشان کے قائم رکھنے کو خدا نے یہ حکم دیا۔

وَحِثْ مَا كُنْتُمْ فُولُوا وَجْهَكُمْ شَطْرًا | تم جہاں کہیں ہو منہ اپنا کیسے کی طرف کرو۔  
تیسری مصلحت یہ تھی کہ خدا کو حضرت ابراہیم کی معبد کی گئی ہوئی وقت قائم کرنا تھی۔  
وہ دُنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا خلیل ایک معمار تھا جس بن کا ازل میں مشیت نے تھا جس کو تا کا کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدایا کا وہ اک بُت پرستوں کا تیر تھ بنا تھا جہاں تین سو ساٹھ بُت بیچ رہا تھا سوال۔ نماز کے لئے عربی کی تخصیص کیون کیجاتی ہے یہ ایک بے فائدہ سی بات ہے کیونکہ بے معنی سمجھے ہوئے صرف مُسنے سے بڑبڑالینے سے تو کچھ فائدہ حاصل ہونہیں سکتا۔

جواب۔ یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے اگلے زمانے میں اسکی بہت کچھ بحث و تحقیق ہو چکی حسامی اور سید جموی وغیرہ نے اسکی تصریح میں بہت کچھ لکھا ہے فارسی وغیرہ زبان میں نماز کو جائز بتایا ہے خیر جائز ہونا تو اور بات ہے اور اپنی اپنی رائے ہے لیکن ایسا خیال درحقیقت نماز کی حقیقت پر غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے نماز نام ہی

رجوع الی اللہ کا یون کو کہ خداوند تعالیٰ کے دربار کا جہان انسان اپنے دل اور زبان دونوں سے اپنی نیاز مندی اور عبودیت کا اظہار کرتا ہے مولانا شاہ سلیمان صاحب نے اپنے وعظ میں اچھی بات کہی تھی کہ دربار کے قواعد اعلیٰ درجے کے درباری اور مقرب لوگ مقرر کیا کرتے ہیں اور تمام درباری انہیں قواعد کے پابند ہوا کرتے ہیں۔ بارگاہ اہی کے مقرب ہمارے رسول خدا صلعم ہیں اور انہیں نے یہ آداب و قواعد مقرر کیے ہیں ہم عام درباریوں کو یہ استحقاق نہیں کہ اُس میں رد و بدل کریں کیا کہ دیر لے کے درباریوں کے قواعد ہم درباری لوگ بدل سکتے ہیں ہرگز نہیں پھر بارگاہ اہی کے قواعد میں کیونکر دخل و مقول دے سکتے ہیں ایوان گورنری کی رفعت و تمبر اور جنوری کے سرود ہوا کے جھونکے اللہ اللہ کیا کیا وقتیں پیش آتی ہیں مگر یاریابی کا وہ شرف ہے کہ ان سب قواعد و الاطابق کا متحمل ہونا ہی پڑتا ہے اور اگر ذرا کوئی ان قواعد مقررہ کے خلاف کرے تو سع پابست دگرے دست بستہ گرے بہ کی نوبت آئی اب سمجھو کہ جب ہم حاکم مجازی کے قواعد میں نہ ترمیم کر سکتے ہیں اور نہ کوئی عذر تو پھر حاکم حقیقی کے اصول و قواعد میں کیونکر ہم ایسی گستاخی اور جرات کر نیکیے مجاز ہو سکتے ہیں قطع نظر اس کے اب زبان کے مسئلہ پر نظر ڈالو اور موجودہ نظام حکومت پر غور کرو برٹش سلطنت کی زبان انگریزی ہے جو لوگ کہ زبان انگریزی سے ناواقف ہیں ان کو بھی ضرورت کہ وقت جواڑیں یا کوئی معمولی میموریل گورنٹ میں پیش کرنا ہوتا ہے وہ زبان انگریزی میں پیش کیا جاتا ہے

اسی لئے کہ وہ سلطنت کی زبان ہے اور ہماری زبان پر ضرور اُس کو شرف حاصل ہے یہ ہماری نادانی یا غلطی ہے کہ سمجھنے کیون ایسی ضروری زبان کو نہیں سیکھا آداب سلطنت کا تو اقتضایہ ہی ہے کہ جو عرض حاجت ہو وہ سلطنت کی زبان میں ہو اس طرح ہمارے مذہبی اور روحانی سلطنت کی زبان عربی ہے پس دربار خداوندی (نماز) میں ہم کو جو کچھ کہنا چاہئے وہ عربی زبان ہی میں کہنا چاہئے نماز میں اُردو زبان وغیرہ کا ترجمہ قرآن مجید پڑھنا ایک قسم کی گستاخی اور مبیا کی ہے ایک زبان کی محاورات یہ ضرور نہیں کہ دوسری زبان میں بھی اُسی فصاحت و بلاغت سے ادا ہوں اصل و ترجمہ میں بڑا فرق ہوا کرتا ہے اسی ترجمہ کی بدولت توریت و انجیل ہر دو تین برس کے بعد نیاروپ بدلا کرتے ہیں جس سے نئے نئے معنی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔“

اس بحث کو بھی چھوڑو اب تاثیر کے اعتبار سے زبان پر غور کرو عام طور پر کلام کی عزت و منزلت متکلم کی عظمت و وجاہت پر موقوف ہو ا کرتی ہے ایک پادشاہ یا ایک واجب التعظیم بزرگ یا ایک اہل اللہ کے مُنہ کے معمولی الفاظ نکلے ہوئے جس رغبت اور عزت کی نظر سے سُنے جاتے ہیں اور عام و خاص کے دلون پر حیرت انگیز اثر ڈالتے ہیں اُس رغبت و قدر کی نگاہ سے کسی بڑے فصیح و بلیغ خطیب کے وعظ بھی دلون پر وہ تاثیر نہیں کرتی اور نہیں کر سکتی اس سے ظاہر ہے کہ جس کلام کو قادر ذوالجلال کے کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا اور

رسو خدا صلعم جیسے اولی العزم پیغمبر کی زبان سے ہم تک پہنچا ہو گو کہ ہم اُس کے معانی و مطالب سے بھی آگاہ نہ ہوں جو تعب و تاثر اور جو خیال و جمع الی اللہ کا اثر اتنے خیال سے کہ یہ اُس کا کلام ہے جسکی عظمت و جلال کے سامنے ہم سرنگون ہو رہے ہیں) دلون پر طاری ہوتا ہے وہ ہرگز کسی دوسرے ذریعے سے نہیں ہو سکتا ہاں البتہ جو لوگ زبان عربی سے واقف نہ ہوں اُن کو پہلے سے اُن سورتوں اور لفظوں کا ترجمہ جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں یاد کر کے سُن سنا کر ذہن نشین کر لینا اولیٰ اور افضل ہے اور بہت ہی عمدہ بات ہے اس طریقے سے وہ اخلاقی فوائد بھی جو نماز سے مقصود ہیں۔ حاصل ہوں گے اور ربانی کلام کی تاثیر بھی دلون پر اپنا کام کرتی رہیگی خدے تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

فَأَقِمْ وَفِیْهِ الصَّلَاةُ

حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ

آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔

تَعْبُدُ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ

تَرَاهُ فَإِنَّكَ بَرَّكَ

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ کمال نماز کیلئے چھ باتیں ضروری ہیں (۱) دل کا پوری طور پر

خدا سے مدد چاہو صبر اور نماز کے ساتھ۔

پڑھو جو آسان ہو مگر قرآن میں سے اور نماز قائم رکھو۔

یہاں تک کہ سمجھو اسکو جو تم پڑھتے ہو۔

نماز خش اور نغویات سے روکتی ہے۔

خدا کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسکو دیکھ رہا ہے اور

اگر یہ تجھے نہ ہو تو یہی سمجھ کہ وہ تجکو دیکھ رہا ہے۔



خدا کی طرف رجوع ہونا حدیث میں آیا ہے۔

لا صلوة الا بحضور القلب۔ | نماز کامل نہیں ہوتی جب تک دل رجوع نہ ہو۔

(۲) جو کچھ منہ سے کہے اُس کے معنی اور مطلب کو سمجھتا جائے (۳) خدا کی بزرگی اور عظمت کو مد نظر رکھنا (۴) ہیبت کا ہونا انسان کے دل پر خدا کی بزرگی و جلال کا ایسا خوف طاری ہو جیسے کسی صاحب قوت و اختیار کے سامنے دل میں پیدا ہوتا ہے (۵) امید و ارجمت ہونا کیونکہ اگر کسی کے جانب سے صرف خوف ہی خوف ہو تو اُس سے نفرت پیدا ہوتی ہے (۶) حیا کرنا اپنے قصور و نچرن کا نام گناہ ہے اور شرمندہ رہنا۔ یہ سب حالتیں یکایک نہیں پیدا ہوتیں بلکہ ملاومت اور روحانی ترقی سے رفتہ رفتہ حاصل ہوا کرتی ہیں قانون قدرت کے مطابق جب قدر انسان کے حالات اور معلومات میں ترقی ہوتی جاتی ہے اُس قدر اُس کے خیالات میں روشنی اور دل میں کشادگی بڑھتی جاتی ہے افسوس افراط اور تفریط نے جو انسانی فطرت کا ایک عام خاصہ ہے ہم مسلمانوں کو کہیں کانہ رکھا ایک گروہ نے دینداری صرف اسی کو سمجھا کہ گوشہ تنہائی کے قفس میں شب و روز حق اللہ پاک ذات اللہ کی صداؤں میں مصروف رہیں اور خیالی ترک دُنیا کر بیٹھیں دوسرے گروہ نے دُنیا داری اس کا نام رکھا کہ مذہب سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے ہمارے زمانہ میں جو قوم تہذیب و شائستگی اور فلسفہ و سائنس کی روح رواں سمجھی جاتی ہے اور حسین بخت نام کے عیسائیت کی تمام خصوصیتیں اور اوصاف مذہب یک قلم متروک ہیں اور

جس نے نظام سلطنت سے مذہب کو بالکل بے دخل کر دیا ہے اُس کا تو یہ حال ہے کہ تہذیب کے پرے میں مذہبی اشاعت کا کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا جاتا انجیل کے ہزاروں ترجمہ مختلف زبانوں میں ہوتے ہیں قریہ قریہ گاؤں گاؤں تقسیم کیے جاتے ہیں لکھ دیے جاتے ہیں گرجے تعمیر ہوتے ہیں مشن کے نام سے نئے نئے اسکول ہسپتال کھولے جاتے ہیں یہاں تک کہ اشاعت تہذیب کے پیرایہ میں اسی مشن سوسائٹی کے ذریعے سے ممالک اجنبیہ میں دخل دہی شروع ہوتی ہے لڑائیوں پیش آتی ہیں اور باوجود مذہبی خصوصیات چھوڑ دینے کے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہر اتوار کی شام کو گرجاؤں میں عجیب طرح کی چل پل ہوتی ہو گھنٹیاں بج رہی ہیں ہر طرف گاڑیاں کھڑی نظر آتی ہیں اب ہم اُن کے مقابل میں اپنے حال پر نظر ڈالتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ جمعہ جمعہ آٹھویں دن بھی مسجدوں میں ہر طرف سناٹا کسی کسی مسجد میں چند غریب غراب، محلہ کو نماز پڑھتے نظر آتے ہیں درحقیقت یہ ایک شرمناک بات ضرور ہے اور ایک طرح پر اسلام کی بے توقیری بھی ہے اور ایک دوسرے سے اجنبیت اور باہمی بتاؤ لہ خیالات نہونے سے جو نقصانات متصور ہیں اُنکا ہونا لازمی بات ہے نماز کا شمار اسلام یعنی مسلمانوں کو مارک سمجھ کر جمعہ کو یکجا جمع ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے جمعہ اور جماعت کی تاکید اور وعید میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں اور اگر ذرا بھی غور سے دیکھا جائے تو کچھ شک نہیں ہے کہ اسلام کا یہ حکم ایک اعلیٰ درجے کی دانشمندانہ حکمت پر مبنی ہے ہر مسلمان کو حکم ہو

کہ تابا مکان نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے اور جمعہ میں حاضر ہوتا کہ قومی اتحاد میں ترقی ہو قومی خیالات مجتمع ہوں غریب و امیر ادنیٰ و اعلیٰ مقیم و مسافر نوکر اور شہنشاہ سب کے سب ایک قومی رنگ میں ڈوبے ہوئے ایک سطح پر خدا کے روبرو کھڑے ہوئے اپنی قومی فلاح اور اخروی نجات کی طلب میں سرگرم ہوں جمعہ کو یا خدائی فوجی ریویو کا دن ہے جماعت سے نماز پڑھنے میں اسلام کی شان و شوکت دکھائی دیتی ہے اور صرف شان ہی نہیں بلکہ یہ دکھایا کہ بہت سے لوگ لکڑاُس ابدی الظہور و ابدی النخا کو حاضر ناظر جان کر اُس کے سامنے زمین پر سر ٹیکتے ہیں دل پر بہت بڑا اثر ہوتا ہے اور جب پیش امام کوئی مقدس شخص ہوتا ہے اور جب نماز میں قرآن مجید ترتیل اور خوش آوازی سے پڑھا جاتا ہے تو ہر نمازی پر خواہ وہ قرآن کے معنی سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو بے انتہا اثر ہوتا ہے آنحضرت صلعم نے حضرت ابو موسیٰ اشعرئیؓ کی خوش آوازی پر متعجب ہو کر فرمایا۔

لقد اوتیت حمزاً من حزامیر آل داؤد | خلفہ تجو نریر آل اودین سے ایکن البینی خوش آواز کی عطا کیا ہو۔  
مولانا شاہ سلیمان صاحب نے خوب کہا ہے کہ میں اُن نا سمجھ مولویوں میں نہیں ہوں کہ لوگوں کو کافرو مرتد و بے دین کہہ کر الگ ہو بیٹھوں میں اسلام کے حلقے کو وسیع کرنا چاہتا ہوں نہ تنگ کرنا میں اسلام کی تعداد بڑھانا چاہتا ہوں نہ گھٹانا میں غیروں کو اسلام میں لانا چاہتا ہوں نہ کہ اپنوں کو کافر کہہ کر نکال دوں میں لوگوں کے

لباس و پوشاک کی بھی پرواہ نہیں کرتا اسلام کسی ایک لباس خاص کا مقید نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے عنقریب وہ زمانہ آیا اللہ خدا کرے کہ ہم اُسے چشم خود ضرور دیکھ لیں۔ جمعہ کے دن جامع مسجد شہر کے دروازوں پر بگٹی چڑھتے ٹم۔ پانکی گاڑتی فٹن لینڈ و کھڑے ہوں اور میں پوچھوں تو معلوم ہو کہ یہ حج صاحب کی سواری ہے یہ مجسٹریٹ صاحب کی یہ بیرسٹر صاحب کی یہ ڈپٹی صاحب کی جمعہ پڑھنے کو تشریف لائے ہیں اندراج کر دیکھوں کہ ادھر مولوی صاحب ہیں شاہ صاحب ہیں ادھر بیرسٹر صاحب ہیں مجسٹریٹ صاحب ہیں کوئی جُبہ و دستار میں ہے کوئی قمیص اور لنگ میں کوئی شروانی ڈانٹے ہوئے ہے کوئی کوٹ پیلیون سے آراستہ ہے عرض ایک عجیب گلہ ستہ ہے اور میں حضرت اسلام کو دیکھ کر کہوں یہ بہر رنگے کہ خواہی جامہ سے پوش من اندازِ قدرت رami شناسم

## بیانِ صوم

سوال۔ روزہ سے کیا مقصود ہے اور وہ کیوں مقرر کیا گیا اور روزے کا نتیجہ کیا ہے اور اُس سے کیا فائدہ مقصود ہے۔

جواب۔ نماز، طہار، روزہ بھی مختلف صورتوں میں ہر زمانہ اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے روزہ سے مقصود خدا کے لئے جسمانی و روحانی تکلیف برداشت کرنا ہے یہ مسئلہ بھی فطرتِ انسانی پر اور انسانوں کی عقلوں کے مختلف درجات پر غور کرنے سے

حل ہو سکتا ہے ابتدا میں جبکہ انسان ایک وحشیانہ زندگی رکھتا تھا اور اُسکی غذا محض قدرتی پیداوار اور جنگلی جانوروں کے شکار پر موقوف تھی اُس وقت میں کبھی کبھی فاقہ گزر جانا ایک لازمی امر تھا نیم وحشی انسانوں کو غالباً غذا سے زیادہ تر کوئی چیز عزیز اور خوش کرنے والی نہ تھی ایسی حالت پر فاقہ کا کبھی کبھی پیش آنا ضرور انسان کے دل میں اس خیال کا باعث ہوا ہو گا کہ وہ اعلیٰ طاقت جو تمام حوادثِ طبعی کی مرکز ہو اُسکا اقتضا ہی یہ ہے کہ انسان اُسکے لیے جسمانی تکلیف اٹھائے اسکو دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ دیوتا یا خدا انسان کی جسمانی تکلیف سے راضی ہوتا ہے جبکہ یہ خیال انسان کے دلمین گزرا اُسی وقت سے روزہ نے مذہبی رسم ہونے کا درجہ پایا چنانچہ توریت میں جان روزہ کا حکم دیا گیا ہے وہاں اسی قسم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا اپنی روحوں کو مبتلا کرو عبری زبان کے قدیم محاورہ میں روح کے مبتلا کرنے سے روزہ مراد ہوا کرتا ہے غرض قدیم سے یہ ایک عجیب طرح کا خیال چلا آتا ہے کہ خدا یا دیوتا انسان کی زندگی کو آسائش سے بسر کرنا پسند نہیں کرتا جس قدر انسان اپنی روح اپنے بدن کو تکلیف اور مصیبت میں ڈالے اُسی قدر خدا کی رضامندی حاصل ہوتی ہے یونانی اور رومی مذہبی افسانے اس خیال سے بھرے پڑے ہیں اسی غلط خیال کی بنا پر طرح طرح کی سخت ریاضتیں بیرحانہ مجاہدی لوگوں نے اختیار کیے کسی نے گھر بار چھوڑ کر جنگلوں اور

غارون میں تمام زندگی بسر کر دی جب ہم ہندو جو گیہوں اور عیسائی فقیروں کے رہنے کے غار اور پہاڑوں کی تنگ اور تاریک کھوئیں دیکھتے ہیں تو ہلکو بڑا تعجب ہوتا ہے کسی نے پتنگ پر سونا اور شادی بیاہ کرنا تمام عمر کے لیے ترک کر دیا کسی نے چالیس چالیس دن کے بے آب و دانہ چلے کچھ چھنا ثواب اور عین دین کا کام سمجھا کوئی اپنا ہاتھ اوچھا کر کے سکھا دیتا ہے کوئی میٹھنا اٹھنا اور لیٹنا چھوڑ دیتا ہے اور تمام عمر کھڑے رہ کر گزار دیتا ہے کوئی لذیذ غذا کو چھوڑ دیتا ہے اور تمام عمر صرف نہایت حقیر اور کثیف غذا پر زندگی بسر کرتا ہے ہندو جو گی اور سناسی اور عیسائی مانک اور نین ہمارے زمانے میں اسکی زندہ مثالیں موجود ہیں اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ لوگ جان کی قربانی کرنے لگے اپنے آپ کو بل چڑھا دیتے تھے اُن سے ٹھکر بطریق تنزل اولاد کی قربانی کیجاتی تھی بہر حال ہر زمانے میں ہر ایک قوم میں اس خیال نے عجیب عجیب طرح سے اپنا جلوہ دکھایا ہے۔

**سوال۔** درحقیقت اگر روزہ کی بنیادی ہے اور بیشک ایسا ہی ہے اور انسان کی جسمانی اور روحانی تکلیف اور مصیبت سے خدا راضی ہوتا ہے تو معاذ اللہ ایسا خدا رحیم و کریم کا ہے کہ وہ اوہ تو ظالم اور آزار پسند ٹھہرا اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ اسلام جو بالکل فطرت الہی کے مطابق ہے اور کافۃً للناس یعنی تمام جہان کے آدمیوں کے لئے ایک سچا مذہب ہے اور خدا تعالیٰ کو رحمن اور رحیم کہہ کر پکارتا ہے اُس نے ایسی سختی کیونکر انسانوں پر جائز رکھی ذرا درسی بات پر

تو اسلام نے دین میں آسانی برتنی کا حکم دیا اور سختی پر چھڑکی دی بیان تک کہ ایک شخص نے آنحضرت صلم سے ایک امام کی شکایت کی کہ وہ نماز دیر تک پڑھاتا ہے اور میں کاروباری آدمی ہوں میرا بڑا حرج ہوتا ہے اس لیے میں صبح کی نماز میں حاضر نہیں ہو سکتا یہ سن کر آنحضرت صلم اس قدر غضبناک ہوئے کہ حضرت ابوسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو اتنا غصہ میں کبھی نہیں دیکھا آپ نے فرمایا جو امام ہو تو وہ مختصر نماز پڑھائے کیا تم لوگوں کو دین سے نفرت دلانا چاہتے ہو نماز میں بوڑھے ضعیف اور اہل حاجت بھی طرح کے لوگ ہوا کرتے ہیں اس طرح آپ نے بارہا نہایت شد و مد سے تاکید فرمائی اور لوگوں پر ظاہر کیا کہ دین ایک آسان چیز ہے! انہم یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آنحضرتؐ نے روزوں کو کیونکر جائز رکھا اور ضعیف اور اہل حاجت کے طبعی اور ہنگامی مجبور یوں کو کیونکر فراموش کر دیا موسمی تغیرات اور ملکوں کے مختلف طبعی حالات کو کیونکر نظر انداز کر دیا مثلاً ارض تسعین میں چھ مہینے کا دن ہوتا ہے یہ تو مثال طبعی اختلاف کی ہے موسمی اختلاف پر نظر کیجئے یہ میرا مشاہدہ ہے کہ ایک شتر و اٹھارہ برس کا بڑا کاموسم گرما کے روزہ میں پیاس کی تاب نہ لا کر تڑپنے لگا اُس کے باپ نے اُسکی بیقراری دیکھ کر کہا کہ میں مولوی صاحب کے پاس جا کر مسئلہ دریافت کر آؤں تو بجو پانی دون باپ گیا مسئلہ دریافت کرنے لڑکا بیتاب ہو کر پانی کے شگلے کی طرح دوڑا اُس کے قریب پہونچ کر چاہتا تھا کہ پانی پئے اتنے میں کمال تشنگی سے دفعۃً

انکی روح قفس تن سے پرواز کر گئی اور وہ مسکے سے لپٹا ہوا مُردہ پایا گیا یہ موسمی تغیرات کی مثال ہے کیا عقل اُس کو قبول کرتی ہے کہ جو مذہب بالکل فطرت انکی کے مطابق ہو اور تمام جہان کے لوگوں کی واسطے ہو اور اُس خدائے رحمن و رحیم کا بھیجا ہوا مذہب ہو جو تمام جہان کے حال سے باخبر ہے وہ ایسی سختی اور تشدد کو جائز رکھ سکتا ہے ہرگز نہیں۔ ایک مجوسی کا ذکر ہے کہ جب وہ مسلمان ہو گیا اور پہلے پہل ماہ رمضان واقع ہوا تو اُس نے روزوں کی سختی کے متعلق مسلمانوں کو مخاطب کر کے ایک شعر پڑھا۔

وَجَدْنَا دِينَكُمْ سَهْلًا عَلَيْنَا  
شَرَّائِعِهِمْ سَهْلًا عَلَيْنَا  
میں نے تمہارے مذہب اور اُس کے احکام کو نہایت سہل پایا سو اُسے ماہ رمضان کے۔

جواب۔ یہ تمام لغو شبہات اسلامی روزہ کی حقیقت سجانے کا نتیجہ ہیں اور زیادہ تر اُن راہوں اور غلط رسموں سے تعلق رکھتے ہیں جو بد قسمتی سے مسلمانوں میں عام طور پر شائع اور جاری ہیں اسلام نے جس ضرورت اور جن اُصول پر روزہ کی رسم کو جاری رکھا اُسطح پر روزہ ایک نہایت مفید چیز ثابت ہوا ہے اور بالکل فطرت انکی پر مبنی ہے سرِ موائے خلاف نہیں وہ اُصول یہ ہیں۔

(۱) روزہ اور تمام عبادتیں صرف انسان کے فائدے کی غرض سے ہیں خدا کا کوئی فائدہ نہیں نہ اُس کو اسکی کچھ پرواہ خدا کسی کی تکلیف کو پسند نہیں کرتا



مَا يُبِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرِّهِ وَلَكِنْ يُبْدِلُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ خدایہ نین چاہتا کہ دین میں تمہارے اوپر کچھ وقت پیدا کرے بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا جو شخص اچھا عمل کرتا ہے وہ اپنے لئے اور جو بُرا کرتا ہے وہ اپنے لئے۔

إِنَّ اللَّهَ لَعَلِيَّ عَنِ الْعَالَمِينَ خدا تمام عالم سے بے نیاز ہے۔

(۲) اسلام نے روزے کو بطریق نفسانی علاج کے قائم رکھا نہ یہ کہ اور قوموں کی طرح اُسکو مقصود بالذات ٹھہرا کر انسان کی تکلیف یا اُسکی جان کی قربانی کو خدا کی مرضی اور خوشنودی سے رادیا ہو۔ رہبانیت کی حدیث اور وہ حدیث تو اُن پر گزر چکی حسین مذکور ہے کہ ایک شخص نے کہا تھا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھا کرونگا کیونکہ آنحضرت صلم کے اگلے پچھلے گناہ تو خدا معاف کر چکا ہے ہماری اُنکی مثال ہی کیا یہ اُسے آنحضرت صلم کی عبادت کو بہت خفیف سمجھ کر کہا تھا جب یہ خبر آنحضرت صلم کو پہنچی تو آپ بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ میں تم لوگوں کی نسبت خدا سے بہت زیادہ ڈرنیوالا ہوں میں روزہ بھی رکھتا ہوں انظار بھی کرتا ہوں جو میرے طریقے سے منہ پھیرے وہ مجھ میں سے نہیں ہے اب ہم وہ حدیث لکھتے ہیں جس سے روزہ مقرر کرنے کی غرض معلوم ہوتی ہے۔

عن ابی ہریرۃ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ

صلعم الصّیّام جُتّہ | صلعم نے کہ روزہ سپرد یعنی فسادِ شہوت و غضب بجاتا ہو۔  
شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ روزہ ایک تریاق ہے اور تریاق کا استعمال  
مقدار کے اعتبار سے ہوتا ہے اور عمومِ نفسانیہ کے دور کرنے کیلئے استعمال  
کیا جاتا ہے مگر چونکہ اُس سے لطیفہٴ نفسانیہ کے مقام اور اُس کے جائے ظہور  
کو بھی ایک قسم کا صدمہ پہنچتا ہے لہذا ضرورت کے مطابق اُس کا معین کرنا لازم  
ہو اخذ لے تعالیٰ روزے کی نسبت فرماتا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ | غائباً تم پر نیکار ہو جاؤ گے۔

یعنی جسمانی و روحانی پاکیزگی تکو حاصل ہوگی جسمانی پاکیزگی یہ کہ مثلاً معرہ کو ہر وقت  
کی امتلا اور غذا پہنچنے سے سکون ہوگا تو بہت سے خراب اجزاء اور رطوبات  
تحلیل ہون کے صحت جسمانی کو فائدہ پہنچے گا روحانی پاکیزگی یہ کہ جب تم بُری  
باتوں سے رُکو گے جسکی سخت ممانعت کیگئی ہے خصوصاً رمضان میں اور کچھ دنوں  
تک تمہاری اُسپر مداومت رہیگی تو کیا عجب یہ مداومت آئندہ بطور عادت  
ہو جائے اور تم میں باہمی ہمدردی اور سلامت رومی کا سبب ہو جائے انحضرت  
صلعم نے فرمایا۔

الصبر نصف الايمان | صبر نصف ایمان ہے۔

اور روزہ نصف صبر ہے الصوم نصف الصبر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

الصوم لی وانا اجزی بہ | روزہ خاص میرے لئے ہوا و زمین ہی اُسکی جزا ہوں۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 من لم یدع قول لزور والعمال یرو الجھل  
 فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعائہ  
 وشرابہ رواہ البخاری

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے  
 جھوٹ کو ترک نہ کیا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا اور جہالت  
 پر ہیز نہ کیا اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی خدا کو کچھ حاجت  
 نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے روزہ دار  
 ایسے ہیں کہ ان کو ان کے روزے سے بجز بھوک  
 الا الجوع والعطش

غرض روزہ کو ایسی عام حالت کے لحاظ سے کسی طرح غیر مفید نہیں کہا جاسکتا۔  
 (۳) اسلام نے روزوں کے مقرر کرنے میں مختلف مزاج مختلف ملک مختلف  
 موسم اور مختلف طبعی حالتوں کا کامل لحاظ رکھا ہے کسی قسم کی صعوبت روا  
 نہیں رکھی جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ  
 الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن  
 قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں (اہل کتاب پر)  
 روزہ رکھنا فرض تھا تم پر بھی فرض کیا گیا تاکہ تم رب سے  
 گناہوں سے بچو۔

اس آیت میں روزہ سے مراد رمضان کے روزے ہیں اگلے لوگوں سے مراد اہل  
 کتاب ہیں مسلمانوں کے روزوں کی اہل کتاب کے روزوں سے جو مشابہت  
 دیکھی ہے اس سے یہ مطلب ہے کہ جس غرض اور خیر بنا پر اہل کتاب نے  
 روزے رکھنا اختیار کیا اسی بنا پر تم کو بھی روزے رکھنے کا حکم دیا گیا۔ زمانہ

نزول وحی میں حضرت موسیٰ چالیس دن پہاڑ پر اور حضرت عیسیٰ چالیس دن بیابان میں رہے تو ریت و انجیل دونوں سے پایا جاتا ہے کہ اُن دونوں میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ روزہ دار تھے بعد میں اُنکی اُمت نے اُنکی متابعت کے خیال سے اُن دونوں میں ہر سال روزے رکھنا اختیار کیے آنحضرت صلعم نے ماہ رمضان کو (جو نزول وحی کا زمانہ تھا) کوہ حرامین گزارا اور آپ بھی اُس زمانے میں روزہ دار تھے پس خدا نے فرمایا کہ سطح یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے نبی کی متابعت میں اُس زمانے میں روزہ اختیار کیے تھے اُسطح تم بھی اختیار کرو جو سب اہل کتاب کے روزے اختیار کرنے کا ہوا وہی سبب مسلمانوں کے روزے اختیار کرنے کا ٹھہرا اسی ایک سبب صیام میں اگلے اہل کتاب کے ساتھ تشبیہ دہائی ہے اُس کے بعد خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

<p>آيَا مَاعِدَٰتُ فَمَن كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامِ مَسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَان تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ</p>	<p>گنتی کے چند روزہ میں آپس پر بھی جو شخص تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے اور جب کو کھانا دینے کا مقدور ہو (اپنے ایک دنے کا) بدلہ ایک محتاج کو کھانا کھلا دینا ہو اور جو شخص اپنی خوشی سے نیک کام کرتا چاہے تو اس کے حق میں زیادہ بہتر ہو اور سمجھو تو روزہ رکھنا۔</p> <p>(بہر حال) تمہارے حق میں بہتر ہے۔</p>
--	---

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام نے روزہ کو جس سہل طریقے کے ساتھ

اور جس ترتیب کے ساتھ مقرر کیا وہ بالکل فطرت الہی کے مطابق ہے اور کوئی بات اُس میں ایسی نہیں کہ جو کسی مزاج کے کسی ملک کے کسی زمانے کے اور کسی حالت کے مخالف ہو جیسا کہ خود خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور تمہاری سادگی سے سختی نہیں کرنا چاہتا ہے اور تمہارے لیے حکم اُسے اس غرض سے دیتا ہے کہ تم اپنی عہدہ کو مکمل کرو اور اللہ کو اس پر بڑی تعظیم کرو اور تاکہ اللہ نے تم کو گواہ راست دکھادی ہو اُس نعمت پر جو تم کو اپنی بڑی نعمت (سکس) احسان فرماتا ہے۔

آیت مابعد کے متعلق حسین صاحب مقدور کو ایک محتاج کو روزانہ کھانا کھلاؤ اور حکم ہے علماء میں اختلاف ہے لفظ یطیقونہ کو مخفف اور مشدد دونوں طرح پڑھا ہے تخفیف کی صورت میں یہ آیت منسوخ قرار پاتی ہے اور تشدید واؤ کی بنیاد پر محکم ہے عام گروہ علماء کا یہی قول ہے وہ کہتے ہیں۔

فَمَنْ شَرِهَ مِنْكُمْ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

تم میں سے جو شخص اس مہینے میں (زندہ) موجود ہو تو چاہیے کہ اس مہینے کے روزے رکھے۔

اس آیت نے آیت سابق کو منسوخ کر دیا شاہ ولی اللہ صاحب فوز الکبیر میں لکھتے ہیں کہ ”عدد آیات منسوخہ پانچ سانسیدہ اند“ یعنی جو لوگ نسخ کے قائل ہیں انہوں نے منسوخ آیتوں کی تعداد پانچ سو تک پہنچا دی ہے دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ انچہ برلے متاخرین منسوخ است بروفق شیخ ابن العربی تحریر کردہ

بست آیت شمرده یعنی متاخرین کی رے کے مطابق جیسا کہ شیخ ابن عربی نے لکھا ہے منسوخ آیتیں ہیں متاخر پاتی ہیں مگر محققین علماء اسکے بالکل خلاف ہیں اور وہ قرآن مجید میں ایک آیت کو بھی منسوخ نہیں مانتے بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آیت علی الذین یطیقونہ منسوخ نہیں ہے بلکہ بوڑھے مرد و عورت کے متعلق ہے جو لوگ قرآن مجید میں نسخ کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ پچھلی آیت میں جس کو نسخ قرار دیا جاتا ہے اُس میں کوئی اشارہ کسی قسم کا پہلی آیت کے منسوخ ہونے کا نہیں ہے صرف قیاسیہ بات قرار دی جاتی ہے کہ پہلی آیت کے روزے رمضان کے روزوں سے علیحدہ تھے جن کی نسبت قرآن میں کہیں بیان نہیں کہ وہ کتنے روزے تھے اور کون سے تھے محض قیاس پر کہا جاتا ہے کہ رمضان کے روزوں کی آیت نے اُس حکم کو منسوخ کر دیا جس حدیث پر استدلال کیا جاتا ہے اول تو اُسکی صحت میں کلام ہے اور اگر صحیح مان بھی لیجائے تو اس بات میں کلام ہے کہ حدیث اور خصوصاً خبر احاد سے قرآن مجید کا حکم منسوخ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں یا محض اپنے قیاس سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ پہلی آیت میں جن روزوں کا ذکر ہے وہ وہی رمضان کے روزے ہیں جبکہ پچھلی آیت میں ذکر ہے اور پھر بغیر کسی اشارہ کے کہا جاتا ہے کہ جو اختیار کہ روزہ رکھنے یا فدیہ دینے میں تھا وہ پچھلی آیت سے منسوخ ہو گیا اگر قرآن مجید میں سطح نسخ و منسوخ کا سلسلہ تسلیم کر لیا جائے

تو تمام احکام قرآنی کا منسوخ ہونا اور قائم رہنا صرف لوگوں کے قیاس پر منحصر جاتا ہے جو کسی طرح لائق تسلیم نہیں ہے حق یہی ہے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں اور فدیہ دینے کا جو حکم آیت سابق میں ہے وہ بھی منسوخ نہیں ہوا بطریقوں کے معنی میں مشکل اور تکلیف سے کسی کام کو انجام دینا عربی میں دو لفظ ہیں ایک وسع اور ایک طاقت وسع کی لفظ اُس شخص کے ساتھ بولی جاتی ہے جو کسی کام کو بڑی پر آسانی سے اور بغیر تکلیف کے قادر ہو اور طاقت کی لفظ اُس شخص کے ساتھ بولی جاتی ہے جو کسی کام پر مشکل سے اور تکلیف اٹھا کر قادر ہو جو لوگ نہایت تکلیف اور سختی جھیل کر روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں اُن کو اجازت ہے کہ روزہ رکھنے کے بدلے فدیہ دین فدیہ سے مراد یہ ہے کہ ہر روز کے بدلے ایک دُر یعنی قریب ایک سیر کے گہون محتاج کو دیکھا وین جو محققین علماء نسخ کے قائل نہیں ہیں اُنہیں اس امر کی بابت بھی اختلاف ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو نہایت تکلیف اور سختی اٹھا کر روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں سب سے پہلے کا قول ہے کہ وہ وہ لوگ ہیں جو بہت بڑھے ہو گئے ہیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ اپنے مرنے سے پہلے روزہ نہیں رکھتے تھے اُن کو روزہ رکھنے میں سختی اور دشواری معلوم ہوتی تھی اور ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتے تھے مگر حقیقت بڑھے کی قید لگانا بھی ٹھیک نہیں ہے قرآن مجید میں کوئی ایسا اشارہ نہیں ہے جس سے الذین یعنی اُن لوگوں سے مراد صرف بڑھا آدمی لیا جائے

تمام انسان خواہ بڑھے ہوں یا جوان اُنکی حالت باعتبار پیدائش اور موسم اور ملک کے مختلف ہوتی ہے بہت سے جوان آدمی لحاظ اپنے ضعف خلقت کے ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو روزہ میں حد درجہ تکلیف اور مشقت ہوتی ہے اور بعض بڑھے ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو روزہ معلوم بھی نہیں ہوتا خیر یہ تو سب علما کی رائیں ہیں اگر خداوند تعالیٰ کی صریح حکم اور قرآن مجید کے الفاظ اور سیاق کلام پر بخوبی غور کیا جائے تو ہرگز اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خدا نے قرآن مجید میں جو حکم دیا ہے اُن تمام حالات کے لحاظ سے جو اسکے علم ازل میں تھے نہایت عمدہ ترتیب پر مبنی ہے اور بالکل فطرت انسانی کے مطابق ہے پہلی آیتوں میں جہاں بیمار اور مسافر کا اور اُن لوگوں کا جو بدشوارسی روزہ برداشت کر سکتے ہیں حکم ہے اُسکا علانیہ یہ منشا ہے کہ مریض اور مسافر کو روزے کا نہ رکھنا بہتر ہے مگر اُن لوگوں کی نسبت جو بدشوارسی روزہ رکھ سکتے ہیں یہ منشا ہے کہ اُن کو روزہ رکھنا بہتر ہے جیسا کہ آیت کی ان لفظوں سے پایا جاتا ہے جو شخص اپنی خوشی سے نیک کام کرنا چاہے تو اُس کے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے ”کیا اب بھی کوئی معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ روزہ انسان کیلئے ایک مصیبت ہے اور صحت جسمانی کو مضر ہے اور بعض ملکوں میں اُنکا ادا کرنا غیر ممکن ہے۔“

**سوال۔** اسلامی روزوں کی عمدگی میں تو کوئی شک نہیں جو لوگ روزہ دار ہوں اُنکے لیے اسلام کے کیا احکام ہیں اور کس قسم کے احکام ہیں۔



**جواب۔** اسلام نے مراعات کا کسی حالت میں بھی کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا اور کوئی حکم ایسا نہیں دیا جس سے لوگوں کو مصیبت میں ڈالا ہو صرف اصلاح اخلاق کے پہلو کو مد نظر رکھا ہے آنحضرت صلم نے فرمایا۔

من صام رمضان ايماناً واحتساباً | جو شخص ایمان اور احتساب نفس کے انداز سے روئے رکھتا ہوگی  
عُفِرَ له ما تقدم من ذنبه | تمام گلی خطائیں بخش دی جاتی ہیں آنحضرت صلم نے فرمایا۔  
لا تصوموا حتى تروا الهلال لا تقطروا | چاند نہ دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند نہ دیکھ کر روزہ موقوف  
حاشی تروه۔ | کرو۔

اگلے لوگ رات دن کا روزہ رکھا کرتے تھے خداوند تعالیٰ نے رات کو روزہ سے خارج کیا اور منسرایا۔

كلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الابيض | کھاؤ پو یا نہ تک کہ (رات کی) کالی دھاری سے (صبح کی) سفید دھاری تک کو صاف دکھائی دینے لگے۔  
عن الخيط الاسود من العجى۔

سمرقہ بن جندب سے روایت ہے کہ آنحضرت صلم نے فرمایا۔

لا يغرنكم اذان بلال ولا هذا البياض | یعنی دھوکے میں نہ ڈالے تمکو بلال کی اذان اور وہ سفیدی  
لعمود الصبح حتى يستطير | صبح کا ستون ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کھانا پیا بند نہ کرو اس وقت تک کہ سفیدی خوب تیزی سے پھیلنا شروع نہ کرے ابن جریر کہتے ہیں بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ روزہ دراصل طلوع شمس سے واجب ہوتا ہے جس طرح افطار غروب پر ہوتا ہے حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلم

نے فرمایا۔

تَكْتَحَرُّوْا فَاِذَا نَ فِي السُّجُوْدِ بِرَّكَهٖ | سحری کھایا کرو سحر میں برکت ہے۔

سہل بن سعد کہتے ہیں رسول خدا صلعم نے فرمایا۔

لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَبُوا الْفِطْرَ | وہی لوگ اچھے رہیں گے جبلا فطر کیا کریں گے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلعم سفر میں تھے اور جو صحابہ آپ کے ساتھ تھے بعض انہیں روزہ دار تھے اور بعض بے روزہ جو لوگ بے روزہ تھے انہوں نے خوب محنت کی اور چستی و چالاکی دکھائی جو لوگ روزہ دار تھے وہ بسبب ضعف کے خدمت سے عاجز رہے اسوقت آپ نے فرمایا۔

ذَهَبَ الْمُفْطَرُونَ الْيَوْمَ بِالْأَجْرِ | آج بے روزہ لوگ ثواب کمائی گئے۔

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔

مَنْ افْطَرَ فِي رَمَضَانَ نَاسِيًا فَلَاقِضًا | جسے بھول کر روزہ میں کھاپی یا اسے نہ قضا لازم علیہ وہ لاکھ فائدہ و ہوشیجی ہے نہ کفارہ

جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے سال فتح مکہ میں باہ رمضان مکہ کی طرف سفر کیا آپ سے صحابہ نے عرض کی کہ لوگوں پر روزہ مشکل ہو گیا ہے اور وہ آپ کے منتظر ہیں کہ دیکھیں آپ کیا کرتے ہیں آپ نے یہ سن کر بانی کا پیالہ منگایا اور پی لیا علاوہ ان احادیث کے روزہ داروں کے ساتھ اور بہت رعایتیں لگی ہیں تقبیل ازواج کے روزہ کی حالت میں اجازت دینی غسل جنابت صبح اٹھ کر حالت روزہ

میں جائز ہے حاملہ و مرضعہ کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھیں فدیہ اور قضا کی نسبت مختلف رائیں ہیں صحیح یہی ہے کہ اُن پوچھنا فطار کے نہ فدیہ ہے نہ قضا عورت کو حکم دیا گیا ہے کہ بلامرضی شوہر روزہ نہ رکھے ابوداؤد نے غیر رمضان کی قیاضافہ کی ہے ان تمام صورتوں اور حالتوں کے ساتھ اب بھی اگر کوئی اسلامی روزہ کو غیر مفید و شوار اور خلان فطرت سمجھے تو وہ اسکی نظیر کسی دوسرے مذہب میں دکھائے بشرطیکہ وہ نصوص مذہب یا بانی مذہب کے قول سے علاقہ رکھتی ہو۔

## بیان حج

سوال۔ نماز کے ذکرین مجملہ فرائض مذہبی کے ایک خانہ کعبہ کا حج بھی بیان کیا گیا ہے مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کعبہ کی تعظیم اور اسکی پرستش کو مذہب اسلام نے کیونکر جائز رکھا جبکہ از روی مذہب اسلام غیر اللہ کی پرستش حرام ہے یہ تو کھلم کھلا ایک صریحی بُت پرستی اور بظاہر مشرکین عرب کے تبعیت ہے حالانکہ اسلام نے انھیں باتوں پر اُن کو گمراہ اور کم عقل خسر الدنیا والآخرہ کا مستحق قرار دیا ہے۔

جواب یہ تمام توہمات احکام اسلام اور اسکی دقیق حکمتوں سے ناواقفیت پر مبنی ہیں اور کعبہ کی تاریخی حالات سے بے خبر ہونے پر دلیل ہیں سچ یہ ہے کہ اگر دانشمندانہ نگاہ سے کعبہ کے تاریخی واقعات پر نظر ڈالی جائے اور قرآنی احکام اور

مسائل اسلام پر غور کیا جائے تو حج اُن اعلیٰ درجے کے حکیمانہ اصولوں میں سے ہے جن پر مسلمانوں کو بجا طور پر فخر و ناز اور دوسری قوموں کو رشک ہو سکتا ہے افسوس مسلمانوں کی بے بصیرتی (جیسا کہ اُن کے ہر کام میں دکھی جاتی ہے) اگر اُنکو وہم پرست اور سطحی خیال کا آدمی نہ بنا دیتی تو یہی رسم حج جسکو شعار اسلام کہا جاتا ہے مسلمانوں کی دینی اور دنیوی ترقی کیلئے ہر وقت ایک زندہ روح کا کام دیتی اول کعبہ کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے بعد ازاں رسم حج کی مقصود اور اُسکی غایت کو جاننا چاہیے کعبہ کا اصلی نام بیت اللہ ہے جس کو مسجد الحرام بھی کہتے ہیں یہ نام حضرت ابراہیم کے زمانے سے چلا آتا ہے کعبہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جس زمانہ میں اُسکی بنیاد پڑی اُسوقت فن تعمیر ابتدائی حالت میں تھا اسی سبب سے اُسکی زاوی مساوی طور پر تقسیم ہو سکی کعبہ ہو جانے کے سبب سے اُسکا نام کعبہ ہو گیا ایک نام اُسکا بیت عتیق بھی ہے یعنی مکان قدیم اور بھی کئی نام ہیں جیسے مکہ اور بکہ اور ام القریٰ یہ تین نام تغلیباً کعبہ پر بولے جاتے ہیں ورنہ دراصل یہ نام حرم یا تمام شہر سے تعلق رکھتے ہیں اُم رحم و لباسہ اور الحاطہ بھی کعبہ کا نام پکارا جاتا ہے مگر یہ سب نام بعض صفات کی وجہ سے لوگوں نے رکھ لئے ہیں یہ عمارت چار دیواری تھی جبہ کوئی چھت نہ تھی دروازہ زمین سے ملا ہوا تھا نہ کنواڑ تھی نہ گنڈی اُسکے بیرونی گوشہ میں طواف کے شمار اور اُسکی ابتدا اور انتہا معلوم کرنے کی غرض سے ایک دراز پن گھڑا تھا جس کو حجر اسود کہتے ہیں نصب کر دیا تھا

اور اس چار دیواری کے اندر ایک کنواں کھودا تھا جس کو خزانہ کعبہ کہتے ہیں جو کچھ چیزیں ہست آتی تھیں وہ اس میں رکھی جاتی تھیں یہی چار دیواری دُنیا میں وہ پہلا گھر ہے جو خاص خداے وحدہ لا شریک کی عبادت کی غرض سے بنایا گیا اسکا بانی وہ مقدس شخص ہے جس نے صدق سے کہا لا احب الا فلین میں غروب ہے جانیولی چیز ذکونہ نہیں کرتا

انی وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلذِّی فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ  
میں نے تو ایک ہی کا ہو کر پناہ لی اسی ذات (پاک) کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمان وزمین کو بنایا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

جس زمانہ میں حضرت اسماعیلؑ مکہ میں آباد ہوئے اُس وقت حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کی شرکت سے ایک پہاڑ کی گھاٹی میں کعبہ کی بنا ڈالی جبکہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ خانہ خدا کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے یہ دعا کرتے جاتے تھے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ  
اے ہمارے پروردگار ہم سے (یہ خدمت) قبول کر دینا ہی (دعا کا) سننے والا اور (نیت کا) جاننے والا ہے۔

جب وہ بنکر تیار ہو گیا جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ اَمْنًا وَ اتَّخَذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهیمَ مُصَلًّی  
اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا مہراجہ (دعوت) اور امن کی جگہ بنادیا (لوگوں کو حکم دیا کہ) ابراہیمؑ کی (ہی) جگہ کو نماز کی جگہ مقرر رکھو۔

تو جو قومیں گرد و نواح میں خانہ بدوش پھرتی تھیں وہاں آکر آباد ہوئیں اور حسب دستور اس مقدس مسجد کی زیارت کو لوگ آنے لگے وہاں کوئی زیارت کی چیز بجز

بے چھت کی مسجد کی دیواروں کے اور کچھ نہ تھی جو کچھ زیارت تھی وہ یہی تھی لوگ جمع ہو کر اُس زمانے کے قدیم طریقے کے مطابق جس کو ہم ابراہیمی اور اسماعیلی طریقہ نماز کے نام سے تعبیر کرتے ہیں وہ ان خدا کی عبادت کرتے تھے ننگے سر تہ بند بندھا ہوا برہنہ جسم اُن دیواروں کے گرد جو خدا کے گھر کے نام سے بنائی گئی تھیں اُچھلتے کودتے اور حلقہ باندھ کر چوگرد پھرتے تھے جس کا نام طواف رکھا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بغرض آبادی کہ اور ترقی تجارت یہ بات چاہی تھی کہ لوگوں کے آنے اور زیارت کرنے اور اُس مقام پر عبادت معبود بجالانے کیلئے ایام خاص مقرر کیے جائیں تاکہ لوگوں کے متفرق آنیکے بدلے موسم خاص میں مجمع کثیر ہوا کرے اور سب ملکر خدا کی عبادت کیا کریں اور مکہ کی آبادی اور تجارت کو ترقی ہو جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ کو مخاطب کر کے کہا ہے۔

جب ابراہیمؑ کے لیے خانہ کعبہ کی کچھ مقرر کر دی (اور حکم دیا) کہ ہمارے ساتھ کیونکر ایک (خدا) نہ کرنا اور ہمارے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و کراہ (اور مسجد کے نیا لون (یعنی غازیون) کیلئے صاف تھو رکھنا اور لوگوں میں حج کیلئے نیکارہ کہ لوگ تمہاری طرف (دوڑے چلے آئیں) ان میں سے کچھ تو پیانے اور کچھ ہر (طرز کی) سواہر و زیور (اور دروازے آبی ہوئی) سواہر و زیور (اور سفیر و نکاح معذور نیکارہ) کہ اپنے قانون (یعنی تجارت) کیلئے (یعنی فخر) آمو جو ہوں۔

اِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرٰهٖمَ مَكَانَ الْبَيْتِ  
اَنْ يَّكُوْنُ رَافِعًا وَطَهِّرَ الْبَيْتَ  
لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ  
السُّجُوْدِ وَاَذِّنْ فِي الْمَنَاسِكِ  
يَا مُوَلَّدِ جَعَلْنَا كُلَّ فَاْرِ  
بَيْتٍ مِّنْ كُلِّ فَاْرِ عَمِيْقٍ  
لِّبَشَرٍ وَّامَنَافِعَ لَهُمْ

حضرت ابن عباسؓ نے بھی اپنی تفسیر میں منافع کے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ دُنیا و آخرت دونوں کے منافع مراد ہیں آخرت کا منافع دعا مانگنے اور عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور دُنیا کا منافع فائدہ اٹھانے اور تجارت کرنے سے حاصل ہوتا ہے ان تمام حالات سے صاف ظاہر ہے کہ کعبہ ایک مسجد ہے جو خاص خدائے واحد کی پرستش کیلئے بنائی گئی اور چونکہ اُسکا بانی ایک نہایت مقدس خدا پرست پیغمبر ہے جسے دین ضعیف کی دُنیا میں نبیاً مضبوط کی اس لیے اُسکا نام مسجد اکرام رکھا گیا پس بلحاظ مسجد ہونے اور نیز اس نظر سے کہ دُنیا میں وہ پہلا خدا کا گھر ہے تمام مسجدوں سے زیادہ تعظیم و ادب کا مستحق ہے دوسرا شرف یہ بھی اُسکو حاصل ہے کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد ہے جس طرح گورنمنٹ پولیس کا لحاظ ادب ہر ایک رعایا پر ایک واجبی حق ہے اسی طرح بلکہ اُس سے بدرجہا بڑھ کر جناب رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن سے محبت اور اُس کا لحاظ و پاس تمام مسلمانوں پر لازمی ہے اسی اصول پر تو ریت میں خدا نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا تھا کہ کوہ سینا کی حد مقرر کر اور اُسکو مقدس کر کتاب خراج باب ورتس احادیث میں آیا ہے۔

ہر ایک بادشاہ کیلئے ایک حد سلطانی ہوتی ہے اور خدائے عزوجل کی سرحد اُسکے محارم ہیں۔

اِنَّ اَكْلَ مَلِكٍ حَتَّى وَرَاقِ حِمًی  
اللہ محارم ہے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حضرت ابراہیم نے کہ کو حرم ٹھہرایا اور اہلی مکہ کے لیے

اِنَّ اِبْرٰهٖمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعٰ اٰمِلُہَا وَاٰنًی

حَرَمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ اِبْرَاهِيْمُ مَكَّةَ  
وَاِنِي دَعَوْتُ فِي صَلَاتِهَا وَمُذَلِّهَا

دُعا کی اور میں نے مدینہ کو حرم ٹھہرایا جیسا کہ ابراہیم نے مکہ  
کو اور میں نے مدینہ کے بیابانِ جماع اور مکینے دُعا کی۔

یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حج حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمعیلؑ کے طریقہ نماز کی قدیم روش  
پر خدا کی عبادت کا نام ہے جو خانہ کعبہ میں ادا کی جاتی ہے معاذ اللہ حج کو خانہ کعبہ  
کی پرستش سمجھنا سراسر غلط ہے اور از روئے مذہب اسلام کفر ہے آنحضرت صلم  
نے توحید کو درجہ کمال پر پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا خلفاء راشدین  
نے بھی ہمیشہ اسکا اہتمام رکھا کہ شرک خفی و جلی کا شائبہ تک باقی نہ چھوڑا جائے  
جیسا کہ روایت میں ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلم نے ایک درخت کے نیچے  
لوگوں سے جہاد پر بیعت لی جس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں اُس دن سے یہ درخت  
متبرک سمجھا جانے لگا اور لوگ اُسکی زیارت کو آنے لگے حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر اُسکو  
جڑ سے کٹوا دیا اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرؓ سفر حج سے واپس آ رہے تھے راستے میں  
ایک مسجد ملی جمین ایک دفعہ آنحضرت صلم نے نماز پڑھی تھی اس خیال سے لوگ اُسکی  
طرف دوڑے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب انھیں  
باتوں کی بدولت تباہ ہوئے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ  
بنالیا۔

سوال :- یہ انا کہ کعبہ کی تنظیم صرف خانہ خدا ہونی کی وجہ سے کی جاتی ہے اور حج حضرت  
ابراہیمؑ کے طریقہ نماز کا نام ہے نہ کعبہ کی عبادت کا لیکن جب کہ مذہب اسلام میں



ہر طرح کی سہولت رکھی گئی ہے اور اسکا طریقہ نماز بھی ایک کامل مکمل اور شائستہ صورت پر مبنی ہے اور انسان کے فطری جذبات کا منو نہ ہے تو پھر لوگوں کو ایک دور دراز سفر کی تکلیف مالا یطاق میں مبتلا کرنا اور ایک کامل و شائستہ طریقہ نماز کو (جیسا کہ مذہب اسلام میں رکھا گیا ہے) اسکو چھوڑ کر ایک قدیم نامکمل طریقہ نماز کا (جو انسان کی ابتدائی وحشیانہ زندگی سے تعلق رکھتا ہے) لوگوں کو پابند کرنا ایک حیرت انگیز امر ہے اور کوہ کندن و کاہ برآوردن ہے۔

**جواب** یہ بھی عدم تدبیر کا نتیجہ ہے رسول خدا صلعم نے جن اصولوں پر کعبہ کو حج کیلئے قائم رکھا اور ابراہیمی طریقہ نماز پر لوگوں کو رغبت دلائی اور اسکا ادا کرنا صرف عمر بھر میں ایک مرتبہ ہر مسلمان پر فرض ہوا بشرطیکہ استطاعت کی پوری شرطیں موجود ہوں ہاں اپنے شوق سے ہر مسلمان کو اختیار ہے جتنی مرتبہ چاہے حج کرے وہ اصول یہ ہیں۔

(۱) جو اغراض حضرت ابراہیم کو رسم حج قائم کرنے کی باعث ہوئے یعنی خدائے واحد کی باہم ملکہ عبادت کرنا کہ کی آبادی اور تجارت کو ترقی دینا اور سطح پر روحانی و دینی برکات کو ایک اجتماعی شکل میں لانا یہی اغراض آنحضرت صلعم کو رسم حج جاری رکھنے کے باعث ہوئے عرب جاہلیت میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ایام حج میں تجارت کرنے سے خلوص جاتا رہتا ہے اُس کو دوسری لفظوں میں یوں سمجھو کہ گویا دنیادین سے ایک جداگانہ چیز ہے آنحضرت صلعم نے اس غلط خیال کو

مثایا اور خدائے تعالیٰ نے فرمایا۔

کلا جناح علیکم ان تبغوا فضلا من ربکم | اگر تجارت سے تم روزی کمائی تلاش کرو تو کچھ تانا بنیں۔  
(۲) انسان پر تاریخی واقعات اور بزرگوں کی یادگاروں کا قدرتی طور پر بہت بڑا اثر پڑا کرتا ہے۔ اسی بنا پر مختلف طریقے یا دگار قائم کرنے کے ہر قوم میں جاری ہیں۔ کوئی کتب خانہ کسی بزرگ کے نام پر جاری کرتا ہے کوئی اسکول و کالج کھولتا ہو کوئی اسٹیج کھڑا کرتا ہے۔ اسی بنا پر آنحضرت صلم نے رسم حج کو برقرار رکھا جو سراسر اظہارِ توحید پر مبنی ہے اور اُس مقدس بزرگ کی سالانہ یادگار ہے جو دنیا کی قوموں کے لئے خدائے واحد کا نام پھیلانے اور فطرت اللہ یا دین اللہ کو تمام دنیا میں شائع کرنے کا باعث ہوا ایسے بزرگوں کی یادگار قائم رکھنا اور اُنکے پُرانے تاریخی واقعات کو زندہ کرنا وحقیقت اُنکے الٰہی احسانوں کا اعتراف کرنا ہے اور اس بات کا ہمیشہ یاد رکھنا ہے کہ خدائے کس طرح انسان تک اپنی برکت اور اپنا فضل پہنچا یا یہی یادگار آئندہ نیکوں اور فوائد کے جاری رکھنے میں بہت بڑی مددگار ہوتی ہے انسان کے دلوں میں اور نیکوں کی طرف راغب رکھتی ہے ہمت مضبوط ہوتی ہے قلبی اور روحانی قوت کو تازگی حاصل ہوتی ہے آنحضرت صلم نے فرمایا۔

دقضا و علی شاعر کہ فائز کمر علی ارث من | اپنے مشاعر پر وقوف کرو کیونکہ تمہارے باپ ابراہیم کے  
ارث ابیکم ابراہیم | ورثہ میں تمکو یہ ورثہ ملا ہے۔

(۳) اسلام کا لفظ اپنے معنی اور اپنے مضمون کے اعتبار سے خود اس بات کی دلیل ہو کہ

وہ تفرقہ کو مٹانے اور خدائے واحد کی پرستش کے ذریعے سے تمام دُنیا کو متحد الغرض بنا کر ایک سطح پر لانے کیلئے پیدا ہوا ہے جس طرح اسلام انسان کو روحانی ترقی کے بلند مدارج پر پہنچنے کے قابل بناتا ہے اسی طرح وہ تمدنی ترقی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچنے کی صلاحیت اور دُنیا میں نائب و خلیفہ خدا کھولنے کا نیک شرف انسان کو بالاحتقاق عطا کرتا ہے۔ اسلام نہ کسی ملک کے ساتھ خاص ہے نہ کسی نسل کے ساتھ مخصوص نہ کسی زمانہ اور وقت کے ساتھ محدود جس جوشِ محبت سے وہ ایک عربی نسل کو اپنے آغوشِ تربیت میں لیتا ہے اُسی طرح وہ بلالِ حبشی صہیب رومی اور سلمان فارسی کو اپنے کنارِ شفقت میں جگہ دیتا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں ہر غلام بجائے خود شہنشاہ ہے اور ہر ایک شاہنشاہ اپنے فرائض کے اعتبار سے ایک ادنیٰ غلام کے مساوی ہے۔ پس جو مذہب ایسے اہم اور برتر مقاصد پر شامل ہو ضرور ہے کہ اُس میں جمیع انسانی اور باہمی ارتباط قائم رکھنے کے تمام تر اصول موجود ہوں چنانچہ اہل محلہ کا باہم ملکر بنجوقہ نمازِ جماعت ادا کرنا ہر مہفتہ میں جمعہ کو اہل شہر کا یکجا ہو کر خدائے واحد کی عبادت کرنا ہر سال دُنیا کے دور دراز مختلف ملکوں شہروں قصبوں اور دیہات سے مختلف نسلوں جماعتوں اور قوموں کے بڑھوں جوانوں بچوں اور عورتوں کا مسجدِ احرام یعنی کعبہ میں مجتمع ہو کر ایک حالت کے ساتھ خدا کو پکارنا اور لِلّٰہِ صَلَواتُ اللہِ صَلَواتُ اللہِ کہتے جانا باہمی ارتباط و اتحاد کی یہ ایسی جامع اور دلِ نقش ہونے والی صورتیں ہیں جسے بہتر انسانی خیال میں نہیں گزر سکتیں اب ہر شخص انصافاً

اندازہ کر سکتا ہے کہ حج کیا چیز ہے وہ مسلمانوں کے جمع ہونے باہم ملکر ایک خدا کو چہنچہ اسپسین تعارف و اتحاد قائم ہونے اور انکی شوکت ظاہر ہونے اور انکے لشکروں کے فراہم ہونے اور دین کی عزت کا دن ہے جس قوم کی افراد میں مضبوط اتصال ہوگا اور جس قوم میں ہمت و استقلال اور مصائب وغیرہ برداشت کرنے کی زیادہ تر صلاحیت ہوگی وہی قوم سعادت و بہبودی کے میدان میں سب سے زیادہ پیشرو قوم ہوگی ایسی قوم اگر گرتی بھی ہے تو جلد اٹھتی ہے اور جب غافل ہوتی ہے تو جلد ہوشیار ہوتی ہے۔

آج رہا یہ سوال کہ اسلام نے ابراہیمی طریقہ عبادت کو جو انسان کے ابتدائی وحشیانہ زندگی سے علاقہ رکھتا ہے کیوں جاری رکھا اور ایک شائستہ مہذب صورت کو چھوڑ کر نامکمل طریقہ کو کیوں ترجیح دی اسکی ضرورت خود انسان کی فطرت بتلا رہی ہے، انسانی طبیعت کا خاصہ یہ کہ جو حالتیں شب و روز انسان کے پیش نظر ہوتے ہیں گو وہ کیسی ہی عمدہ اور خوشگوار ہوں لیکن ان طبیعت کو جو جانیکے سبب انسان کو نہ زیادہ فائدہ پہنچتا ہے نہ دل اُن سے زیادہ متاثر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی شغل کیسا ہے تفریح بخش ہو تھوڑے عرصے کے بعد وہی مکلف و دل آزار ہو جایا کرتا ہے اور آدمی بجائے اسکے دوسرا شغل کو اُس کے مقابلے میں کیسا ہی کمتر درجہ رکھتا ہو انکو پسند کرتا ہے اور اُس سے بہت کچھ متاثر ہوتا ہو قطع نظر اسکے تب تکلف سادہ زندگی بھی ایک طرح پر نہایت عمدہ ہوتی ہے اور اپنی سادگی اور بے گناہی کے سبب سے تقدس کی طرف زیادہ میلان رکھتی ہے ایسی مقدس

زندگی کو چند روزہ پاک خدا کی عبادت کے لیے اختیار کرنا جو بڑھ دادا کے قدیم زمانہ میں تھی بہت قوی اثر خدا کی محبت کا دِل میں پیدا کرتی ہے اور روحانی تربیت کے لیے نہایت مفید ثابت ہوتی ہے خصوصاً جب کہ ایک گروہ کثیر کے مجمع کے ساتھ ہوا اور مجمع کا مجمع ایک ذات پاک کی یاد میں دیوانہ وار مستغرق ہو۔

**سوال** درحقیقت یہ ایسے عمدہ اصول ہیں اور حج کعبہ ایک ایسے اعلیٰ درجے کی حکمت اسلام نے قائم کی جسکی دُنیا میں کوئی دوسری نظیر نہیں ہے لیکن ہم تو کسی ایک مسلمان میں بھی ان باتوں کا اثر نہیں پاتے ہم جو کچھ دیکھتے یا سنتے ہیں وہ یہ ہے کہ حج ایک خدا کا حکم ہے اور وہاں جا کر تمام دُنیا کے گناہ دھلجاتے ہیں۔

**جواب** بلاشبہ مسلمانوں کا بدقسمتی سے یہی حال ہے بلکہ اس سے بدتر اسلام کے حقائق کو قرآن اور آنحضرت صلم کے عملی طریقوں سے دریافت کرنا چاہیئے نہ ہم جیسے مسلمانوں کے بدترین حال سے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اینٹ و چونے کے بنے ہوئے چوکھوٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہے جہاں سات دفعہ اسکے گرو پھرے اور سیدھے بہشت میں چلے گئے یہ انکی محض خام خیالی ہے کوئی چیز سوا خدا کے مقدس نہیں ہے اُسی کا نام مقدس ہے اور اُسی کا نام مقدس رہیگا کعبہ تو ایک مسجد اور خدا کی عبادت کرنے کی جگہ ہے اور بس صرف اس چوکھوٹے گھر کے پھر لینے سے کیا ہوتا ہے اُس کے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں وہ تو کبھی حاجی ہوئے پھر وہ پانوں کے جانور کو اُسکے گرد پھر لینے سے ہم کیونکر حاجی

جانین ہاں جو حقیقتاً حج کرے وہ حاجی ہے۔

**سوال۔** حج کی شرطیں اور ارکان حج کیا کیا ہیں اور کس طرح ادا کئے جاتے ہیں۔

**جواب۔** حج فرض ہوتا ہے استطاعت کے ساتھ استطاعت اُسے کہتے ہیں

کہ آدمی تندرست ہو راستہ میں امن ہو خوف و خطر اور نہخ کی گرائی نہ مال حلال اس قدر رکھتا ہو کہ اہل و عیال کا نان و نفقہ جاری رکھ سکے اور لوٹ کر واپس آ سکے سواری وغیرہ مہیا کر سکے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

عَلَيْكَ النَّاسُ يَحْجُّ الْبَيْتَ مَنِ اسْتَطَاعَ | لوگوں پر فرض ہے کہ خدا کے لیے خانہ کعبہ کا حج کریں  
اَلَيْهِ سَبِيلًا | جس کو اُس تک پہنچنے کا مقدور ہو۔

حج میں اتنی چیزیں ہیں۔ احرام و نیت۔ طوافِ قدوم۔ سعیِ تین الصفا و المروہ۔  
خروجِ منی و قوفِ مزدلفہ منیٰ اور منیٰ جا رہ۔ طوافِ زیارت۔ طوافِ الصدر۔

## احرام و نیت حج

احرام باندھنے کیلئے مقامات معین ہیں جو میقات کہلائے جاتے ہیں مکہ کے رہنے والوں کیلئے خاص حرم کعبہ میقات ہے اور مدینہ کی طرف سے آنیوالوں کے لیے ذوالحلیفہ اور عراق کی طرف سے آنیوالوں کے لیے ذات عرق اس مقام کو حضرت عمرؓ نے میقات قرار دیا بعض لوگ روایتِ جاہل پر استدلال

کر کے رسول خدا صلعم کی طرف اسکو منسوب کرتے ہیں مگر وہ روایت مرفوع نہیں دارقطنی نے اسکی تضعیف کی ہے شام کی طرف سے آنیوالوں کے لیے جحفہ اور بخد کی طرف سے آنیوالوں کیلئے قرن اور یمن کی طرف سے آنیوالوں کے لیے حبشین ہندوستان سے جانیوالے بھی شامل ہیں یکلمہ میقات ہو قرآن مجید میں میقات کا ذکر نہیں ہے غالباً جو لوگ باہر سے کعبہ کی زیارت یا حج کو آتے تھے جب قریب پہنچتے تھے تو حج کی نیت سے جو باتیں خلاف تقدس و ادب کے سمجھتے تھے اُن سے پرہیز کرتے تھے رفتہ رفتہ وہ مقامات میقات قرار پائے اور تمام مسافروں کا وہیں سے احرام باندھنا ایک امر لازمی ہو گیا اگر کوئی شخص بلا ارادہ حج اور بغیر بانٹھے احرام کی میقات پر مکہ میں چلا جائے اور مکہ میں پہنچنے کے بعد حج کا ارادہ کرے اور احرام باندھے تو اُس کے حج میں بھی کوئی نقص نہیں ہونے کا میقات پر پہنچ کر صرف حج کی یا صرف عمرہ کی یا حج و عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے احرام کے معنی ہیں کوئی ایسا بزرگ اور مقدس کام شروع کرنا جس کا ادب نہ توڑا جاسکے احرام میں صرف ایک چادر بطور تہبند کے باندھتے ہیں اور ایک چادر اوڑھنے کیلئے ہوتی ہے مگر سر پر چادر نہیں اوڑھتی جاتی سر کھلا رہتا ہے چادر ایک پاٹ کی ہو خواہ دو پاٹ کی سی ہوئی کچھ مضائقہ نہیں ہے قطع کیا ہوا کپڑا جو قینچی سے قطع کر کے سیتے ہیں پہننا منع ہے۔

میقات پر پہنچ کر غسل کیا جاتا ہے یا وضو اور اُس کے بعد نیت کر کے احرام باندھتے ہیں





## طواف قدوم

جب مکہ میں پہنچے اور حرم کعبہ دکھائی دے تو کہے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد جب حرم کے اندر جاوے حجرا سود کے سامنے کھڑا ہوا اور کعبہ کے گرد گھومنا شروع کرے سات مرتبہ گھومے اور کوئی دعا جو اسکا جی چاہے پڑھتا رہے اور اس گھومنے میں تیز موڑھے ہلا کر چلے سات دفعہ گھومنے کے بعد جس کو طواف کہتے ہیں مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز کی پڑھے قرآن مجید میں طواف کا ذکر آیا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔

ولیطوفوا بالبيت العتيق فذکروا | اور معبد قدیم (یعنی) خانہ کعبہ کا طواف کریں۔

اللہ عند المشعر الحرام | مشعر الحرام (یعنی مزدلفہ) میں گھمرا کر خدا کی یاد کرو۔

سات دفعہ دوڑ نیکا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے قدیم زمانہ سے یہ رسم چلی آتی ہے۔

## سعی بین الصفا والمروہ

اُسی دن طواف کے بعد صفا مروہ میں جو نہایت چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہیں سات دفعہ پھر صفا کے پہاڑ پر چڑھے اور کعبہ کی طرف منہ کر کے کہے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم اِنَّکَ حمید مجید

اس کے بعد جو دعا چاہے مانگے اور صفا پر سے اتر کر مروہ کو جاوے اس راستے میں دو نشان بنے ہوئے ہیں اُن نشانوں کے بیچ میں دوڑ کر چلے جب مروہ پر چڑھے تو کعبہ کی طرف مُنھ کر کے وہی تمام جملہ جو صفا پر پڑھا تھا پڑھے یہ ایک دوڑ ہوئی جس کو ایک شرط کہتے ہیں سطح سات دفعہ کرے ساتویں دوڑ مروہ پر ختم ہوگی۔ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

ان الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح عليه ان يطوف بهما۔	بیشک (کوہ) صفا اور (کوہ) مروہ خدا کی (ٹھہرائی ہوئی) آداب کا ہونے سے ہیں تو جو شخص خاک کو بکاج یا عمرہ کرے اُس پر دن کے درمیان طواف (کے پھیرے) کرنے میں کچھ گناہ نہیں۔
--	---

اگر احرام باندھتے وقت صرف عمرہ کی نیت کی ہو تو عمرہ ختم ہو گیا احرام کھول دے اور پھر اٹھویں ذی الحجہ کو حرم کے اندر جا کر حج کا احرام باندھے اور اگر حج و عمرہ دونوں کی اکٹھی نیت کی ہو یا صرف حج کی نیت کی ہو تو بدستور احرام باندھے رہے۔

## خروج منے

جو لوگ عمرہ کر کے حج سے خارج ہو گئے ہیں اُن کو چاہیئے کہ حرم میں جا کر صبح کی نماز پڑھیں اور حج کا احرام باندھیں اور منے کو روانہ ہوں اور جن لوگوں نے احرام نہیں کھولا وہ صبح کی نماز کے بعد منے کو روانہ ہوں رات کو منے میں رہیں منے میں اترنے میں یہ راز ہے کہ یہ بڑا بازار ہے جہاں میلہ سالگاہ رہتا ہو ترقی

تجارت کیلئے وہاں کا قیام عین مصلحت ہے۔ نوین تاریخ صبح کی نماز کے بعد علی الصبح عرفات کے میدان میں جاوین اور غروب آفتاب تک وہیں رہیں اور جو دعائیں چاہیں مانگتے رہیں وہاں امام اذٹنی پرچہ ہر خطبہ دیتا ہے اور لوگوں کو نیکی اور خدا پرستی کی نصیحت کرتا ہے اور ہزاروں لوگ اُس کے گرد گھڑے ہو کر سُنتے ہیں اور جو نہیں سُن سکتے وہ اپنی ہی جگہ دعا وغیرہ پڑھتے ہیں جبل عرفات وہ جگہ ہے جسکی نسبت توریت میں لکھا ہے کہ خدا ابراہیم کو مرنے ہوا یہ وہ جگہ ہے جہاں حاضر ہونی کج گنتے ہیں یہ ایک دامن کوہ میں میدان ہے وہاں اور کوئی چیز نہیں ہے صرف لوگ جمع ہوتے ہیں اور مکر خدا کی یاد کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

فاذا قضیتہ من عرفات فاذکروا	پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام (یعنی مزدلفہ)
اللہ عند المشعل الحرام۔	میں ٹھہر کر خدا کی یاد کرو۔

## وقوف مزدلفہ

مغرب کی نماز کے بعد اُس میدان سے لوگ روانہ ہوتے ہیں اور مزدلفہ کے میدان میں آکر رات بسر کرتے ہیں مزدلفہ میں رہنے اور رہنے میں ایام تشریق تک ٹھہرنیکا اشارہ ان آیتوں سے پایا جاتا ہے۔

شمًا فیضوا من حیث افاض	پھر (عرفات سے جلو تو) جس جگہ سے اور لوگ چلیں
الناس۔	تم بھی دہین سے چلو ۱/۲

واذکروا اللہ فی ایام معدودات فمن  
تعجل فی یومین فلا اثم علیہ  
ومن تأخر فلا اثم علیہ۔  
اور گنتی کے (ان چند) دنوں میں خلی یا کرتے رہو پھر  
جو شخص جلدی کرے (اور) دو (ہی) دن میں (چل کھڑا ہو)  
(پر بھی) کچھ گناہ نہیں اور جو یک ٹھہرے (پر بھی) کچھ گناہ نہیں۔

## منے اور لے بھار

دسویں ذی الحجہ کو مزدلفہ سے چل کر منیٰ میں پہنچتے ہیں منے کے میدان میں تین ستون  
بطور نشان کے بنے ہیں ہر ایک ستون پر سات سات کنکریاں ایک ایک کر کے  
مارتے ہیں اور ہر کنکری کے مارنے کے وقت یہ پڑھتے ہیں

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ اکبر  
اے کنکریاں مار لین تو ہر بندری و پستی پر اور نماز کے جو لوگ لبیک کہتے ہوں وہ کہنا موقوف  
کر دیں اور حجۃ العقبہ کے پاس ایک چھوٹی سی پاڑی ہے وہاں قربانی کریں  
اور سر منڈائیں یا بال کتر واڈھیں اور احرام کھول دیں اور کپڑے پہن لیں مگر عورت  
کے پاس جانیکی اتک اجازت نہیں ہے قربانی جو حج میں کی جاتی ہے وہ تین طرح کی  
ہوتی ہے ایک وہ قربانی جو جانور کو ساتھ لیکر جاتے ہیں اس ارادہ سے کہ مکہ میں  
جا کر فح کر نیگے اسکا ذکر اس آیت میں ہے۔

والبدن جعلناہا لکم من  
شعائر اللہ لکم فیہا خیر  
اور غنیمت ہمارے لیے قربانی کے اونٹوں کو بھی اُن (قوالیہ)۔  
خیر و غنیمت قرار دیا جو خدا کے ساتھ نامزد کی جاتی ہیں یہ خیر و غنیمت ہے۔

فَاذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافٍ ۖ اِذَا  
وَجِبَتْ جَنُوبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا  
وَاطْعَمُوْا الْقَاعَ وَالْمَعْمَرُ -

(چند چند) فائدہ سہن تو کلو کھاؤ (ذبح کرو اور ذبح کرتے وقت)  
اُن پر خدا کا نام لو پھر جب وہ کسی بندہ کو چرین تو نین سے آپ  
بھی کھاؤ اور قناعت پینہ اور گدائی پینہ (مجانا جون) کلو کھاؤ۔

دوسری قربانی وہ ہے جو حج تمتع میں کی جاتی ہے اُس کا ذکر اس آیت میں ہے -

فَاِذَا امْنْتُمْ مِنْ تَمَعٍ بِالْعَمْرِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا  
اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ  
ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعًا اِذَا  
اُخْرَجْتُمْ

پھر جب تمہاری خاطر جمع (یعنی عذر رفع) ہو جائے تو جو کوئی عمرے  
کو حج سے ملا کر فائدہ اٹھانا چاہے تو (اُسکو) قربانی (کرنی  
ہوگی) جیسی کچھ میسر آئے۔ اور جس کو (قربانی) میسر نہ ہو تو  
تین روزے حج کے نو نین رکھے اور سات جب آپس آؤ۔

تیسری قربانی عام طور پر حج کے بعد ہے اُس کا ذکر اس آیت میں ہے -

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي اَيَّامٍ  
مَعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ  
بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا  
وَاطْعَمُوْا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ

اور خدا نے جو نبیوں کو چار پائے اُنکو دیے ہیں (اُن) خاص دنوں  
میں (اُنکی قربانی کرتے وقت) اُن پر خدا کا نام لیں تو (لوگو!) قربانی  
(کے گوشت میں) سے (آپ بھی) کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو  
(بھی) کھاؤ۔

گیارہویں اور بارہویں کو بدستور منے میں رہے اور ان دنوں نو نین بھی ان تینوں  
ستونوں کو سات سات کنکریاں اُسی طرح مارے جس طرح کہ دسویں کو مار تین تین  
رہے جبار کا ذکر کلام مجید میں نہیں ہے -

## طواف الزیارت

انہیں تاریخین یعنی دسویں یا گیارہویں یا بارہویں کو قربانی کرے پھر منے سے حرم میں آئے اور خانہ کعبہ کا طواف سطح کرے حسبِ سطح اوپر بیان کیا گیا اور پھر منے میں چلا جائے بعد اُس کے اپنے کام میں لگے اور جو چاہے سو کرے اگر کسی نے طواف قدوم کے بعد سعی بین الصفا والمروہ کی ہو تو اُس کو اس طواف کے بعد کر لینی چاہیئے۔

## طواف الصدر

جو لوگ اور ملکوں سے حج کرنے کو آتے ہیں اور حج کے بعد واپس جانا چاہتے ہیں تو ان کو صرف طواف کر کے روانہ ہونا چاہیئے۔

## اقسام حج

حج تین قسم ہے۔ افراد۔ قرآن۔ تمتع اگر صرف حج کی نیت سے احرام باندھا ہے وہ توجج افراد ہے اور اگر حج و عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا ہے اُسکا نام قرآن ہے اور اگر صرف عمرہ کی نیت سے اور عمرہ کر نیے بعد پھر حج کی نیت سے احرام باندھا ہے توجج تمتع ہے۔

جج افراد و ملتج کی تو وہی صورت ہے جو بیان ہوئی البتہ جج قرآن میں اس قدر فرق ہے کہ طواف قدوم اور سعی بین الصفا و المروہ دو دفعہ کرنے لازم ہیں۔ ارکان جج تمام ہوئے جو عہد ابراہیمی کی یادگار ہیں اب ہم ان ارکان کے وہ اغراض بیان کرتے ہیں جنکی نہایت تفصیل کے ساتھ اسلام نے صراحت کی ہے تاکہ ہمارا قدم صراط المستقیم سے ڈمکا کر وہم پرستی اور رسم پرستی کے تاریک گڑھے میں نہ کھونڈ ڈالیں۔ حجر اسود جو کعبہ کے ایک گوشہ میں نصب ہے اُس کا مقصد یہ ہے کہ طواف کی تعداد معلوم رہے اُسی کو نے سے طواف شروع ہوتا ہے اور وہیں ختم ہوتا ہے اور حجر اسود کو چھو لیا جاتا ہے یا بوسہ دیا جاتا ہے یا اُسکی طرف اشارہ کر لیا جاتا ہے جس سے معلوم ہو کہ ایک طواف ختم ہوا قرآن مجید میں اُسکا ذکر نہیں ہے ترمذی ابن ماجہ و دارمی میں طرح طرح کی حدیثیں آئی ہیں جن میں اُس کو جنت کا پتھر بتایا گیا ہے مگر وہ سب مجروح و مرجع ہیں حضرت عمرؓ نے بروقت طواف کعبہ فرمایا۔

انی اعلم انک حجبر و انک لا تضل | میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے ولا تنفع  
نقصان۔

پھر فرمایا اگر میں آنحضرت صلم کو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو ہرگز بوسہ نہ دیتا ایک وقت میں آگ لگ گئی تھی اُس وقت سے حجر اسود سیاہ ہو گیا ہے سطح جج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت پہلے تین دوڑوں میں دوڑتے چلتے ہیں المربعہ اُسکو ایک جج کی سنت سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمرؓ نے صاف کہہ دیا کہ۔

اب ہکو رمل سے کیا غرض اُس سے مشرکوں کو رعب لانا مقصود تھا اب تو انکو خدا نے ہلاک کر دیا۔

واللہ لعل انکثارا یصابہ  
المشرکین وقد اهلک ہم اللہ

یہ اس بنیاد پر کہا کہ رمل کی ابتدا یوں ہوئی تھی کہ رسول خدا صلعم جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے ہیں کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے آنحضرتؐ نے یہ سُن کر رمل کا حکم دیا اُس کے بعد یہ فعل ایک دستور ہو گیا حضرت عمرؓ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں رمل ترک کر دینے کا ارادہ بھی کر لیا تھا لیکن پھر آنحضرتؐ کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا عبد اللہ بن عباسؓ جو حضرت عمرؓ کے خاص تربیت یافتہ تھے اُن سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ غلط سمجھتے ہیں۔

حج کے ارکان میں سے ایک قربانی بھی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے اس رسم کی غرض تو صاف ظاہر ہے کہ عرب ایک غیر آباد ملک تھا اور اُسکی زمین غیر ذمی نزع واقع ہوئی ایسے ملک میں غذا اور گوشت کا توڑا ہونا ایک لازمی بات ہے اسی لیے رسم قربانی جاری ہوئی لوگ خوراک کیلئے جانور ساتھ لیجاتے تھے جو بدن اور قلائد کے نام سے مشہور تھے اور جو نہ لیجاتے تھے وہ مکہ ہی میں مول لے لیتے تھے اُن کو فوج کر کے خود بھی کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے وہاں نکوئی دیوتا اور دیوی ہے نہ سولے پاڑو زمین کے کوئی اور چیز ہے جس پر کبرا یا مینڈھایا گائے یا اونٹ چڑھایا جائے نہ خدا کو اُسکی بوسند آتی ہے نہ اُسکا گوشت اور ہڈیاں جیسا کہ قدیم زمانہ



میں قاعدہ تھا کہ جانور مار کر آگ میں جلا دیا جاتا تھا اس خیال سے کہ خدا کو اُسکی چرند پسند ہے اسلام میں غراب کو گوشت تقسیم کیا جاتا ہے اور یہی اسکا مقصود ہے اس مقصود کو اسلام نے صاف طور پر لوگوں کو سنا دیا۔

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لِحُومِهَا وَلَا دِمَائِهَا | خدا کو نہ تمھاری قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون  
وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ | اُسکو تو تمھارے دلی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔

موجودہ زمانہ حج میں ضرورت سے زیادہ لاکھوں جانور فوج کر کے سطح پھینک دیا جاتا ہے کہ جیل کو بے بھی اُدھر سُرخ نہیں کرتے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اُنکا فوج کرنا داخل تقویٰ ہے؟ حضرت ایوب انصاریؑ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلم کے عہد میں آدمی اپنے گھر بھر کی طرف سے ایک بکری قربانی کر لیتا اور سب ملکر اُس کو کھاتے اور کھلاتے بہر حال اسلام کا کوئی فعل کوئی رکن کوئی کام نہ ہی نام سے ہو یا معمولی قسم کا سب کی غرض و غایت صرف خدا سے واحد کی یاد کو نقش دل کرنا ہے ظاہری رسوم پر کبھی اسلام نے زیادہ التفات نہیں کیا۔

چنانچہ آنحضرت کی حجۃ الوداع کے دن ایک شخص نے فوج کرنے سے پہلے سر منڈا لیا آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں اسطرح جس نے قبل رمی جبار قربانی کی یا بعد شام ہو جائیکہ رمی جبار کے یا سر منڈانے سے پہلے طواف الاضافہ کیا آپ نے فرمایا کیا حرج ہے ابن عمر کہتے ہیں۔

فَمَا سَأَلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ قَدَّمَ | اُس دن جو کوئی بھی سوال تقدیم و تاخیر کی نسبت آنحضرت صلم

اواخر الاقال ولا حرج

سے کیا گیا آپ کے جواب میں یہی فرمایا کہ کچھ حرج نہیں۔

## بیان زکوٰۃ

**سوال**۔ زکوٰۃ و صدقات کیا چیز ہیں اور کس غرض سے اسلام نے اُن کو قائم کیا ہے ؟

**جواب**۔ زکوٰۃ ایک بڑا رکن اور فرض اسلام کا ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے واقبوا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ یعنی نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو زکوٰۃ کو معنی لغت میں مین پاک کرنا بڑھنا اور اصلاح شرع میں زکوٰۃ سے مراد ہے راہ خدا میں صرف کرنا جس کا دوسرا نام قومی ہمدردی ہے زکوٰۃ خاص ہے اور صدقہ عام یہ تو ظاہر ہے کہ انسان اپنی زندگی کو اور اپنی آسائش کو تمام چیزوں سے زیادہ عزیز رکھتا ہے اور اسی اقتضائے فطرت کے مطابق اسلام نے بھی حق نفس کو تمام حقوق پر مقدم رکھا ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے لنفسك عليك حق تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے لیکن یہ بات انسان کو اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ دوسرے لوگ بھی اُسکو مدد نہ دیں اس لیے کہ انسان فطرتاً ہی الطبع پیدا کیا گیا ہے اُس کو اپنے اپنا جنس کے ساتھ مل جل کر رہنا پڑتا ہے اور اُسکی آسائش کے اسباب اور زندگی کی حاجتوں کا پورا ہونا زیادہ تر دوسروں کی اعانت و مدد پر موقوف ہے یہی فطری حاجت اور اپنی زندگی کو عزیز رکھنے کا جذبہ انسانی ہمدردی کا اصلی مخرج ہے پس اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جو شخص بظاہر

کسی دوسرے آدمی کی مدد کرتا ہے وہ اصل میں واسطہ یا ملا واسطہ یا واسطہ درواسطہ خود اپنی مدد آپ کرتا ہے جو لوگ دوسروں کے ساتھ ہمدردی نہیں کرتے وہ خود اپنی عزیز زندگی کے وسیلوں کو نقصان پہنچاتے ہیں خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے

من عمل صالحاً خالف نفسه | جو نیک عمل کرتا ہو وہ خاص اپنے (پچھلے) کے لیے۔

چونکہ لوگوں میں باعتبار نسل خاندان قوم وطن اور قریب و بعید ملکوں کو مختلف مراتب پائے جاتے ہیں پس الاقرب فالاقرب جو شخص جس قدر قریب ہے اس قدر وہ حق میں بھی قریب ہے اسی اختلاف مراتب کی مناسبت سے از روئے قانون قدرت خداوند تعالیٰ نے ہمدردی کے بھی مختلف درجے رکھے ہیں جن کو ہم اپنی زبان میں رحم موانست یا اخوت اور ہمدردی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں گویہ تینوں لفظ نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی معنی رکھتے ہیں مگر منشا کے اعتبار سے ہر ایک کا جداگانہ مطلب ہے۔

رحم ایک فطری نیکی ہے جو مجنس اور غیر مجنس دونوں کے ساتھ یکساں طور پر برتی جاتی ہے حدیث میں آیا ہے یرحمکم فی الارض یرحمکم فی السماء زمین والوں پر رحم کرو تاکہ آسمان والا تم پر رحم کرے یعنی خدا۔

موانست یا اخوت اُس جذبہ کا نام ہے جو مجنس و ہمجس کے ساتھ خاص ہے حدیث میں آیا ہے لا یؤمن احدکم حتی یحب لآخره ما یحب لنفسه کوئی شخص تم میں سے کامل مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز دوست نہ رکھے

جس کو وہ اپنے لیے دوست رکھتا ہے اس جگہ بھائی کے لفظ سے عام مسلمان کا ذہن  
ہمدردی یہ ایک عام نیکی ہے جو تمام آدمیوں سے یکساں علاقہ رکھتی ہے اور  
عقل کے نتیجوں میں سے ایک عمدہ نتیجہ ہے یہ ہمدردی ہر ذمی عقل میں ہو سکتی ہے  
حدیث میں آیا ہو الخلق کلہم عیال اللہ فاحبب خلقہ لہم لئلا ینفعلہم لعیالہم صب مخلوق خدا کی  
عیال ہو خدا کو اپنی مخلوق میں سے وہ شخص زیادہ عزیز جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہنچائے۔  
ان تینوں قسم کی ہمدردیوں میں بھی بہت سے مختلف درجے پائے جاتے ہیں آدمی کی زندگی  
و آسائش کے وسیلوں میں جس قدر تفاوت ہوگا اُسی قدر ان ہمدردیوں میں بھی  
تفاوت ہونا لازمی ہے باپ بیٹائی کی بھائی پھر درجہ بدرجہ اور رشتہ دار پھر ہمسایہ  
پھر قوم پھر اپنے قریب کے ملک کے لوگ پھر اُس سے دور ملک کے باشندے آدمی  
کی زندگی و آسائش کے وسیلے ہو کرتے ہیں۔ اسی تفاوت درجات کے ساتھ آدمی  
کو اپنے اپنا جنس کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنا لازم ہے حدیث میں آیا ہے  
انزلوا الناس مناد طہر لوگون کے ساتھ پیش آؤ ان کے مرتبوں کے موافق ظاہر ہو  
کہ باپ کو جو بیٹے کے ساتھ جوش ہمدردی ہو کرتا ہے وہ پوتے کے ساتھ نہیں ہوتا  
ایسی یہ سلسلہ جس قدر بڑھتا جاتا ہے اُس قدر ہمدردی کے اعتبار سے گھٹتا جاتا ہے۔  
سوال بیان ایک بات دریافت طلب یہ ہے کہ بعض لوگ اس سلسلہ کو فطری یا  
قدرتی نہیں جانتے بلکہ اُس کو ایک قسم کا دھوکہ بتاتے ہیں اُن کا قول ہے کہ اگر یہ کوئی  
فطری چیز ہے تو کیوں انجان بیٹے یا ان بچپان باپ کے ساتھ آدمی کو ہمدردی نہیں

ہوتی اظہارِ نفرت کے موقع پر بھی اس امر کا پتہ لگتا ہے جب آدمی کو کسی سے نفرت پیدا ہوتی ہے تو باوجود قدرتی رشتہ ہونے کے اکثر دیکھا گیا ہے کہ کچھ بھی اُس کے ساتھ ہمدردی نہیں رہتی ان تمام باتوں پر نظر کرنے سے تو یہ واقعی معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ کو فطری یا قدرتی ٹھہرانا صحیح نہیں اور جب یہ سلسلہ فطری نہ ٹھہرا تو اس سلسلہ کے ساتھ فطری طور پر ہمدردی ہونا قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔

جواب غیر فطری ہونے کے ثبوت میں جو واقعات ذکر کیے گئے ہیں وہ واقعات تو بلاشبہ صحیح ہیں لیکن اُن سلسلہ کے خلافِ فطرت ہونے کا کافی ثبوت نہیں ہوتا اس میں کسی قدر غم کی غلطی شامل ہے انجان بیٹے اور ان بچان باپ کے ساتھ آدمی سے ہمدردی جو ظور میں نہیں آتی اُس کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ ہمدردی اُس میں موجود نہیں ہوتی بلکہ اُس کا سبب یہ ہے کہ انسانیت کا ایک بڑا حصہ جس کا نام علم ہے یعنی جاننا وہ موجود نہیں ہوتا اس طرح یہ بات تو ظاہر ہے کہ قریبی رشتہ دار آدمی سے زیادہ جزئیت رکھتا ہے اور جب جزئیت فطری ہوئی تو ہمدردی کا ہونا بھی ایک فطری بات ہے البتہ بعض اوقات کوئی امر خاص ترقی موانست کا باعث ہو جاتا ہے اور ہمدردی کو اُس کے درجے سے بہت زیادہ بڑھا دیتا ہے اور کسی وقت کوئی خاص امر ترقیِ نفرت کا سبب ہو جاتا ہے اور وہ اُس فطری ہمدردی کو عقدِ روپوش کر دیتا ہے کہ بظاہر اُس کے موجود ہونے کا پتہ نہیں لگتا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہمدردی معدوم ہو گئی۔

الغرض بنی نوع انسان میں تعلقات کا سلسلہ فطری ہے اور انہیں تعلقات کے فرق مراتب کے لحاظ سے انہیں ہمدردی ہونا بھی فطری ہے مگر افسوس ہے کہ اکثر لوگ ان تعلقات کے سمجھنے میں اور ہمدردی کے مختلف طریقوں کو حسب مراتب برتنے میں طرح طرح کی غلطیاں کرتے ہیں اس موقع پر یہ ظاہر کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ ایک بات اور تعجب خیز مگر قابل غور یہ بھی ہے کہ جو ہمدردی اعلیٰ درجہ رکھتی ہے مثلاً باپ کی ہمدردی بیٹے کے ساتھ یا بیٹے کی ہمدردی باپ کے ساتھ اگر وہ عمل میں نہ لائی جاوے تو معیوب خیال کیجاتی ہے لیکن اگر وہ عمل میں لائی جاوے تو زیادہ قابل تعریف نہیں خیال کیجاتی بلکہ محض ایک معمولی بات سمجھی جاتی ہے یہ کیوں؟ اسلئے کہ قانون قدرت نے اُس ہمدردی کرنے پر آدمی کو مجبور کیا ہے اور جو بات مجبوراً آدمی کو کرنی پڑی وہ اُسکی ذاتی خوبی میں شمار نہیں ہو سکتی اور جو ہمدردی کہ ادنیٰ درجہ رکھتی ہے مثلاً ایک آدمی کی ہمدردی اپنے دور کے عزیز یا بمقام آدمی کے ساتھ اگر وہ عمل میں نہ لائی جاوے تو ایک ادنیٰ بات سمجھی جاتی ہے لیکن اگر وہ عمل میں لائی جاوے تو بہت ہی قابل تعریف سمجھی جاتی ہے یہ کیوں؟ اس لیے کہ اس ہمدردی سے قانون قدرت کی منشا کی پورے طور پر تکمیل ہوتی ہے افسوس ہے کہ بعض نادان آدمی اپنی کم فہمی سے دھوکا کھا کر اعلیٰ درجے کی ہمدردی کو ادنیٰ درجے کی ہمدردی سمجھ کر چھوڑ بیٹھتے ہیں اور ادنیٰ درجے کی ہمدردی کو اعلیٰ درجے کی ہمدردی سمجھ کر اختیار کر لیتے ہیں مگر اعلیٰ درجے کی ہمدردی چھوڑنے کی بُرائی ادنیٰ درجے

کی ہمدردی کی خوبی کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبتی ہے اور برباد کر دیتی ہے  
**سوال** اچھا یہ بھی صحیح تھے مانا کہ انسانوں میں سلسلہ قرابت و اتحاد فطری ہے  
 اور انہیں قریب و بعید کے درجات کے اعتبار سے ہمدردی کے بھی مختلف درجے  
 ہونا لازمی ہیں۔ آدمی کو چاہیئے کہ لوگوں کے مداخلج پر کافی غور کر کے جو جس درجہ  
 کا آدمی ہو اسی درجے کے مناسب مطابق قانون قدرت ہمدردی عمل میں لائے  
 لیکن بڑی حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اسلام جیسے طبعی پاک مذہب نے ہمدردی کے  
 استعمال کو نہ صرف زکوٰۃ اور صدقات کی صورت میں جائز رکھا بلکہ یوں کہنا چاہیئے  
 کہ زکوٰۃ کو فرض ٹھہرایا۔ میں تو اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر بلا خوف کہہ سکتا ہوں کہ شاید  
 بعض اتفاقی حالتوں میں تو زکوٰۃ و صدقات حسن تمدن و معاشرت کے لحاظ سے ایک  
 کارآمد اور مفید چیز ہو سکتی ہوں ورنہ بالعموم تو جہان تک دیکھا جاتا ہے زکوٰۃ و صدقات  
 سے زیادہ ہلک اور خطرناک دوسری چیز نہیں زکوٰۃ و صدقات کے بھروسہ پر لوگوں  
 میں مفت خوری کی عادت پیدا ہونے لگتی ہے آدمی فرائض انسانی کو بھول کر محنت  
 سے جی چُرانے لگتا ہے غیرت و حمیت (جو قومی ترقی کے حق میں برقی قوت کا حکم کھتی  
 ہے) وہ لوگوں کے دلوں سے کافور ہونے لگتی ہے خوشامد اور غلامی کی ذلیل  
 خصلت قوم کے دلوں میں پیوست ہو جاتی ہے بڑے بڑے شریف سفید پوش گوشت  
 سے سوال نہ کریں مگر مختلف پیرایوں اور طریقوں سے بلا معاوضہ خدمت مدد و کار بر آری  
 کے طالب رہا کرتے ہیں کسی نے سچ کہا ہے کہ فقیر کی صورت سوال ہے کہ اگر خوش قسمتی

سے ایک آدمی خوشحال ہو تو اُس خاندان کے اکثر ممبر اپنی بسر اوقات اور کارِ باری کا مدار اُسی ایک آدمی کی مدد و امید پر رکھتے ہیں اور ہر وقت اُسی کی جیب ٹٹولتے رہتے ہیں۔

عوام کے طبقہ میں تو فقیہی اور گداگری ایک پیشہ سمجھا جاتا ہے اور گداگری کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ بجنسہ ہی حالت آج ہمارے ہندوستان کے مسلمانوں کی ہو رہی ہے مردم شماری کے نقشو میں اکثر مسلمانوں نے اپنا پیشہ اور اپنی قوم فقیر گداگر لکھوائی ہے کتنی شہر یا قصبہ میں آپ جائے جس قدر گداگر مسلمان دو بھیک مانگتے اور غیر قوموں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے اور خدا و رسول اور علی مرتضیٰ اور حسین کا نام بیچتے پھرتے آپ کو دکھلائی دیں گے ہرگز اس قدر دوسری قوموں کے فقیر آپ کو نظر نہ آئیں گے۔ غیر قومین مسلمانوں کی یہ ذلیل حالت دیکھ کر اسلام ہی کو انکی مفلسی کا سبب قرار دیتی ہیں اُن کا قول ہے کہ اسلام ہی لوگوں کو بے ہمت و کاہل بناتا ہے اور تعلیم اسلام ہی کی بدولت یہ لوگ حرام خور ہو جاتے ہیں ان علی تجربوں سے تو مسٹر کاریگی کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ اُصولاً دُنیائے پردہ پر سب سے زیادہ خراب کرنیوالی چیز خیرات ہے۔“

جواب۔ زکوٰۃ اور صدقات کی نسبت جو کچھ بُرائیاں و خرابیاں بیان کی گئیں وہ زکوٰۃ و صدقات کے غلط استعمال سے متعلق ہیں نہ نفس زکوٰۃ و صدقات سے حسن تمدن و معاشرت کے حق میں زکوٰۃ و صدقات کو مفید و کارآمد نہ سمجھنا خود تعجب کی



بات ہے۔ کیونکہ دنیا میں رک رکھ بنی نوع انسان کو اتفاقاتِ وقت سے کسی حالت میں نجات ملنا ممکن نہیں ہے۔ امیر و غریب عالم و جاہل مجرور و متاہل فقیر اور بادشاہ مرد و عورت سب کو دورانِ زندگی میں کچھ نہ کچھ اتفاقات پیش آیا ہی کرتے ہیں اور ایسے ہی موقعوں پر ایک آدمی دوسرے آدمی کی ہمدردی و اعانت کا حاجت مند ہو کر رہتا ہے۔ چونکہ انسانی حاجتیں زیادہ تر مال سے تعلق رکھتی ہیں اور آسائشِ زندگی کے وسیلوں میں مال سب سے بڑا وسیلہ ہے اسی لئے اور اسی ضرورت کو مد نظر رکھ کر اسلام نے زکوٰۃ و صدقات کو قومی و انسانی فرض قرار دیا جو بالکل اتفاقات کے اعتبار سے ضروری اور انسانیت کے اعتبار سے ایک فطری فرض ہے اور بہت سی حالتوں میں نہایت مفید ہے بشرطیکہ اُن کے طریقہ استعمال میں غلطی نہ کی جائے کچھ شک نہیں کہ جس غلط طریقہ استعمال کو اس زمانہ کے مسلمانوں نے اپنا دستورِ عمل بنا رکھا ہے نہ اسلام نے اُس طریقہ کی ہر کو تعلیم دی اور نہ اس طرح خرچ کرنے کو اُس نے باعثِ ثواب ٹھہرایا گو ہم اپنی جہالت و لاعلمی سے کتنا ہی اُس کو نیکی کا کام سمجھیں مگر اسلام تو اس طریقہ استعمال کو بتا ہی دین اور نکال آخرت قرار دیتا ہے جس کا جی چاہے خدا کی پاک کتاب اور جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے اُس کو ملا کر دیکھ لے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اسلام نے مخصوص حالتوں میں عام مخلوق کے لیے صدقات کو اور خاص قوم کے حاجت مندوں کے لیے زکوٰۃ کو قومی حق اور ذریعہ ہمدردی ٹھہرایا جو

اور بہت زور و تاکید کے ساتھ تائیدی مساکین بکیتس مسافرون اور در ماندہ سائلوں کے ساتھ خلوص دل سے حسن سلوک و مروت کا حکم دیا ہے اور مالی مدد کرنے پر ترغیب دی ہے جو عین حکمت اور فطری ہمدردی پر مبنی ہے حدیث میں آیا ہے تاخذ من اغنيا غم و مترد الی فقر الھم خوشحال لوگوں سے لیتے ہیں اور انھیں کے تنگ دست بھائیوں پر اسکو لوٹا دیتے ہیں۔ اس میں بھی کچھ شبہ نہیں جو لوگ باوجود فرضیت زکوٰۃ نہیں دیتے وہ نہ صرف خدا کی نافرمانی کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے کو کل قوم کا گنہگار بناتے ہیں اور مسلمانوں کا ذلیل و نادر ہونا اور رکھتے ہیں سطح جو لوگ شرعاً اور عقلاً کسی طرح بے معاوضہ خدمت و محنت مالی مدد کے مستحق نہیں ہیں مگر سوال اور مفت خوردی کے عادی ہیں وہ نہ صرف خدا کے عتاب میں گرفتار ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کے حق کو غصب کرنے والے اور قوم کو ذلت کے گڑھے میں گرانے کے مجرم بنتے ہیں۔

افسوس ہے کہ قسمتی سے مسلمانوں کی ہمالت اور نفس پروری نے بائی مذہب کی اصلی غرض اور حکم خدا کے اصلی منشا کو چھوڑ کر زکوٰۃ و صدقات کی صورت مسخ کر دی اتھیروں نے زکوٰۃ اور اُسکے استعمال کے اُن عمدہ طریقوں کو ترک کر کے جو اسلام نے تعلیم کئے تھے خیرات کے نام سے اپنی شہرت و منوہ حاصل کرنے کو یا غیر مستحق اور بے حیث لوگوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے یا فرضی و خیالی ثوابوں کی اُمید میں جو دعوے اُن کے ایسے معیوب اور سجا طریقے اختیار کیے جنھوں نے افراد و قوم کو بے عزت

اور مفلس و تباہ کرنے میں ہر طرح کی ہمدردی اور خود ان کو مقروض کر کے ان کی جائیدادوں کو غیروں کے لیے مال غنیمت بنا دیا بیچ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں اگر کسی مستحق کو بھی کچھ دیا جاتا ہے تو وہ بھی خیرات کے طریقہ استعمال کی ناقص اور مخالف شرع ہونے کی وجہ سے یا تو وہ شخص اپنے حق سے کم پاتا ہے یا اپنے حق سے زائد حاصل کر کے دوسرے حاجتمند اور مستحق لوگوں کا حق غصب کرتا ہے انہیں بجا مصارف اور خلاف شرع طریقوں نے ہزاروں کو گداگر اور کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیا جنکو دیکھ کر غیر قوم کے لوگ اپنی لاعلمی یا حق پوشی کی وجہ سے اسلام پر علانیہ تہمت لگانے میں دریغ نہیں کرتے اسلام تو بغیر اشد درجہ کی مجبوری کے جس کی برداشت طاقت انسانی سے باہر ہو سوال کو حرام قرار دیتا ہے اور فقری و گداگری کو سواد الوجہ فی الدارین بتاتا ہے۔ جناب رسالتاً صلعم نے کبھی یہ روا نہیں رکھا کہ غیر مستحق یا غیر معذور آدمی دوسرے لوگوں کی کمائی سے ناجائز فائدہ اٹھائے اور اس طرح غیرت و حمیت کو (جو اسلام کا عنصر غالب ہے) مٹانے کی کوشش کرے۔ قبضہ بن مخارقؓ سے روایت ہے کہ وہ دو قبیلوں کے باہم صفائی کرانے میں قرضدار ہو گئے تھے اس لیے آنحضرت صلعم سے طالب مدد ہوئے آپ نے فرمایا ٹھہرو مال صدقہ آنے دو پھر آپ نے فرمایا کہ لے قبضہ صرف تین شخصوں کو سوال حلال ہو۔

(۱) جو شخص کسی دین کا صامن ہو تو اولے دین کے لیے سوال جائز ہے۔

(۲) جس شخص کا مال تباہ ہو گیا ہو تو اسکو صرف سامان گزران حاصل کرنے کو سوال جائز ہو۔

(۳) جو شخص فاقہ زدہ ہو اور قوم کے تین عقلمند آدمی اُسکے فاقہ کی گواہی دین تو اُس کو صرف گزران کے سامان کرنے کو سوال جائز ہے۔

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلم نے فرمایا جس نے مال مانگا اپنی رقم بڑھانیکو نہ بغرض گزران تو وہ دونوں کی چنگاری لیتا ہے چاہے کم لے یا زیادہ غرض جس کے پاس کھانے کو اسقدر ہو کہ وہ صبح و شام کے لیے کافی ہو سکے اسکو سوال کرنا منع ہے۔ میں اس مقام پر دو واقعہ اور بیان کرتا ہوں جن سے صاف صاف زمانہ رسالت کا طرز عمل معلوم ہو جاوے گا کہ کیا تھا حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص رسول خدا صلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور خیرات کا سوال کیا آپ نے جواب میں فرمایا کہ کیا تمہارے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے انصاری نے جواب دیا کہ صرف ایک گدڑی اور ایک پیالہ ہے آپ نے حکم دیا کہ دونوں چیزیں لے آؤ اور جو صاحب اسوقت موجود تھے اُن سے فرمایا کہ کون شخص ان چیزوں کا خریدار ہے انہیں سے ایک صحابی نے ایک درہم قیمت لگائی آپ نے فرمایا اس سے زیادہ کون دینا چاہتا ہے یہ سنکر ایک اور صحابی نے دو درہم قیمت لگائی آنحضرت نے اُسے دو درہم بیکر اس سائل کے حوالے کیے اور حکم دیا کہ ایک درہم کا غنہ خرید کر بال بچوں کو کھلاؤ اور دوسرے درہم کی کُلمہاڑی خرید کر کُلمہاڑی سے لاؤ اُس انصاری نے حکم کی تعمیل کی آپ نے اُسکی کُلمہاڑی میں دستہ اپنے دست مبارک لگایا الفاظ حدیث یہ ہیں ”خشد فیہ رسول اللہ صلم عودا بیدہ ثم قال اذهب فاحتطب“ یعنی آپ نے دست مبارک

سے اُسین لکڑی لگائی اور فرمایا کہ جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور بیچو اور پھر فرمایا کہ پندرہ روز کے بعد پھر اس جگہ آنا انصاری چلی گئی اُس دن سے وہ لکڑیاں کاٹ کر لاتی اور بیچتی جب پندرہ روز پورے ہو گئے تو پھر اُسی مقام پر حاضر ہوئی اُس وقت دس درہم ان کے پاس بچت کے تھے آپ بہت خوش ہوئے وغور کرو کہ اس واقعہ سے کس قدر باتین معلوم ہوئیں۔ غیر معذور کو نہ دینا اُس کو سوال سے روکنا۔ ذاتی محنت سے روپیہ پیدا کرنے کی ترغیب دینا۔ کام میں خود اُس کا ہاتھ بٹانا۔ خدا پر توکل کے صحیح معنی تعلیم کرنا۔ طلبِ حلال کا عادی بنانا۔ اب ذرا انصاف سے موجود طریقہ خیرات کو عہد رسالت کے طریقہ خیرات سے مقابلہ کر کے دیکھو تو زمین آسمان کا فرق پاؤ گے اب تو اچھے اچھے شریف تو انا کھاتے پیتے پڑھے لکھے خوش پوشاک صرف اپنی انسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے یا آمدنی پیدا کرنے کیلئے بے تکلف میرے تیرے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور جو لوگ خوشحال اور صاحب استطاعت ہیں وہ اصلی مستحق لوگوں اور قوم کے یمون اور غریب طالب علموں اور مفلس بیماروں اور اصلی معذوروں کی تو کچھ خبر نہیں لیتے محض اپنی نمود و شہرت یا نا واجب مروت یا بیچھا پھوڑنے کی غرض سے یا بیجا رحم کی بنا پر ایسے واجب التحظیم غیر مستحق اپاہجون کی مدد میں روپیہ صرف کرتے ہیں اور اپنے نزدیک اس کو حق اور نیکی کا کام سمجھ کر خوش ہوتے ہیں غاصب و یا اولی الاباب کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ اخلاص اسلام کا نتیجہ تعلیم ہے خیر اب دوسرا واقعہ سنو۔ جناب رسالت اب صلعم اور بعض صحابہ کرام کفار مکہ کے عداوت

اور کینہ روری سے تنگ آ کر جب مکہ منظمہ سے بہ نیت ہجرت چل کھڑے ہوئے اور مدینہ منورہ  
 میں بحالت پریشانی وبے سرو سامانی پہنچے تو مسلمانانِ مدینہ جن کا دوسرا نام انصار  
 ہے اپنے غریب الوطن پریشان حال بھائیوں یعنی مہاجرین کے ساتھ نہایت ہمدردی  
 سے پیش آئے اور آنحضرت صلعم نے انصار اور مہاجرین میں اُخوت کی بنیاد ڈالی ایک  
 روز کا ذکر ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھے یہ مدینہ کے  
 بہت بڑے مالدار لوگوں میں تھے اور اُن کے پاس ایک نہایت عمدہ بیز جا نام باغ  
 تھا جس کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے یہ باغ مسجد نبوی کے سامنے واقع تھا آنحضرتؐ صلعم اکثر  
 اِس باغ میں جاتے اور اُسکا شیریں خوشگوار پانی پیا کرتے تھے حضرت انسؓ کہتے  
 ہیں کہ اُسوقت یہ آیت اُتری لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ تم ہرگز بھلائی  
 کو نہ پہنچو گی جب تک کہ خدا کی راہ میں وہ چیز خرچ نہ کرو جس کو تم عزیز رکھتے ہو تو ابو طلحہؓ  
 کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ خدا عزیز چیزوں کے خرچ کر نیکا حکم دیتا ہے اور میرے تمام  
 مال و متاع میں زیادہ عزیز چیز یہ باغ بیز جا ہے میں اسکو اللہ کی راہ میں صدقہ دیتا ہوں  
 یا رسول اللہ آپ جس طرح کا تصرف چاہیں اُسمیں کریں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا  
 ذَلِكْ مالِ رَاحِمٍ ذَلِكْ مالِ رَاحِمٍ یہ بڑے نفع کا مال ہے یہ بڑے نفع کا مال ہے جو  
 کچھ تم نے کماد وہ میں نے تمنا میں مناسب جانتا ہوں کہ تم اس کو اپنے عزیزوں پر تقسیم کرو  
 چنانچہ ابو طلحہؓ نے اِس باغ کو اپنے اقارب اور چچا زاد بھائیوں پر تقسیم کر دیا۔  
 آنحضرتؐ صلعم کے اِس طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے اہل حق کو سب پر مقدم

رکھا اور آپ نے یہ گوارا نہ کیا کہ سوائے اہل حق کے دوسرا بلا معاوضہ خدمت سے فائدہ اٹھائے۔ زکوٰۃ و صدقات سے مقصود شارع کا صرف انسانی مصیبتوں اور اتفاقی حاجتوں کو رفع کرنا ہے نہ مفت خوردن کا پیٹ بھرنا

**سوال** یہ سچ ہے کہ انسانی مصیبتوں اور اتفاقی حاجتوں کو ہلکا کرنا فرض انسانیت ہے آدمی کے دلیں فطری طور پر ہمدردی کی تحریک اُس حالت میں پیدا ہوتی ہے جب وہ کسی کو رنج و مصیبت میں مبتلا دیکھتا ہے لیکن مصیبتیں اور حاجتیں بھی بہت قسم کی ہیں مصیبت کا اطلاق اکثر تو ایک نسبتی مفہوم پر ہوا کرتا ہے بارہا ایسا دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص بقدر ضرورت زندگی وجہ کفاف رکھتا ہے مگر وہ اپنی زندگی کو ایک دولت مند آدمی کے مقابل میں رنج و مصیبت خیال کرتا ہے۔ ایسا بھی ہوا کرتا ہے کہ جو چیز ایک آدمی کے لیے مصیبت ہوتی ہے وہی چیز دوسرے کے لیے مصیبت نہیں ہوتی بلکہ باعثِ راحت ہوتی ہے کیونکہ عادت و استعمال سے بڑا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے خدا نے انسان کی بناوٹ کچھ سطح کی بنائی ہے کہ وہ کبھی اپنی موجودہ حالت پر خواہ کسی ہی اچھی اور ضرورت کے لحاظ سے کافی ہو قانع نہیں رہتا روز بروز اُسکی خواہش و حرص ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔

حرص قانع نیست بیدل در تاسابِ جہان

اُنچہ مادر کار داریم اکثر سے در کار نیست

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات کسی خاص جوش کی حالت میں جو چیز پہلے مصیبت

معلوم ہوتی تھی اب بالکل راحت معلوم ہونے لگتی ہے اصل تو یہ ہے کہ انسان کی راحت و تکلیف اور خوشحالی و بد حالی کا زیادہ تر مدار خود اسکی طبیعت و تخیل پر مبنی ہوتا ہے جیسا انسان کا ذاتی خیال ہوتا ہے ویسے ہی اُس کو اپنی حالت نظر آتی ہو و آدمی جو ایک ہی مقدار کی آمدنی ایک ہی قسم کا قریب قریب اسباب اور ایک ہی قسم کی حالت رکھتے ہیں مگر ایک آدمی اُن سب کو بیچ سمجھتا ہے اور اپنی زندگی کو رنج و مصیبت خیال کرتا ہے اور روپیہ کے لیے ہر ایک کے سامنے ہاتھ پھیلاتا پھرتا ہے اور دوسرا آدمی اُنھیں چیزوں کو اپنی لئے سرمایہ خوشی سمجھتا ہے اور اُسی حالت میں قانع و رکن رہتا ہے اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو ایسی حالتیں ہرگز رنج و مصیبت نہیں کہی جاسکتیں لہذا یہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ درحقیقت مصیبت کیا چیز ہے اور اُسکا اصلی مفہوم اسلام نے کیا قرار دیا ہے ؟

جواب۔ ہاں یہ سب باتیں سچ ہیں ایسی حالتوں کو اسلام نے بھی اصلی رنج و مصیبت کبھی تسلیم نہیں کیا جیسا کہ ایک غریب انصاری کے قصے سے جو اوپر مذکور ہوا صاف ظاہر ہے نہ ایسی حالتوں میں زکوٰۃ و صدقات سے مدد دینے کا حکم دیا بلکہ اس قسم کی مصیبتوں کا علاج شرع نے استغنا یا سیلف ہیپ کو قرار دیا ہے حدیث میں آیا ہے الغنی غنی النفس اصلی تو نگری و لکی آسودگی ہے قرآن مجید میں فرمایا ہو لیس للانسان الا ما سعه انسان کے واسطے وہی چیز ہے جس کے لیے اُسے کوشش کی۔ کچھ شک نہیں کہ جب تک انسان کو اپنی مدد آپ کرنے کا خیال اور کسی قدر



استغنا پیدا نہ ہو رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ غرض دنیا کی کوئی چیز انسان کو خوشحال اور مستغنی نہیں بنا سکتی رنج و مصیبت کا اصلی مفہوم اُس حالت کا پیش آنا ہے جو قدرتی راحت و خوشی کے برخلاف ہو۔ اسکی بھی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ وہ بد حالت غیر اختیاری واقعات سے پیدا ہوئی ہو اگر ایسا ہے تو اُس میں ہمدردی کرنا عین مقتضائے فطرت ہے دوسری صورت یہ ہے کہ وہ بد حالت انسان کی اختیاری و ارادی افعال سے بطور نتیجہ پیدا ہوئی ہو اسکی بھی دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ بد حالت انسان کی لاعلمی یا نقصانات غیر متعدی کے سبب پیش آئی ہو تو وہ بھی پہلی صورت میں داخل ہے اور قابلِ ہمدردی ہے اور اگر اُس کے برخلاف ہے تو وہ درحقیقت مصیبت نہیں ہے بلکہ ایک قدرتی سزا ہے جو کسی ہمدردی کی مستحق نہیں۔ **هَذَا مَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَ يَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ** پس جب رنج و مصیبت کی حقیقت معلوم ہو گئی تو جس حالت پر اصلی مصیبت یا اُسکی مشابہ ہونے کا اطلاق ہو اُس حالت میں کسی کی مدد کرنا اصلی اور سچی ہمدردی کی جگہ لے لی اور اسی ہمدردی کی اسلام نے تعلیم دی ہے۔

اور ایسے ہی مواقع پر زکوٰۃ و خیرات کا حکم دیا ہے زکوٰۃ اور خیرات میں اور بھی کئی طرح کی خوبیاں ہیں۔ شریعت اسلام پر غور کرنے سے صاف طور پر دو مصلحتیں اُن میں پائی جاتی ہیں۔ پہلی مصلحت تو انسان کی تہذیب نفس ہو اور اسکو بخل سے (جو بدترین خلائق میں سے ہے) پاک کرنا ہے بخل آدمی کے لوگ دشمن زیادہ رہا کرتے ہیں اور وہ خود بھی مال کی محبت میں ہر وقت اُلجھا رہا کرتا ہے زندگی بھر اُسکو سکون نصیب نہیں ہوتا

یہاں تک کہ اسی حسرت و اضطراب پر اُسکا خاتمہ ہو جاتا ہے دولت کے جو فوائد لازمی ہیں اُنکا بڑا حصہ بخیل آدمی کے بخل کی وجہ سے ضائع ہو جایا کرتا ہے۔ خلو فدا فرماتا ہے ”وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ اللَّهُ كُي رَاهِ مِّنْ عَرَجٍ كَرُوا وَارِثِهِمْ هَاهُنَا أُنْجُو كُي هَلَاكُ مِّنْ ذُلٍّ وَرُكُوتٍ وَصَدَقَاتُ كُي بِأَقَاعِدِهِ عَادَتِ أَدَمِي مِّنْ سَكُونٍ خَاطِرٌ زَنْدَةُ دَلِي - صَحِيحٌ أَحْسَاسٌ - أَلْوَالِ عَزْمِي أَوْ رِعَادَتِ مَادِي وَ رُوحَانِي كُي قَابِلِيَّتِ پید ا کرتی ہے بہت سے بیگانوں اور دشمنوں کو دوست و یگانہ بنادینے کا باعث ہوتی ہے - حاسدون کے حسد اور لوگوں کی طمع اور حرص کو کم کر دیتی ہے جن لوگوں کو خاص طور پر فائدہ نہیں بھی پہنچتا اُنکے دل میں بھی دوسروں کی کار بر آری دیکھ کر صاحبِ زکوٰۃ و خیرات کی جانب سے عمدہ خیالات پیدا کرنے کا سبب ہوتی ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے - وَاحْسِنُوا إِلَى اللَّهِ يَحْبِبُّ الْمُحْسِنِينَ احسان کرو اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے -

دوسری مصلحت اہل شہر سے تعلق رکھتی ہے شہر میں ہر قسم کے ناتوان و حاجتمند ہوتے ہیں زمانہ کے حوادث کا انحصار کسی ایک شخص پر موقوف نہیں آج ایک پر مصیبت نازل ہے تو کل دوسرے پر اس کے علاوہ انتظامی لحاظ سے لازمی ہے کہ رعایا شہر کے مال میں سے کچھ حصہ زکوٰۃ کے نام سے مقرر کیا جاوے جو خاص خاص اسلامی و قومی ضرورتوں میں صرف ہوتا ہے اور گورنمنٹ اسلامی اس کو قومی خزانہ یعنی بیت المال میں جمع رکھے تاکہ اُس میں سے سپاہِ محافظ و مدبرین اور حکام کو

جو رعایا کے کارکن اور انکی نفع پہنچانوالی ہیں گزاریں کے طور پر مشاہرے دیے جائیں  
چنانچہ جس زمانے میں مسلمان ایک زندہ قوم کہلانکی مستحق تھی اور اَلْمَلِکُ وَالْذِیْنِ  
تَوَکَّلُوْا کی مصداق تھی اُسوقت میں عمال شاہی رقم زکوٰۃ وصول کرتی تھی اور بیت المال  
میں وہ رقم جمع ہو کر قومی و اسلامی ضرورتوں میں صرف کیجاتی تھی افسوس ہے کہ  
انقلاب حکومت کے ساتھ نہ اب وہ مال رہا نہ بیت المال اولاً تو زکوٰۃ دینے والے  
مسلمان بہت کم ہیں اور جو دیتے ہیں وہ بلا لحاظ شرائطِ مجاہدہ اپنی مرضی کے موافق  
دیتے ہیں کاش اگر ہر صوبہ ہر شہر ہر قریہ میں سب مسلمان ملکر ایک زکوٰۃ کافند قائم  
کریں اور چند مستدین اکابر شہر اسکے نگران اور منتظم رہیں اور انکے باہمی مشورے  
سے زکوٰۃ کار و پیہ مستحق غرباء اور مختلف ضرورتوں میں حسب موقع و محل صرف کیا جائے  
تو آج مسلمانوں کی اس فلاکت و تباہی میں بہت کچھ کمی ہو جائے سچ فرمایا ہوا انسانی  
فطرت کے پیدا کرنے والے کامل قدرت نے وَ اَنۡیَ الْمَالِ عَلٰی حٰیۃِ ذَوِی النِّفَاقِ  
وَالْبِطَافِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَ اٰبِی السَّیْلِ وَ السَّائِلِیْنَ وَ فِی السِّرِّ قَابِ سُوْرۃ توبہ میں  
فرمایا اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَ الْعٰلَمِیْنَ عَلَیْہَا وَ الْمُؤَلَّفَةُ قُلُوْبُہُمْ فِی الرِّقَابِ وَ الْعٰمِیْنَ  
وَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اٰبِی السَّیْلِ قَرْضٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ خیرات کا مال تو فقیروں کا ہو  
اور محتاجوں کا اور ان لوگوں کا جو مال خیرات کے وصول کرنے پر مامور ہیں اور ان  
لوگوں کا جن کے دلوں کو رجحان منظور ہے اور غلاموں کی گردنیں چھڑانے میں  
یعنی آزاد کرانے میں اور قرضداروں کے قرضہ میں اور خدا کی راہ میں یعنی مجاہدین کے

سازو سامان میں اور مسافروں کی زاد و راحلہ میں یہ حقوق اللہ کے مقرر کیے ہوئے ہیں اور اللہ جاننے والا دانائے ہے۔

**سوال**۔ درحقیقت زکوٰۃ و صدقات مطابق قانونِ فطرت نہایت ضروری چیزیں ہیں اور جو طریقہ استعمال رسولِ خدا صلعم نے ہمو سکھایا ہے وہ حُسنِ معاشرت و تمدن کے حق میں بیحد مفید ہے لیکن ابھی یہ دریافت ہونا باقی ہے کہ بانی اسلام نے مقدار زکوٰۃ کیا قرار دی ہے؟ صدقات کے حدود کیا ہیں؟ اُس کے لوازم و شرائط کیا قرار دیے ہیں؟ اور لینے والے اور دینے والے کے متعلق کیا کیا احکام صادر فرمائے ہیں؟ جب تک یہ سب اُمور پورے طور پر نہ معلوم ہوں اور میزانِ عقل پر نہ جانچ لے جاؤں اُس وقت تک اُسکی نسبت صحیح صحیح رائے قائم نہیں ہو سکتی۔

**جواب**۔ یہ سب باتیں کتبِ حدیث و فقہ میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان لگائی ہیں اس لیے جُزئیاتِ مسائل کا بیان اس موقع پر نہ صرف غیر ضروری ہے بلکہ ہمارے موضوعِ کتاب سے ایک جُدا گانہ بات ہے ہم اس موقع پر ان تمام اُمور کے متعلق بالاجمال صرف وہ باتیں بیان کرتے ہیں جو صراحۃً شرعیہ سے تعلق رکھتی ہیں اور اسلام کی اس اہم اُصول کی عمگئی کو بدرجہ کمال ظاہر کرتے ہیں۔

## مقدار زکوٰۃ قرار دینے کا سبب

جب زکوٰۃ ایک ضروری و مفید چیز ٹھہری تو لازم ہوا کہ مال کے اقسام اور زکوٰۃ کی

ایک مقدار خاص معین کجاوے اس لیے کہ بعض مال اس قسم کے ہیں کہ بسبب صلاحیت افزائش زکوٰۃ کی مقدار قلیل اُن کو نقصان نہیں پہونچا سکتی بعض مال اس قسم کے ہیں کہ خواہ قلیل ہوں یا کثیر باعتبار تمدنی ضرورتوں اور انسانی مخصوص حاجتوں کی یا قلت و کثرت نسل کے اعتبار سے اگر اُن پر زکوٰۃ لازم کجاوے تو اُن سے بجائے متع حاصل ہونے کے ایک گونہ خلل پیدا ہونیکا احتمال ہے۔ ان مصالح پر لحاظ کر کے شریعت اسلام نے اموال نامیہ پر زکوٰۃ تجویز کی اور اُن کی چند قسمیں مقرر کیں اور ہر قسم کی مناسب حال مقدار زکوٰۃ ٹھہرائی اگر مقدار مقرر نہ کجائی تو جو کم دینا چاہتا وہ کم دیتا اور جو زیادتی سے لینا چاہتا وہ زیادتی سے لیتا اس طرح ایک عام ابتری اولہ بنظمی پھیلائی مقدار زکوٰۃ قرار دینے کے لیے بہ نظر مصلحت عامہ یہ بھی ضروری تھا کہ کسکی مقدار نہ اس قدر زیادہ رکھی جائے جو لوگوں پر باریعظیم ہوا و تمدن میں خلل ڈالے اور نہ اس قدر کم رکھی جائے جس کا دنیا انکو کچھ معلوم ہی نہ ہو اور سطح وہ تہذیب نفس کے فوائد سے محروم رہیں۔ مقدار زکوٰۃ مقرر کرنے کے ساتھ ہی تعین مدت بھی لازمی تھے اور وہ بھی اس طرح پر کہ نہ تو اتنی کم مدت رکھی جائے کہ لوگوں کو جلد جلد زکوٰۃ دینا پڑے اور وہ گھبرا کر چھوڑ بیٹھیں اور نہ اس قدر مدت دراز ہو کہ قومی حاجتوں اور اسلامی ضرورتوں کو نقصان پہونچے اور اہل حاجت و محافظین کو اہانتظار داشت من الموت کا ذائقہ پکھنا پڑے چنانچہ اسلام نے ان سب مصالح کو بدرجہ اتم ملحوظ رکھ کر مال کی تین قسمیں قرار دیں اول نقد یعنی سونے چاندی پر چالیسواں حصہ قرار دیا سونے کے نصاب ۲۰ دینا

یعنی ساڑھے سات تولہ اور چاندی کے نصاب دو سو درہم ٹھہرائی بعد حلالانِ حل۔  
 یعنی ایک سال کامل گزر جانے کے بعد زکوٰۃ لازم ہوتی ہے پانچ درہم کے ۱۵  
 ماشہ ۶ رتی ہوتے ہیں اگر اس سے کچھ بھی سونا یا چاندی کم ہے تو اُس پر کچھ زکوٰۃ نہیں  
 چونکہ روپیہ پیسہ کالین دین ہر وقت جاری رہتا ہے اس لیے ہم نے اس کی کس قدر بیان  
 تفصیل بیان کر دی ہے۔ دوم مونشی انجمن زکوٰۃ صرف اونٹ گائے بکری پر  
 واجب ہے نہ کسی اور جانور پر مثل اسب و خچر وغیرہ کے اس کی تفصیل کتب حدیث  
 وفقہ میں موجود ہے۔ سوم تجارت و زراعت سے مراد صرف ناجون اور پھلون کی  
 کھیتیاں ہیں ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ ترکاریاں اس میں داخل نہیں اموال تجارت  
 پر محدثین کے نزدیک زکوٰۃ نہیں جو اہر اور کرایہ کے جانور اور گھر یہ سب چیزیں زکوٰۃ  
 سے مستثنیٰ ہیں زیورات کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے بہر حال اگر کوئی دینا چاہے تو  
 نہ دینے سے دنیا بہتر ہے۔

## زکوٰۃ کی فرضیت

زکوٰۃ فرض ہے عاقل بالغ صاحب نصاب مکرونی متمم و مجنون اُس سے مستثنیٰ ہیں۔

## مصارف زکوٰۃ کا بیان

مصارف زکوٰۃ اٹھ ہیں فقیر مسکین۔ عامل۔ مولفہ القلوب۔ غلام کے آزاد کرانہیں۔

قرضدار۔ راہ خدا میں اور مسافر۔

فقیر سے مراد ہے وہ شخص جسکے پاس مال و پیسہ نہ ہو یا نصاب سے کم یا بقدر نصاب کے مال رکھتا ہو مگر غیر نامی اور وہ بھی کسی حاجت میں مستغرق ہو۔

مسکین سے مراد وہ شخص ہے جسکے پاس مال ہے یا پیسہ ہے لیکن اُسکو کافی نہیں ہوتا یا وہ شخص جسکے پاس کچھ نہ ہو روٹی کپڑے کو محتاج ہو۔

عامل سے مراد وہ شخص ہے جو زکوٰۃ تحصیل وصول کرنے پر مامور ہو اس لیے کہ وہ اپنے اداۓ فرض کے معاوضہ کا اور نیز حاجت کی وجہ سے مستحق ہے۔

مولفہ القلوب سے مراد وہ شخص ہیں ایک تو مسلم اور دوسرا مائل اسلام تو مسلم علیہ مستحق ہے کہ تبدیل مذہب کی وجہ سے جو نقصان اُسکو پہنچا ہو اُسکی کسب قدر تلافی ہو جائے اور اُسکے دل اور قوت ایمان کو تقویت پہنچے مائل اسلام کو اس لیے دینا مناسب ہے کہ اُس کو تحقیق حق اور سچائی کی تلاش میں دلچسپی کے ساتھ کوشش کرنے کا موقع ملے۔

غلام آزاد کرنا نہیں صرف کرنا فرض انسانیت ہی اسلام نے انسانی آزادی کی حمایت اور درجہ مساوات قائم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھانا نہیں رکھا نزول آیت فَاَمَّا مَنَّا بَعْدَ وَاَصَافِ اَعْمٰی کی بعد گویا اسلام نے غلامی کو نیست و نابود کر دیا۔

قرضدار سے مراد وہ شخص ہے جو رقم قرضہ سے فاضل نصاب کا مالک نہ ہو یا اُسکا مال لوگوں پر آتا ہو لیکن اُن سے بل نہ سکتا ہو قرض کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ کسی معصیت کی وجہ سے نہ ہو۔

راہ خدا سے مراد اکثر کے نزدیک مجاہدین اسلام ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک باوجود متول وہ مستحق ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ راہ خدا ایک لفظ عام ہے پس جس چیز پر عرفاً و شرعاً اور لغتاً لفظ فی سبیل اللہ کا اطلاق ہوگا وہ جگہ بھی مصرفِ زکوٰۃ میں داخل ہے مثلاً تعمیرِ مساجد تعمیرِ مدارس۔ وظائفِ طلباء تعمیرِ شفاخانہ امدادِ مریضوں اور تمام وہ امور جو تقویتِ قوم اور اعلائے کلمتہ اللہ کے باعث ہوں۔

مشافہ سے مراد وہ شخص ہے جو سفر میں ہو اور اُس کے پاس مال بالکل نہ رہا ہو یا کسی حاجت ضروری کے سبب سے سفر میں جانا چاہتا ہو۔

## وہ لوگ جنکو زکوٰۃ وصدت دینا منع ہو

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ کسی غنی اور صحیح الاعضاء کو صدقہ دینا حلال نہیں ہے ابن عدنیؒ سے یہ الفاظ مروی ہیں لاحظ فیہا الغنی کا لفظی مکتسب س رواہ ابوداؤد والنسائی یعنی غنی اور بڑے کئے معاش پیدا کرنے والے کا زکوٰۃ و صدقہ میں کچھ حصہ نہیں غنا کی مقدار اسلام نے لوگوں کے اختلافِ حالات کو ملحوظ رکھ کر مختلف قرار دی ہے مثلاً چھوٹے پیشہ کے کم حیثیت لوگ ہیں جیسے حمال کہ وہ بازار سے سامان لا کر لاتے ہیں اور لیجے بین بائیں فروش وغیرہ تو انکی مقدار غنا طعامِ صحیح و شام ہے اور جو لوگ بڑے پیشہ والے ذمی حیثیت لوگ ہیں جیسے کاشتکار معذور حبس کا کام بغیر آلات کشا و رزمی چل نہیں سکتا یا تاجر جس کا کام بغیر کسی قدر سرمایہ کی مکمل نہیں



یاجا چیس کو ساز و سامان حرب و ضرب و غوراک اسپ وغیرہ کی ضرورت ہے  
ایسے لوگوں کی مقدار غنا ایک ادقیہ یا چاس درہم بین جن کو اس قدر غنا حاصل  
ہو ان کو سوال حرام ہے اور دینا ممنوع ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے ان ہذا  
الصدقات انماھی من اوساخ الناس وانھا لا تحل لمحمد ولا لکلال محمد  
یہ صدقات لوگوں کا میل ہوتی ہیں اس لیے نہ محمد کے لیے حلال ہیں اور نہ اولاد  
محمد کے لیے فقہائے ہندوستان نے انتزاع سلطنت اسلامیہ کے سبب سے اور  
بیت المال قائم نہ ہونے کی وجہ سے (جہاں سے حقوق الہبیت ادا کیجاتی تھی) ان ضرورت  
توجیح المخطورات پر عمل کر کے بالواسطہ مال زکوٰۃ سے امداد سادات کو جائز رکھا ہے۔  
جناب رسول خدا صلعم کے پاس جب کوئی چیز لائق کھانے کے کہیں سے آتی تو آپ  
دریافت فرماتے تھے کہ یہ پیہ یعنی تحفہ ہے یا صدقہ اگر صدقہ ہوتا تو اوروں کو کھلا دیتے  
تھے نہ خود کھاتے نہ الہبیت کو کھانے دیتے وجہ یہ ہے کہ صدقے میں چونکہ معاوضہ کی  
کوئی امید نہیں ہوتی اس لیے مُعْطے لینے والے کو محتاج سمجھ کر دیتا ہے اور مُعْطٰی کی نگاہ میں  
اُس شخص کی عزت مقصود نہیں ہوتی پس اس حالت میں ایک قسم کی ذلت و  
انہانت پائی جاتی ہے۔ بہر حال سطح کماتا تمام پیشوں میں بدترین پیشہ ہے جو لوگ  
بزرگان دین ہیں انکی شان کی بالکل منافی ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے موجودہ  
زمانے میں یہ ایک عادت مروجہ قرار پا گئی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہ اسی طرح مقامات ایام تبرک  
میں مثل عید وغیرہ کے سوال ممنوع ہے حضرت علی مرتضیٰ نے ایک شخص کو عرفہ

کے دن سوال کرتے ہوئے دکھا آپ نے فرمایا تو اس دن اور اس جگہ میں غیر اللہ سے سوال کرتا ہے اور اُسکو دُور سے مارا۔ رواہ رزین۔

## صدقہ اور ہدیہ کا فرق

صدقہ کہتے ہیں راہِ خدا میں کسی حاجتمند کے دینے کو اس طرح پر کہ کسی قسم کے معاوضہ کا شائبہ اُس میں نہ پایا جائے اور ہدیہ اُس پیشکش کا نام ہے جو از راہِ مزید اتحاد و مودت دیا جائے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول کرنے کو جائز رکھا حدیث میں ہے ان النبی صلعم کان اذا اتی بطعام سال عنہ فان قبل عذیۃً اکل منها وان قبل صدقۃً لم یأکل منها آنحضرت کی عادت تھی کہ جب کھانا آتا دریافت کر لیتے اگر ہدیہ ہوتا تو کھا لیتے اور اگر صدقہ ہوتا تو نہ کھاتے۔

## صدقہ کیلئے مقبول شرط نہیں

صدقہ ایک ادنیٰ غریب آدمی بھی کر سکتا ہے ابو موسیٰ رفعا روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر صدقہ ہے صحابہ نے عرض کیا کہ اگر وہ کوئی چیز صدقہ کیلئے نہ پائے فرمایا اپنے ہاتھ سے کام کرے کمائی اپنی کو بھی نفع پہونچائے اور صدقہ بھی دے کہا گیا کہ اگر وہ یہ نہ کر سکے یا نہ کرے فرمایا کسی حاجتمند حیران کی مدد کرے کہا گیا اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا خیر کا حکم کرے یعنی کوئی مفید مشورہ دے کہا گیا اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا شرفِ ناسد

سے باز رہے یہ بھی صدقہ ہے حدیث ابو زرین فرمایا ہے کہ تمھاری جماع و شرمگاہ میں صدقہ ہے کہا گیا کہ اسمین تو آدمی اپنی خواہش پوری کرتا ہے کیا اسمین بھی اُسکو اجر ملتا ہے؟ کہا کہ اگر وہ اپنی خواہش کو حرام میں صرف کرتا تو پھر گناہ ہوتا یا نہیں؟ سلج جب اُسکو حلال میں نکالتا تو اُسکو اجر ملے گا۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا یعدل بین اثنتین صدقۃ الحدیث دو آدمیوں میں انصاف کرنا صدقہ ہے۔ اپنی سواری دیکر کسی کی مدد کرنا صدقہ ہے اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔ نماز کے لیے قدم اٹھانا صدقہ ہے۔ ہر مرتبہ لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے۔ اسی قسم کی اور باتیں صدقہ ہیں۔

## صدقہ واجب

صدقات میں صاحب نصاب پر صدقہ عید الفطر واجب ہے فی آدمی نصف صاع گیہوں جس کے قریب دو سیر گیہوں ہوتے ہیں۔

## صدقہ باعث تہذیب نفس اور دافع بلا ہر تیر باعث

## نجات فاسق ہو سکتا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

خذ من اموالھم صدقۃ تطہرھم و تزکیھم بها (ای غفر) لکمال کی بھی زکوٰۃ لے لیا کرو۔ زکوٰۃ کے قبول کرنے سے تم انکو ناپاکیوں سے پاک و صاف کرتے ہو اور انکو دعائی خیر دے دو۔ وصل علیہم

صدقہ کے باعث انسانی نفوس نخل کے عیوب سے پاک ہوتے ہیں دلون کو جلا حاصل ہوتی ہے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

حدیث میں حضرت علیؓ سے مروی ہے بادروا بالصدقۃ فان البلیا لا یخطاها صدقہ دینے میں جلدی کرو بلا اس سے آگے نہیں بڑھتی جو شخص صدقات کرتا رہتا ہے لوگ اُس سے راضی رہتے ہیں حاسدین کا حسد ٹھنڈا پڑ جاتا ہے طمع اور لالچ میں لوگوں کے کمی آ جاتی ہے اُس کی طرف سے غیروں کے دلمین بھی اچھے خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ حدیث ابو ہریرہؓ میں مروی ہے کہ ایک عورت فاحشہ نے ایک روز برب چاہ ایک کتے کو دکھا کہ پیاس کے مارے زبان نکالے پڑا سسک رہا تھا اُسے اپنا موزہ اُتار کر اور اپنی اوڑھنی میں باندھ کر کنوے سے پانی نکالا اور اسکو پلایا خدا نے اُسکو اس کا رخیہ کی بدلت بخشید یا صحابہ نے پوچھا کہ کیا ہمکو بائم کے ساتھ سلوک کرنے پر بھی اجر ملتا ہے آپ نے فرمایا فی کل ذلک بد رطبہ ہر جگر تر میں اجر ہے۔ جگر تر سے مراد جانور ہیں۔ صدقہ دیکر احسان جتنا اور ایذا دینا ممنوع ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا ایہا الذین امنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی کالذی ینفق مالہ رعاء المناس ولا یومن باللہ والیوم الآخر صدقہ ظاہر طور پر دینا جائز ہے مگر چھپا کر دینا بہتر ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان تبدوا الصدقات فنعلمہا وان تحتفوا او توثوھا الفقراء فھو خیر لکم ویکفر عنکم سیاتکم واللہ بما تعملون خبیر

## لاعلمی میں بے موقع صدقہ بھی باعث اجر ہے

حدیث ابو ہریرہ میں ایک شخص کا ذکر آیا ہے جس نے اپنا صدقہ لاعلمی کی حالت میں ایک مرتبہ چور کو دوسری مرتبہ فاحشہ عورت کو تیسری مرتبہ ایک آسودہ حال آدمی کو دیدیا جب لوگوں میں یہ چرچا پھیلا تو اُس نے افسوس سے کہا اللہم لک الحمد علی سارق وزانیۃ وعننی خداوند اہر حال میں تیرا شکر ہے میرا مال چور اور فاحشہ اور آسودہ حال آدمی کو پہنچا لوگوں نے اُس کو اطمینان دلایا یہ غم کی بات نہیں جو صدقہ چور کو پہنچا ممکن ہے کہ وہ اُس روز چوری سے باز رہا ہو اور وہ عورت اُس روز زنا سے بچ گئی ہو کیونکہ سب کرم پیٹ کراتا ہے سطح وہ صدقہ آسودہ حال آدمی کو باعثِ شرم وغیرت ہو سکتا ہے ممکن ہے کہ آئندہ اس کو بھی خیرِ حرج کرنے کی توفیق ہو اس سے معلوم ہوا کہ خلوص نیت اور دلی جہش سے اگر صدقہ دیا جائے گو اُس سے غیر مستحق ہی کو نفع پہنچے تب بھی صدقہ دینے والے کو اجر ملتا ہے۔

## صدقہ دیتے وقت ابتداً کس شخص سے کیجائے

حدیث میں آیا ہے کہ ایک اشرفی تو وہ ہے جو توراہ خدا میں خیرِ حرج کرے ایک وہ ہے جو غلام آزاد کرنے میں تو صرف کرے اور ایک وہ ہے جو تو مسکین کو دے اور ایک وہ ہے جو تو اپنے کنبہ پر صرف کرے ان سب میں زیادہ باعتبار ثواب

وہ اشرفی ہے جو تو اپنے کنبہ پر خرچ کرے آپ نے فرمایا ابدع بمن تعول اپنے اہل و عیال سے دینا شروع کر۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں ایک آدمی نے حاضر ہو کر رسول خدا صلعم سے کہا میرے پاس ایک دینار ہے فرمایا اُسکو اپنی ذات پر خرچ کر اُس نے کہا ایک اور ہے فرمایا اپنی اولاد پر صرف کر اُس نے کہا ایک اور ہے فرمایا اپنی بی بی پر صرف کر اُس نے کہا ایک اور ہے فرمایا اپنے خادم پر صرف کر اُس نے کہا ایک اور ہے اپنے فرمایا انت اعلم ابو جان جہان مناسب ہو وہاں خرچ کر اس حدیث میں صرف کرنے کی ترتیب تعلیم دی گئی ہے۔ بی بی کو بلا اجازت شوہر مال شوہر میں سے صدقہ دینا ممنوع ہے۔ رسول خدا صلعم نے حجۃ الوداع میں فرمایا لا تنفق امرأة من بیت زوجھا الا باذنه کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے بلا اجازت اُس کے کچھ خرچ نہ کرے صحابی نے پوچھا کیا کھانے کی قسم میں بھی آپ نے فرمایا کہ وہ تو ہمارے مالو میں سب سے فضل اور اعلیٰ مال ہے اسما و بنت ابی بکرؓ نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ میری ماں آئی ہیں اور وہ مشرکہ ہیں کیا میں اُن کے ساتھ سلوک کروں آپ نے فرمایا ہاں حدیث کے الفاظ یہ ہیں عن اسماء قالت قلت یا رسول اللہ ان اُمی قد مت علیٰ وحی راجعۃ اور اہبۃ افاصلھما قال نعم

## صدقہ کی حقارت خود کو یا محنت کی ترغیب ہے

رسول خداؐ نے صدقہ کو لوگوں کا میل ٹھہرایا صدقہ کو آدمی کیلئے ذلت و اہانت کا

باعث قرار دیا آنحضرت نے فرمایا جو شخص اپنی پٹھپر لکڑی کے گٹھے لاد کر لاتا ہے اور اُسکو بیچتا ہے تو اللہ اسکی عزت محفوظ رکھتا ہے وہ اُن سائلوں سے بہتر ہے جو مانگتے پھرتے ہیں کمین پاتے ہیں کمین نہیں پاتے غرض صدقات کی توہین خود محنت و کوشش کی خوبیوں کو ظاہر کرتی ہے جس قوم کا ہر فرد محنت و کوشش کا عادی ہو وہ کل قوم کیسی کچھ متمول اور خوشحال ہوگی اور اُسکی عزت کا درجہ کس قدر بلند و مرتفع ہوگا سچ ہے حرکت میں برکت ہے اور بہت کا حامی خدا ہے۔

## زکوٰۃ و صدقات سے علم حساب سیکھنے کی ترغیب

زکوٰۃ و وراثت وغیرہ کے احکام زور کے ساتھ خاص طور پر قوم کو علم حساب جاننے اور باقاعدہ حساب آمدنی و خرچ کارکھنے کی ہدایت کرتے ہیں تمام مہاجن دوالی وغیرہ کے موقع پر اپنی سال تمام کی آمدنی و خرچ کی جانچ کرتے ہیں اپنے سرمایہ کی کمی و بیشی پر نظر ڈالتے ہیں اگر کسی قسم کی کمی پاتے ہیں تو اُسکی تلافی میں کوشش کرتے ہیں اور اگر افزائش دیکھتے ہیں تو اُن کے حوصلوں میں اور ترقی ہوتی ہے اور پہلے کی نسبت اور زیادہ اُن کو محنت و کوشش کرنیکا شوق پیدا ہوتا ہے زکوٰۃ کا طریقہ ہوگا اپنی آمدنی کے جانچنے اور سال کے سال حساب و کتاب کے پاک و صاف رکھنے پر متنبہ کرتا ہے۔ فقط۔

تمام شد

## فہرست کتب و لفات علیہنا نواب سید علی حسن خان بہادر

فطرت الاسلام یہ وہ کتاب ہے جسکی شہرت قبل چھپنے کے اطراف ہندوستان میں پہنچی اور بڑے اشتیاق کے ساتھ اُسکا انتظار کیا جا رہا ہو اس کتاب میں قرآن پاک کی آیات اور احادیث صحیحہ اور مستند دلائل سے بڑی جامعیت کے ساتھ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مذاہب جو دہ میں مذہب اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو بالکل عقل و فطرت کے مطابق ہے اور ہر طرح کی مادی و روحانی ترقیوں کا حشر ہے اس کتاب کا مطالعہ کرنا ہر ایک مسلمان اور خصوصاً گریجویٹ اور طلباء مدارس انگریزی کو اوقات فرصت میں بہت ہی مفید ثابت ہوگا۔ اسکے بلند پایہ مضامین کی ایک مکمل فہرست علیحدہ موجود ہے جس سے اس مفید کتاب کی نوعیت پر روشنی پڑتی ہے یہ کتاب بے عیبیاں کے بھی اعلیٰ درجے کی ہے اسکی نسبت اسی قدر کمنا کافی ہے کہ یہ نامور مطبع نامی پریس کانپور میں باہتمام جناب منشی محمد رحمت اللہ صاحب طبع ہوئی ہے۔ قیمت۔

نسخہ مجلد کاغذ درجہ اعلیٰ..... سٹے

نسخہ غیر مجلد کاغذ درجہ اعلیٰ..... عیار

نسخہ غیر مجلد کاغذ متوسط..... عیار



## المذنبۃ فی الاسلام

یہ کتاب اپنی انوکھی نوعیت اور حدیثِ مضامین کے لحاظ سے پہلی تالیف ہو۔ اس سے قبل کوئی مستقل کتاب اس موضوع پر زبانِ اردو میں ایسی نہیں لکھی گئی جس میں آیاتِ قرآنی اور احادیث سے تمام ساز و سامان دُنیا اور دُنیاوی ترقی کو تفصیل وار زبردست دلیلوں سے ثابت کیا گیا ہو اور تمام عام و خاص مسلمانوں کو اسلامی احکام سے سیدھا راستہ شخصی اور قومی ترقی کا اس صفائی سے بتایا گیا ہو۔ عبارت سادہ سلیس اور عام فہم ہو اس کے مضامین کی ایک علیحدہ فہرست بھی چھپی ہو۔ یہ کتاب ہنوز زیرِ طبع ہے۔

## شریعت الاسلام

یہ عربی کے ایک نایاب رسالہ درۃ العباسیہ کا اردو ترجمہ ہو جو مدارس مصر کے نصابِ تعلیم میں داخل ہو جس کو محکمۂ نظارۃ المعارف مصر یعنی سرشتہ تعلیمات نے پسند کر کے شائع کرایا مبتدی طلباء کیلئے از حد مفید ہے۔ قیمت ..... ۵۰

## تعلیم و تربیت

یہ نواب صاحب کا ایک اعلیٰ درجہ کا لکچر ہو جو نواب صاحب نے اپنے عہدہٴ انزیری ڈائرکٹری سرشتہ تعلیمات ریاست بھوپال کے زمانے میں ایک خاص تعلیمی جلسہ کے موقع پر دیا۔ قیمت ... ۳۰

نواب صاحب کا یہ ایک فصیح و بلیغ لکچر ہو جو ندوۃ العلماء کے چوتھے سالانہ اجلاس میں ارشاد فرمایا تھا۔ قیمت ..... ۲۰

## البیان نمبر ۲

دین دار و دنیا دار۔ ایک مختصر چھوٹا سا نہایت مفید رسالہ۔ قیمت۔ . . . . ۱  
 خرمین گل۔ نواب صاحب کا فارسی دیوان۔ قیمت۔ . . . . ۳  
 نالیہ دل۔ نواب صاحب کا اردو دیوان۔ قیمت۔ . . . . ۴  
 انتظام خانہ داری ایک پر مغز اور موثر لکچر جو ایک مہذب زنانی محفل میں عالی مرتبہ  
 خاتون اور ادب آموز لڑکوں اور لڑکیوں کے سامنے دیا گیا۔

قیمت۔ . . . .  
 اسلام اور اُسکے یہ ایک نہایت دلکش اور اسلامی عبادت کی خوبیوں سے بہرہ  
 طریقہ عبادت۔ لکچر جو بہ تقریب روزہ کشائی ایک مہذب زنانی محفل میں دیا گیا۔  
 قیمت۔ . . . .

حسب ذیل پتہ سے کتابیں طلب کیجاوین۔

خواجہ سید صفحہ حسین۔ لال باغ لکھنؤ۔ کوٹھی نہر











